برِصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

نوائے غزوۂ ہند

اپریل ۲۰۲۶ء
شوال و ذوالقعدہ ۱۴۴۷ھ

بانی مُدیر: حافظ طیّب نواز شہید رحمہ اللہ

مالی......نصرِ رب ساتھ لیے فتح کا دن آتا ہے!

مرتدین کے خلاف کامیابیوں پر خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا سیدنا خالدؓ بن ولید کے نام مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلیفۃ الرسول ابوبکر کی طرف سے خالد بن ولید کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله، اما بعد!

اللہ کرے کہ یہ کامیابیاں مزید کامیابیوں کا پیش خیمہ ہوں۔اپنے سارے کاموں میں اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ ان لوگوں کا ساتھ دیتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ۝ (سورۃ النحل:۱۲۸)

"یقین رکھو کہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو احسان پر عمل پیرا ہیں۔"

اسلام کی سربلندی اور ارتداد کے قلع وقمع میں پوری تندہی سے کام لو، ذرا بھی تساہل نہ ہونے پائے۔جس شخص نے کسی مسلمان کو مارا ہو اور وہ تمہارے ہاتھ لگ جائے تو اس کو ضرور قتل کر دو، اور اس طرح قتل کرو کہ دوسرے عبرت پکڑیں۔وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی ہو اور اسلام کے دشمن ہوں، ان کے قتل سے اگر اسلام کو فائدہ پہنچتا ہو تو قتل کر سکتے ہو۔

(تاریخ طبری: جلد ۳ صفحہ ۲۳۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۹، شمارہ نمبر: ۴

اپریل ۲۰۲۶ء | شوال و ذوالقعدہ ۱۴۴۷ھ

بحمد اللہ... مُسلسل اشاعت کا انیسواں ۱۹ سال!

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’رباط کرنے والے کے علاوہ ہر کسی کے اعمال موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں، جو اللہ کی راہ میں حالتِ رباط میں ہی فوت ہو جائے اس کے اعمالِ صالحہ قیامت تک نشونما پاتے رہتے ہیں اور وہ فتنۂ قبر سے بھی محفوظ کر دیا جاتا ہے۔‘‘ (ترمذی)

اس شمارے میں

اداریہ
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی 5

تزکیہ و احسان
اللہ سے حُسنِ ظن 7

آخرت
موت و مابعد الموت 9

اسوۂ حسنہ
سیرتِ رسول ﷺ کے سائے میں 12

نشریات
اہلیانِ پاکستان کے نام! 15

فکر و منہج
جنگی اسٹریٹیجی کے ۳۳ رہنما اصول 17
ایپسٹین فائلز اور مجاہدین کا موقف 24
مدارس و دینی جدوجہد کی تحریک 29
کفار کا معاشی بائیکاٹ 34
شاہراہِ محمد ﷺ 37

عالمی منظر نامہ
فساد فی الارض 42

طوفان الاقصیٰ
اسرائیل کا سزائے موت کا قانون 44
اسرائیلی قبضے کو ممکن بنانے والے مذاکرات 46
یہودی ہو تو بری، فلسطینی ہو تو پھانسی 47

افغان باقی کہسار باقی......الحکم للہ والملک للہ
عمرِ ثالث 49

پاکستان کا مقدر......شریعتِ اسلامی کا نفاذ!
استعماری تہذیب کے پھندے 53

کشمیر......غزوۂ ہند کا ایک دروازہ!
اہلِ وفا کی گردنیں کٹی ہیں بتیغِ جفا 56

......ہند ہے سارا میرا!
غیرت کا تقاضا ہے کہ عزت نہ ہو نیلام 58
رمضان میں بھارتی مسلمانوں کی حالتِ زار 60

نقطۂ نظر
شام کے متعلق چند کھلی باتیں 62
میڈیا کی زبان بطور جنگی ہتھیار 64

غزوۂ ہند
غزوۂ ہند کی فکری بنیادیں 65

حلقۂ مجاہد
مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 74

اوپن سورس جہاد
وی پی این (VPN) انڈسٹری کی حقیقت 76

میدانِ کارزار سے
معرکے ہیں تیز تر! 83

ناول و افسانے
الشوک والقرنفل (کانٹے اور پھول) 84

وغیرہ وغیرہ
اِک نظر اِدھر بھی 90

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.org
www.nawai.io/Twitter
www.nawai.io/Bot
www.nawai.io/ChirpWire

ContactNGH.313

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں علمائے کرام کی اجازت کے بعد جانداروں کی تصاویر شامل ہوتی ہیں۔ تاہم یہ اجازت فقط مجلّے کے ’ویب ورژن (PDF وغیرہ)‘ کے لیے ہے، اگر کوئی مجلّے کو کاغذ پر چھاپنا چاہے تو براہِ کرم مذکورہ تصاویر کو دھندلا (blur) کر کے چھاپے۔ قدیم و معاصر علماء کی اکثریت بہر حال کاغذ پر چھپی تصویر کی اجازت نہیں دیتی!
- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں شائع ہونے والے ’مستعار مضامین‘ (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

آج صحرائے اعظم میں ایک بار پھر پھریرائے اسلام لہرا رہا ہے۔ جغرافیائی و تاریخی لحاظ سے قریب قریب یہ وہی خطہ ہے جہاں سے الجزائر تا مراکش و اندلس یعنی سپین تک اقامت و حفاظتِ اسلام کے لیے جہاد و رباط کی کوششیں و کاوشیں ہوتی رہیں۔ ان مجاہدین دعوت و عزیمت کو صد بار آفرین، مبارک باد اور دعائیں۔ اسی طرح ان کے واسطے سے تمام عالمِ اسلام کے مسلمان بھی لائق مبارک باد ہیں کہ 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' پڑھنے والوں کے جہاد و رباط کے نتیجے میں کفر و نظامِ کفر ذلیل و رسوا ہوا ہے، اور ساتھ ہی باقی عالَم کے مسلمانوں، خصوصاً علماء و داعیان و مجاہدین کے لیے اس فتح میں بہت سے اسباق بھی پنہاں ہیں۔

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے اپنے بندوں کے ساتھ فتح و نصرت اور غلبۂ دین کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن فتح و نصرت اور غلبہ محض آرزوؤں اور تمناؤں سے حاصل ہونے والی کسی چیز کا نام نہیں۔ یہ عظیم نعمتیں شرعی و تکوینی سنتوں پر عمل، تقدیر پر بھروسہ اور بہترین تدبیر، حقوق اللہ کی پہچان، شریعتِ محمدی (علی صاحبہا ألف صلاۃ وسلام) سے تمسک اور حقوقِ عباد اللہ کی ادائیگی و امتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ نرمی، محبت، خیر خواہی وولاء اور دشمنانِ خدا اور سولؐ کی پہچان اور ان سے دشمنی و براء کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہیں۔ شریعتِ الٰہی صرف مقاصد کے بیان اور ان کے حصول کے لیے 'The end justifies the means' قسم کے فلسفے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ شریعتِ الٰہی مقاصد کے حصول کے لیے فکر و منہج و طریق بھی بیان کرتی ہے۔ ذرا انبیاء اللہ سے شروع ہو کر قیامت پر ختم ہونے والی ورثائے انبیاء کی تاریخِ دعوت و عزیمت پر غور کیجیے تو اصل بات مقاصد کا حصول اور غلبہ حاصل کر لینا نہیں بلکہ اس راہِ مقصد پر ڈٹے رہنا اور کھپتے رہنا ہے، اور راہ اور مقصد پر ڈٹنے، جمنے اور استقامت اختیار کرنے کا 'مقصد' رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ جو مقصد اور اس کے طریق 'دونوں' میں احکامِ شریعت کی رعایت کرتے ہوئے تدبیر اختیار کرے تو یہی کامیاب و کامران ہے۔

آج بچشمِ سر ہم ایک خطۂ مسلمین میں شریعتِ مطہرہ کو غالب دیکھ رہے ہیں، یعنی امارتِ اسلامی افغانستان اور ساتھ ہی فتح و نصرت کی طرف کامیاب پیش رفت صومالیہ و مالی کے علاقوں میں نمایاں ہے۔ ان تحریکوں کی کامیابی میں چند نمایاں اوصاف درج ذیل ہیں، جن کو اپنا کر عالمِ اسلام کے دیگر اہالیان عملاً غلبۂ دین اور اقامتِ شریعت کی منزل کی طرف سفر کر سکتے ہیں۔

- اقامتِ دین کی محنت کرنے والے گروہ، جماعت و تنظیم و تحریک کا حالاً و فعلاً سب سے پہلے اپنے اقوال و اعمال، اخلاق و احوال میں نفاذِ شریعت۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی گروہ 'کل' غلبہ حاصل ہونے پر اقامتِ شریعت کا دعویٰ کرے، لیکن اس کا 'آج' اقامتِ شریعت سے دور ہو۔
- اہلِ ایمان کے ساتھ ولاء و محبت، اخوت و بھائی چارگی کا تعلق۔ قوم و وطن پرستی کو پائمال کرتے ہوئے قومیت و شناختِ اسلام و تقویٰ کو فضل و شرف کی بنیاد بنانا۔ عربی و عجمی، کالے و گورے اور پنجابی و پشتون تعصبات کو پاؤں تلے روند کر ملتِ اسلام کو اپنی پہچان اور دعوت و جد و جہد اور جہاد کا مرکز بنانا۔
- اقامتِ شریعت کی محنت کے لیے لازماً دنیا میں رائج باطل نظاموں کو سمجھنا۔ جمہوریت، آزادی، مساوات، ترقی و حقوق جیسے نعروں کی چکاچوند یا فاسد و باطل تاویلوں کا شکار نہ ہو جانا۔ دنیا کے یہ سبھی جدید و قدیم نظام 'لا إلٰه إلا الإنسان' کے فلسفے پر کھڑے ہیں۔ یہ سب نظام ڈیزائن و تشکیل ہی اس طرح کیے گئے ہیں کہ ان کا نتیجہ مادی ترقی و روحانی تنزلی پر منتج ہو۔ جمہوریت یعنی اکثریت کا غلبہ تو اگر دنیا کے کسی ادارے پر بھی ہو جائے تو وہاں کا نظام درہم برہم ہو رہے، کجا وہ دین و ملت کے فیصلوں کے لیے

پسند کر لیا جائے۔ جیسے اشتراکیت و کمیونزم اسلامی نہیں ہو سکتے (بلکہ یہ تو اسلامیانِ عالم ہی ہیں جنھوں نے اس نظریے کو فکر و علم اور جہاد کے ذریعے توڑا)، بالکل اسی طرح جمہوریت، سرمایہ داری وغیرہ بھی اسلامی نہیں ہو سکتے۔

- یہ دنیا واقعی گلوبل ویلج ہے۔ اس گلوبل ویلج کا چودھری ایک ہی ہے اور یہ چودھری اور اس کی پنچایت ہی مل جل کر گاؤں کے باقی باسیوں اور مکینوں پر مسلط ہیں، ان کے وسائل کو لوٹتے ہیں، ان کو حقوق سے محروم کرتے ہیں، ان کی چادر و چار دیواری کو پامال کرتے ہیں، ان سے ان سب مظالم کے ساتھ ساتھ بھتہ و باج وصول کرتے ہیں..... بینک ان کے ہیں، ٹیکسالے بھی، ان کو آتی ہیں کئی رنگ کی چالیں بھی، اردلی ان کے ہیں، دلال ان کے ہیں..... جب تک دنیا میں ان کی حکومت و چودھراہٹ قائم ہے، اس دنیا کا کوئی گھر پر سکون نہیں ہو سکتا۔ امریکہ و مغربی تہذیب اور ان کے ورلڈ آرڈر کا غلبہ توڑے بغیر نفاذِ اسلام کا خواب اور اس کی تعبیر ادھوری ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر نے دنیا کے ہر ہر گھر کو کچھ ایسا اپنے شکنجے میں کسا ہے کہ ہر ہر گھر میں 'ڈالر اکانومی' دخیل ہے اور جب تک یہ سرمایہ دار 'ڈالر اکانومی' دنیا میں غالب ہے، صد فی صد عالمی سودی نظامی سے چھٹکارا نا ممکن ہے، یعنی صد فی صد اقامتِ شریعت اس امر پر منحصر ہے کہ اس اقتصادی نظام کو توڑا جائے۔ اس عالمی اقتصادی نظامِ سرمایہ داری کی راکھی امریکہ دنیا بھر میں پھیلی اپنی کمانڈوں سے کرتا ہے۔ پس ہر ہر تحریک و تنظیم جو غلبۂ اسلام کی خواہاں، داعی و محنت کش ہو تو اپنی اپنی استطاعت کے بقدر دعوت، اعداد و تیاری اور جہاد کے اپنے لائحۂ عمل میں اس عالمی نظام پر ضرب لگانے کو ترجیحی ہدف رکھے۔ چھوٹی بڑی بہت سی ضربوں کا نتیجہ اس عالمی نظام کے انہدام اور نظامِ اسلامی کے غلبے کے طور پر منتج ہو گا۔
- الغرض، درج بالا اعلیٰ مقاصد و مناہج کے ساتھ حسنِ تدبیر نہایت اہم شئے ہے۔ بہترین اسٹریٹیجی، دعوتی، تربیتی، اخلاقی، عسکری، استخباراتی، اقتصادی و اعلامی لائحہ جات کی تشکیل، متشرع لوگوں کا فنونِ حروبِ شاملہ میں تخصص، زمینی حالات کے مطابق دعوتی و جہادی حکمتِ عملی کی تشکیل و تجویز اور حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے سیاسی و دعوتی لچک کی منصوبے و فکر میں موجودگی، محاسبے و جائزے کا نظام، عملی و فکری غلطیوں کا جائزہ و تدارک اور ان سب امور کے لیے ادارت و انتظام و نظم و ضبط کا نظام۔ عالمی اسلامی و جہادی جماعتوں اور تنظیموں کا آپسی تعلق، عالمی اسلامی بیداری میں مشورہ و معاونت، ایک دوسرے کے تجربات اور تاریخ میں گزری تحریکات سے سیکھنا، یہ سب امور نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالَم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مَردوں کی شمشیریں

اگر یہ سب چیزیں دنیا کے باقی خطوں، خصوصاً اہالیانِ پاکستان نے اختیار کر لیں تو ان پر صد آفرین، ورنہ جس غلام گردش میں ہم پچھلی ایک صدی سے چکر کاٹ رہے ہیں وہی کاٹتے رہیں گے اور پھر جس بھی قوم و ملت، گروہ و تنظیم و تحریک نے شرعی و تکوینی سنتوں پر عمل کیا تو بہت کم وقت میں زمامِ اقتدار ان کے ہاتھ میں ہو گی۔ اصل راستہ 'تقدیر پر ایمان کے ساتھ بہترین تدبیر سے جہاد' ہی ہے، باقی سب 'خیال است و محال است و جنوں'!

وہی دیرینہ بیماری، وہی نا محکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

اللهم وفقنا لما تحب وترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

•••••

اللہ سے حُسنِ ظن

شیخ إياد قنيبي

آزمائش و ابتلا کو نعمتوں میں کیسے بدلیں؟ آزمائش کی نعمت کا مزہ کیسے حاصل کریں؟ قطع نظر اس سے کہ آپ کو زندگی میں کس کس مشکل کا سامنا ہے، آپ ایک پر سکون زندگی کیسے گزار سکتے ہیں؟ آپ ہر معاملے کا سامنا مثبت اندازِ فکر اور امید و حوصلے سے کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ وہ گہرا و قریبی تعلق کیسے بنا سکتے ہیں، کہ آپ کو اس کی ذات کے سوا کسی کا خوف اور کسی سے امید نہ رہے؟ آپ ایک ناقابلِ شکست عزم اور ایک ناقابلِ شکست شخصیت کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟ آپ اپنے دل کا تزکیہ کیسے کریں، کہ قسمت و تقدیر کو الزام دینا چھوڑ دیں تا کہ اللہ سے ایک سالم و پاکیزہ دل کے ساتھ ملاقات کر سکیں؟ آپ اپنے خالق و مالک، اپنے ربّ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے اپنی محبت کو کیسے خالص و غیر مشروط بنا سکتے ہیں؟ تحریرِ ہٰذا میں آپ کو ان سوالوں کے جواب، اور مزید بہت کچھ ملے گا، ان شاء اللہ! (إياد قنيبي)

اللہ سے اپنی محبت مضبوط بنیادوں پر کھڑی کریں

آخری گفتگو کے دوران ہم نے دیکھا کہ اللہ سے مشروط محبت کرنے والوں کی محبت کا انحصار اللہ کی جانب سے نعمتوں کے جاری رہنے پر ہوتا ہے (جیسے مال و دولت، صحت، آزادی، گھریلو حالات کا مستحکم ہونا، معاشرتی سٹیٹس وغیرہ)۔

کیا آپ نے محسوس کیا کہ یہ سب دنیاوی نعمتیں فانی ہیں؟ سو دیکھیے کہ ایک مشروط عاشق کی محبت کو کتنے خطرات لاحق ہیں: مال کا چلا جانا...... یعنی غربت و فقر۔ صحت کا چلا جانا...... یعنی بیماری۔ آزادی کا رخصت ہو جانا...... یعنی قید۔ گھریلو استحکام ختم ہو جانا...... یعنی خاندانی مسائل۔ جس شخص نے ان بنیادوں پر اللہ سے محبت کی...... ذرا سوچیے کہ اس کا کیا حال ہوتا ہے جب ان فانی بنیادوں میں سے کسی کے ختم ہو جانے سے اسے آزمایا جاتا ہے؟ اس کے ایمان کی پوری عمارت ہی ایک جانب کو ڈھلک جاتی ہے اور اس کی محبتِ الٰہی سمیت، ان ناقص بنیادوں پر کھڑی یہ عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ اللہ سے میری محبت ایسی ہی ناقص بنیادوں پر کھڑی ہے جو کسی بھی لمحہ، کسی بھی آزمائش کے نتیجے میں منہدم ہو سکتی ہے؟ یعنی کیا اللہ سے میری محبت کی بنیاد دنیاوی نعمتیں ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مصیبت و آزمائش وہ بہترین ذریعہ ہے جس سے آپ اس سوال کا جواب تلاش کر سکتے ہیں، اور اس اعتبار سے مصیبت اللہ کی جانب سے آزمائش کے بھیس میں نعمت و رحمت ہے۔ جب آپ کسی مصیبت کے ذریعے آزمائے جاتے ہیں اور آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو اس مصیبت سے خلاصی عطا فرمائے اور آپ پر اپنی نعمت و رحمت کا سایہ فرمائے، لیکن ممکن ہے کہ مشیّتِ الٰہی یہ ہو کہ آپ کی آزمائش ابھی مزید بڑھے اور مزید شدت اختیار کر لے۔ تب ہی آپ جان سکتے ہیں کہ اللہ کے لیے آپ کی محبت دنیاوی نعمتوں کی بحالی و روانی سے مشروط تھی یا نہیں۔

میں ایک ایسی آزمائش میں مبتلا ہوا کہ میں اپنی آزادی، اپنے گھرانے، اپنے بچوں، اپنے احباب، اپنے مال و دولت اور اپنے ذریعۂ معاش...... ان سب سے یکدم محروم ہو گیا! میں نے اللہ سے دعا کی، لیکن تقدیرِ الٰہی یہی تھی کہ میری آزمائش میری توقعات سے بڑھ کر طویل ہو گئی۔ اس آزمائش نے مجھے مجبور کیا کہ میں سوچوں کہ کیا میں اب بھی اللہ سے محبت کرتا ہوں؟

اس سوال نے مجھے یہ اندازہ لگانے میں مدد کی کہ میرے دل میں اللہ کے لیے محبت کسی حد تک مشروط ہے، اور مجھے موقع ملا کہ میں اللہ سے اپنی محبت نئی، مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر تعمیر کروں۔

میرا آپ سے سوال ہے: کیا آپ ایک ایسا گھر خریدنے پر آمادہ ہوں گے جس کے بارے میں آپ جانتے ہوں کہ اس کی بنیادیں کمزور ہیں، اور جو کسی بھی وقت منہدم ہو سکتا ہے؟ تو اللہ سے آپ کی محبت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ جو کہ صرف آپ کی زندگی کا مقصد و حاصل ہی نہیں، بلکہ آپ کے پیدا کیا جانے کا سبب بھی ہے۔

ہمارے ربّ نے ہمیں پیدا کیا تا کہ ہم اس کی عبادت کریں۔ اس (عبادت) میں محبت، تقدیس و تعریف اور فرمانبرداری شامل ہیں۔ تو کیا آپ اس پر راضی ہیں کہ اللہ کے لیے اپنی محبت کمزور بنیادوں پر کھڑی کریں اور اپنی محبت کو ہر لمحہ داؤ پر لگائے رکھیں؟

ظاہر ہے کہ آپ ایسا نہیں چاہیں گے۔

لہٰذا آپ کو چاہیے کہ مضبوط و مستحکم بنیادوں پر، محبت الٰہی کی عمارت کی تعمیرِ نو کریں۔ اس عمارت کی بنیادوں میں درج ذیل چیزیں شامل ہونی چاہئیں:

۱. اس بات پر مضبوط و غیر متزلزل یقین کہ اللہ، اپنی عظمت و بزرگی کے سبب، جو واحد و یکتا ہے، لائقِ عبادت ہے۔ اور اللہ کے نام و صفات پر غور کرنا اور دیکھنا کہ کیسے ان کا ہماری زندگی میں اظہار ہوتا ہے۔ اللہ سے اپنی محبت تعمیر کرنے کی یہ سب سے بڑی اور مضبوط بنیاد ہے۔

۲. دل کا جنّت اور اس کی نعمتوں کے خیال سے جُڑا ہونا۔

۳. اللہ کی جانب سے ہدایت کی نعمت پر شکر گزاری اور قدر دانی کا اظہار کرنا۔

۴. اپنی حالیہ یا آئندہ صورتحال سے بے نیاز ہو کر اللہ کی جانب سے عطا ہوئی سابقہ نعمتوں پر شکر گزار ہونا۔

۵. اللہ کی جانب سے ملنے والی بے شمار نعمتوں کا ادراک کرنا جن سے حالاً بھی ہم مستفید ہو رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کی موجودہ حالت ابتلا و پریشانی یا محرومی ہی کی ہو لیکن

اس کے باوجود ہم اللہ کی بے شمار نعمتوں اور رحمتوں کی بارش میں ہمہ وقت بھیگ رہے ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ ہم ان نعمتوں کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں، لہٰذا ہم نہ ان نعمتوں کا شمار کرتے ہیں اور نہ ہی ان پر اظہارِ شکر کرتے ہیں۔

٦. اللہ کی خود پر رحمت کو محسوس کرنا، اور اس پر غور کرنا۔ ہماری شر سے حفاظت کرنے میں، ہمیں ہدایت حاصل کرنے کے اسباب مہیا کرنے میں، ہماری کمزوریوں اور گناہوں کی پردہ پوشی کرنے میں، اور ہمیں ایسے لوگوں سے گھیرنے میں جو ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ نرمی و حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں، یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ یہ سب بھی اللہ کی جانب سے ملنے والی نعمتیں ہیں۔ اپنے طور پر میں نے یہ کیا کہ اپنے زمانۂ ابتلا کے دوران جب سورۃ الضحیٰ پڑھی تو اللہ کی خود پر رحمت کے بے شمار مظاہر کو یاد کیا، جس سے مجھے بے حد تقویت و راحت ملی، دلی سکون حاصل ہوا، اللہ کی اپنے قرب میں موجودگی کا احساس ہوا اور یہ یقین حاصل ہوا کہ اللہ جل وعلیٰ، میرے لیے بہترین نتائج و عواقب کا خواہاں ہے۔

٧. اللہ کی نعمتوں پر غور و فکر کرنا، مکمل قلبی شعور کے ساتھ اللہ کی جانب رجوع کرنا۔ اس کی مشیت پر دل میں رضا پیدا کرنا، اس کی موجودگی کا استحضار ہونا، اس کا قرب حاصل کرنے کی طلب ہونا اور اس کے کلام (قرآن مجید) سے جُڑنا۔

اوپر ذکر کی گئی یہ سب بنیادیں مضبوط و مستحکم ہیں۔ یہ نہ فنا ہوتی ہیں نہ تبدیل ہوتی ہیں۔ اللہ کے نام و صفات، آخرت میں مطلوب و مقصود مقام، سابقہ نعمتیں، اور یہ حقیقت کہ قطع نظر اس سے کہ آپ محرومی و ابتلا کے کس دور سے گزر رہے ہیں، اس کے باوجود آپ اللہ کی رحمت و عطا میں مکمل طور پر ڈوبے ہوئے ہیں۔ آپ پورے اعتماد کے ساتھ ان بنیادوں پر اللہ تعالیٰ سے محبت کی عمارت کی تعمیرِ نو کر سکتے ہیں۔ ان بنیادوں کو راسخ کرنے کے بعد، ہر وہ رحمت یا مصیبت سے خلاصی جو اللہ کی جانب سے آپ کو ملتی ہے، آپ کے حال یا مستقبل میں، آپ کے دل میں اللہ کی محبت میں اضافہ تو کرے گی، لیکن وہ کبھی اللہ سے آپ کی محبت کی شرط نہیں بن پائے گی۔

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ بنایا ہے کہ لوگوں کے دل دنیاوی مال و متاع حاصل کرنے سے جُڑتے ہیں اور ان میں محبت و اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض لوگوں (مومنین و مشرکین) کو مالِ غنیمت میں سے کچھ حصّہ دیا کرتے تھے تا کہ ان کے دل اسلام کی جانب راغب ہوں اور اسلام پر انہیں استحکام حاصل ہو۔ یہ لوگ ’المؤلف قلوبھم‘ کی صنف سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان پر یہ مال خرچ کرنا خود مصارفِ زکاۃ میں بھی شامل ہے۔ اگرچہ یہ بات درست ہے، لیکن دلوں کو دنیاوی مال و متاع کے ذریعے جوڑنا محض ایک وقتی ذریعہ ہے تا کہ وہ لوگ جن کے دل غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں، ان کے دلوں اور اسلام کے درمیان موجود یہ نفسیاتی رکاوٹیں دور ہو جائیں اور وہ اسلام کی حقّانیت جان سکیں اور اس پر راضی ہو جائیں۔ جب وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں اس کے بعد ان کا ایمان قائم رکھنے کے لیے ان دنیاوی اسباب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی حدیث، جسے امام مسلمؒ اپنی صحیح میں نقل کرتے ہیں:

”ان كان الرجل ليسلم ما يريد الا الدنيا، فما يسلم حتى يكون الاسلام احب اليه من الدنيا وما عليها.“

”آدمی اسلام قبول کرتا ہے جبکہ اس کا مقصد صرف دنیا (کا فائدہ) ہوتا ہے، یہاں تک کہ اسلام اس کے نزدیک دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سے بڑھ کر محبوب ہو جاتا ہے۔“

ایک شخص دنیاوی نعمتوں کے حصول کی خاطر اسلام قبول کرتا ہے...... یعنی اس کا ایمان نعمتوں کے ساتھ مشروط ہے! لیکن قبولِ اسلام کے کچھ عرصے بعد اس کا دل ایمان کی روشنی سے منوّر ہو جاتا ہے، اور اسلام اسے ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہو جاتا ہے۔ اس کی محبت جو پہلے ایک مشروط محبت تھی، اب اللہ کے لیے ایک حقیقی، پائیدار اور غیر مشروط محبت میں ڈھل جاتی ہے جس کی بنیادیں مضبوط اور غیر متزلزل ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے تو بعض لوگوں نے اسلام ترک کر دیا۔ تب کیا ہوا؟ وہ لوگ جن کی محبت مشروط تھی، جن کے دل دنیاوی مال و متاع کی محبت میں مبتلا تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال اور ان کے سرداروں کی بغاوت کے ذریعے ان کی آزمائش ہوئی تو انہوں نے اسلام ترک کر دیا۔ جبکہ ’المؤلف قلوبھم‘...... وہ لوگ جنہوں نے مضبوط بنیادوں پر اللہ کے لیے محبت اپنے دلوں میں تعمیر کر لی تھی...... یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے پورے عزم و ہمت کے ساتھ اسلام کا بھرپور دفاع کیا، اور اس کی خاطر تن من دھن کی قربانی دی!

اپنی پوری زندگی کو ’المؤلف قلوبھم‘ کی صنف میں شامل رہتے ہوئے گزار دینا ایک پُر خطر کام ہے۔ یہ اس لیے بھی ناقابلِ قبول ہے کیونکہ آپ کی محبت ہر وقت خدشات و خطرات کے سائے میں لرزتی رہتی ہے اور کسی بھی وقت اس کے فنا ہو جانے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔

لہٰذا اللہ کے ساتھ ایک غیر مشروط محبت پیدا کرنے کا یہ تصور ہمیں ہمارے دین کا بھی ایک گہرا فہم عطا کرتا ہے۔ مثلاً جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ پڑھتے ہیں:

”أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى اللَّهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ وَإِنْ قَلَّ.“ (بخاری ومسلم)

”اللہ کے نزدیک اعمال میں سے سب محبوب وہ عمل ہے جس پر اسے کوئی کرنے والا ہمیشگی کے ساتھ کرے اگرچہ وہ کم ہو۔“

اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ کی موسمی قسم کی، وقتاً فوقتاً کی جانے والی عبادت کے پیچھے محرک کسی آزمائش میں مبتلا ہونا یا کسی نعمت کی شکر گزاری کا وقتی احساس پیدا ہونا ہوتا ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۱۱ پر)

THE HEREAFTER

آخرت

شیخ انور العولقی شہید رحمہ اللہ

۳۱

موت ومابعد الموت

جہنم اور اس کے احوال

جب تک ہمارا آخرت اور بعث بعد الموت کا عقیدہ درست نہیں ہو گا، ہم زندگی کو درست طریقے سے نہیں گزار سکیں گے۔ اور اسی تناظر میں ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو دیکھتے ہیں:

...إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةٌ مِنْ الْمُفَصَّلِ فِيهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، حَتَّى إِذَا ثَابَ النَّاسُ إِلَى الْإِسْلَامِ، نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ، وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلَ شَيْءٍ لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ، لَقَالُوا لَا نَدَعُ الْخَمْرَ أَبَدًا، وَلَوْ نَزَلَ لَا تَزْنُوا، لَقَالُوا لَا نَدَعُ الزِّنَا أَبَدًا (صحيح بخاری)

”... مفصل سورتوں میں سب سے پہلے وہ سورت نازل ہوئی ہے جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہو گئے تو حلال و حرام کی آیات نازل ہوئیں۔ اگر پہلے ہی یہ آیت نازل ہو جاتی کہ شراب نہ پیو، تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ آیت نازل ہوتی کہ زنا مت کرو، تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہیں چھوڑیں گے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر اسلام میں سب سے پہلے احکام نازل ہوتے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو تو لوگ ان احکام کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے، کیونکہ یہ انسانوں کی فطرت ہے کہ اگر آغاز میں ہی انہیں احکام دے دیے جائیں تو وہ اس چیز سے دور بھاگ جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ابتدائی تعلیمات جنت اور جہنم کے بارے میں نازل ہوئیں، اور جب لوگ اللہ سے جڑ گئے تو پھر احکام والی آیات نازل ہوئیں اور حلال و حرام بیان کیے گئے۔

اس قول سے ہمیں لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلانے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو جنت اور جہنم کا ذکر کر کے اللہ کی طرف بلایا جائے، یہی تذکیر دلوں کو اللہ سے جوڑنے اور اس سے قریب کرنے والی ہے۔

ہمارے دنیا میں غرق ہونے اور (آخرت کی) حقیقت کو بعید سمجھنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس بارے اس قدر تذکیر نہیں ہو رہی جتنی کہ ہونی چاہیے۔ ہمیں آخرت کا جس قدر ذکر کرنا اور سننا چاہیے اور جتنا اس بارے میں جاننا چاہیے، ہم اس کا کچھ فیصد بھی نہیں جانتے، اور جب تک ہم اس کا تذکرہ بار بار نہیں کریں گے، یہ ہمارے ذہنوں سے محو ہی رہے گی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم دنیا میں موجود اپنے پیاروں سے، اپنی چیزوں سے، اپنی املاک، اپنے مکانات، اپنی گاڑیوں اور اس دنیا کی زندگی کی رنگینیوں سے حد سے زیادہ جڑے ہوئے ہیں اور اس کا اندازہ آپ کو خود سے محض ایک سوال کر کے ہی ہو جائے گا کہ اگر ابھی اسی وقت موت کا فرشتہ آ جائے اور مجھ سے پوچھے کہ کیا آپ واپسی کے لیے تیار ہیں؟ گو وہ یہ نہیں پوچھے گا کہ یہ سوال صرف انبیاء علیہم السلام سے کیا جاتا ہے، تو آپ کا جواب کیا ہو گا؟ ہاں یا ناں؟ کیا ہم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے تیار ہیں؟ کیا ہم اللہ تعالیٰ سے ابھی اسی وقت ملاقات چاہتے ہیں یا ہم اس دنیا کی زندگی اور اس کی راحتوں اور اپنے پیاروں سے اس قدر لگاؤ رکھتے ہیں کہ ہم آگے جانا ہی نہیں چاہتے؟ میرا خیال ہے کہ مسلسل تذکیر کے بغیر ہم اس عارضی دنیا سے لگاؤ سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکتے، وہ عارضی دنیا کہ جس میں قیام کی مدت کو آخرت کی دائمی دنیا (جنت یا جہنم) میں قیام سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کا کثرت سے آخرت کا ذکر فرمانا

نبی کریم ﷺ جنت و جہنم کا اکثر تذکرہ فرمایا کرتے تھے اور اس میں سے بھی جہنم کا تذکرہ بالخصوص اتنا زیادہ فرماتے تھے کہ ایک صحابیہ کہتی ہیں کہ انہوں نے جمعہ کے خطبات میں نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے سن سن کر ہی پوری سورۂ ق یاد کر لی تھی، کیونکہ آپ ﷺ اس سورہ مبارکہ کے مضامین، جو بنیادی طور پر جنت، جہنم اور موت ہی سے متعلق ہیں، کثرت سے بیان فرماتے تھے۔

آپ ﷺ اس لیے اس قدر ان مضامین کا ذکر فرماتے تھے کہ اللہ رب العزت کے بعد، مخلوق کے حق میں سب سے زیادہ رحیم نبی کریم ﷺ ہیں لہٰذا وہ کبھی اپنی امت کو تکلیف میں پڑتے نہیں دیکھنا چاہتے، اسی لیے آپ ﷺ ہمیشہ موت کی، آخرت کی، قیامت کے دن کی اور جنت و جہنم کی تذکیر فرماتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ رب العزت کی تسبیح اور اس کے نبی پر صلاۃ و سلام بھیجنے کے بعد فرمایا: میں تمہیں آگ سے خبردار کرتا ہوں، میں تمہیں آگ سے خبردار کرتا ہوں، میں تمہیں آگ سے خبردار کرتا ہوں، اور آپ ﷺ پلٹ پلٹ کر یہی فرماتے رہے اور آپ کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی رہی یہاں تک کہ بازار میں موجود افراد

نے بھی آپ ﷺ کی آواز سن لی۔ اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی یہ تذکیر سن کر مسجد میں موجود صحابہ کے رونے اور سسکیوں کی آواز لوگ مسجد سے باہر بھی سن سکتے تھے۔ صحابہ کے دل اس قدر نرم تھے کہ محض آخرت اور جہنم کا تذکرہ ان کے دلوں کو پگھلا دیتا تھا، جب کہ ہمارے دل بہت سخت ہیں، اس قدر سخت کہ ایسے مواقع پر بھی ہم قہقہے لگا رہے ہوتے ہیں کہ جب ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہونے چاہیے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ہم قبرستان میں تھے اور ایک بہن کے جنازے میں شریک تھے، اور اسی وقت ان کی تدفین کا کام مکمل ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور وہیں قبرستان میں کھڑے ہو کر لطیفے سنانے اور ہنسنا ہنسانا شروع کر دیا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب کسی جنازے میں شرکت فرماتے تو قبر کے سرہانے بیٹھ کر اس قدر گریہ فرماتے کہ پھر اٹھ نہ پاتے تھے۔ صحابہ جب ان کی شدت گریہ کی وجہ دریافت کرتے تو فرماتے کہ قبر آخرت کے مراحل میں سے پہلا مرحلہ ہے، اگر یہ خیر وعافیت کے ساتھ پار ہو گیا تو آگے پھر آسانی ہی آسانی ہے اور اگر اس مرحلے میں مشکل پیش آئی تو پھر آگے مزید مشکلات پیش آئیں گی۔

مجھے لگتا ہے کہ دلوں کی نرمی اور حساسیت ہم کھو چکے ہیں اور اسے واپس پانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسلسل حقیقت یاد دلائیں کیونکہ ہم تو جیسے خواب کی دنیا میں جی رہے ہیں، ہم اس طرح اس دنیا میں رہ رہے ہیں گویا جو کچھ ہمارے پاس اور ہمارے ارد گرد ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا، جب کہ ایسا نہیں ہے، یہ سب کچھ ایک دن ختم ہو جائے گا وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

یہاں تک کی گفتگو آنے والے موضوع کا تعارف یا ابتدائیہ تھی۔ اسلام کے سوا کوئی مذہب ایسا نہیں کہ جس نے آخرت کے بارے میں اس قدر تفصیل بیان کی ہو جتنی قرآن وحدیث میں ہم مسلمانوں کو بتائی گئی ہے۔ پس اس موضوع کے تحت ہم جن چیزوں پر بات کریں گے ان میں سے کچھ یہ ہیں:

جہنم کا حجم، اس کے درجات، اس کے دروازے، اس کا احساس، اس کی تپش، اس کی ہیشگی، اس میں رہنے والوں کی خوراک، ان کے لباس، اس کی سزائیں اور پھر وہ اعمال کہ جن کے سبب ایک انسان جہنم کی آگ کا مستحق بنتا ہے۔

آخرت کی زندگی وہ موضوع ہے جسے ہم ہلکا سمجھتے ہیں اور اس قدر توجہ اسے نہیں دیتے جو اس کا حق ہے۔ اگر ہم صحابہ، جو ہمارے لیے نمونۂ عمل ہیں، کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھیں تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ آخرت کا استحضار ہر وقت ان کے دل وذہن میں رہتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو اس کی یاد دہانی کرواتے اور اس کے متعلق بات کرتے۔ پھر قرآن خود ایسا ہے کہ بمشکل ہی اس کا کوئی صفحہ ایسا ہو گا جس پر آخرت کا ذکر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن کی ہر سورت میں جنت وجہنم کا تذکرہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ موضوع ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ بہت جگہ تو ایک جیسی باتیں ہی دہرائی گئی ہیں اور یہی کام نبی کریم ﷺ بھی کرتے تھے کہ انہی باتوں کو دہراتے تھے اور بار بار بیان فرماتے تھے کیونکہ انسانوں کے دل بہت جلد تبدیل ہو جاتے ہیں۔ عربی میں لفظ قلب، تقلب سے نکلا ہے جس کا معنی ہے پانی کا ابلنا۔ جیسے ابلتا ہوا پانی تیزی سے الٹ پلٹ ہوتا ہے اور اپنی جگہ تبدیل کرتا ہے، اسی طرح ہمارے دل بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اس کی مثال کے لیے آپ ایک نوزائیدہ بچے کو دیکھیں، ابھی وہ رو رہا ہوتا ہے اور یکایک ہنسنے لگتا ہے۔ اسی طرح ہمارے دل بھی بدلتے ہیں اور اسی لیے نبی کریم ﷺ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے: اللهم يا مقلب القلوب ثبت قلوبنا على دينك۔ ہمیں بھی اس دعا کو کثرت سے مانگنا چاہیے کیونکہ نبی کریم ﷺ بھی بار بار اسے مانگا کرتے تھے نیز ہمیں بار بار خود کو آخرت کی یاد دلانی چاہیے۔

آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق ان کی اور ہماری مثال اس طرح ہے گویا ایک شخص رات کے وقت صحرا میں آگ کے دہانے کھڑا ہو۔ جب بھی آپ صحرا میں آگ جلائیں تو حشرات الارض اور پتنگے وغیرہ اس کی جانب یہ سمجھ کر لپکتے ہیں کہ یہ روشنی ہے، بالکل اسی طرح جیسے وہ کسی بلب وغیرہ کی روشنی کی جانب لپکتے ہیں اور اس کے گرد گھومتے رہتے ہیں، پس وہ آگ کو بھی روشنی سمجھ کر لپکتے ہیں اور اس میں کود جاتے ہیں، نتیجتاً جل کر مر جاتے ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں گویا آگ کے دہانے کھڑا ان حشرات کو آگ میں گرنے سے روک رہا ہوں۔ یعنی تم آگ میں کودنے کو تیار ہو اور میں تمہیں گھسیٹ گھسیٹ کر اس سے دور کر رہا ہوں، پھر بھی تم میں سے بعض اس میں کود ہی جاتے ہیں۔ آپ ﷺ ہمارے لیے محافظ ہیں جو ہمیں تکلیف اور نقصان میں پڑنے سے بچاتے ہیں مگر پھر بھی ہم میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بارہا تذکیر کے باوجود باصرار آگ میں کود جاتے ہیں۔ اس کا حل یہی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ بعث بعد الموت اور آخرت کا، جنت اور جہنم کا ذکر کریں اور اسے اپنے ذہنوں سے محو نہ ہونے دیں۔

جبرئیل علیہ السلام کے لیے یہ امر اچنبھے کا باعث تھا کہ کیونکر کوئی شخص جنت کو چھوڑ کر آگ کی طرف لپکنا چاہے گا اور کیسے کوئی جہنم کو اختیار کر سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں حیران ہوں کہ کوئی شخص کیسے بے فکری سے سو سکتا ہے جب کہ وہ جانتا ہے کہ جہنم اس کے انتظار میں ہے اور میں اس پر بھی حیران ہوں کہ کسی کو نیند آ کیسے سکتی ہے جب کہ وہ جانتا ہو کہ جنت اس کی منتظر ہے۔

حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کی اہلیہ کہتی ہیں کہ ایک رات وہ یکایک ایک پرندے کی طرح تڑپنے اور رونے لگے اور پھر بقیہ پوری رات وہ سو نہ سکے۔ اہلیہ کے پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ مجھے یاد آ گیا کہ ایک دن میں کھڑا ہوں گا اور مجھ سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ (اور اس لمحے کے خوف نے ان کی رات کی نیند اڑا دی اور انہیں آنسوؤں رلایا)۔ یہ معاملہ تو ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہی پیش آئے گا، قیامت کے دن ہم سب ہی کھڑے ہوں گے اور اپنا فیصلہ سننے کے منتظر ہوں گے مگر (عمر بن عبد العزیز کے برعکس) ہم اس بارے میں ایسے بات کرتے ہیں گویا یہ بہت ہی بعید ہو، جب کہ حقیقتاً یہ بہت ہی قریب ہے اور بہت جلد ہم اپنی آنکھوں سے جنت وجہنم کو دیکھ لیں گے، پس ہمیں اپنی تیاری پوری رکھنی چاہیے۔

آخرت ہم سب کا مستقبل ہے

جب ہم اخروی زندگی کی بات کرتے ہیں تو ہم اپنے مستقبل کی بات کرتے ہیں، وہ مستقبل جو ہم سب کا ہے۔ ہماری روحوں کو ہمیشگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، عارضی زندگی کے لیے نہیں۔ ایک وقت تھا کہ جب ہم کچھ بھی نہ تھے، مگر جب ایک مرتبہ اس روح کو پیدا کر دیا گیا تو اب یہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گی اور کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہ آئے گا کہ جب یہ روح باقی نہ رہے، یہ ہمیشہ رہے گی، ایسی زندگی میں جو فانی نہیں ہو گی، یا جنت میں اور یا جہنم میں۔ اس دنیا میں تو اسے امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے، پس جو لوگ اس حقیقت کو پا لیتے ہیں وہ اپنی اخروی زندگی کے لیے خوب محنت کرتے ہیں اور اس مقابلے کی دوڑ میں شامل ہوتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں:

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۝(سورۃ المطففین: ۲۶)

”اور یہی وہ چیز ہے جس پر للچانے والوں کو بڑھ چڑھ کر للچانا چاہیے۔“

مقابلے کا میدان تو یہی ہے۔ ہمیں دنیاوی چیزوں میں مقابلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اصل مقابلہ تو آخرت کا ہے۔ قرآن و حدیث میں جنت و جہنم کے تفصیلی احوال موجود ہیں اور آج ہم جہنم سے متعلق گفتگو کریں گے۔ اور بطور انسان، ہمارے لیے سب سے مستحکم تحریک، اجر و ثواب یا گناہ و عقاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس زمین پر امتحان کے لیے رکھا ہے، ایسا امتحان جو کھلی کتاب کے ساتھ دینا ہے، کتابیں، قرآن و حدیث ہمارے پاس موجود ہیں، اور اس امتحان کے نتائج قیامت کے دن دیے جائیں گے۔ یہ امتحان اور اس کے نتائج حتمی ہوں گے، اس میں دوسری کوشش یا اپیل کی گنجائش نہیں۔

جہاں تک جہنم کی بات ہے تو ہم جتنا بھی اس کا ذکر کریں بہر حال ہم اس کا حقیقی تصور نہیں کر سکتے۔ ایسا تصور گویا یہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے، یہ تذکیر صرف ایک رہنمائی ہے ہمارے لیے، اور یہی معاملہ جنت کا بھی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز ہے ہی نہیں جس کے مثل جنت یا جہنم ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ، دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ تپش والی ہے، یہ صرف رہنمائی کے لیے ہے، تمثیل ہے، ورنہ اس کی بالکل حقیقی مثال اس دنیا میں موجود نہیں۔ اس دنیا میں نہ جزا ہے اور نہ سزا۔ اگر یہ دنیا اس قابل ہوتی کہ اسے جزا کے طور پر عطا کیا جاتا تو اللہ مومنین کو یہ دنیا عطا کرتے۔ اور اگر اس دنیا میں ہی سزا دی جانی ہوتی تو اللہ کافروں کو بطور سزا اس میں رکھتے۔ مگر یہ دنیا نہ جزا کے قابل ہے اور نہ سزا کے، لہٰذا نہ ہی مومن اور نہ ہی کافر اس دنیا میں جزا و سزا پائیں گے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں امید اور خوف کے بین بین جینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے اچھی امید کہ اللہ تعالیٰ مہربان اور رحم کرنے والے ہیں اور اس بات کا خوف کہ اللہ کی پکڑ اور اس کی سزا بہت شدید ہے۔ امید اور خوف گویا دو پر ہیں، اگر ایک پر بھی کمزور ہو گا تو اڑان بھرنا دوبھر ہو جائے گا۔ اگر امیدیں حد سے بڑھ جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی پر تکیہ کرنا شروع کر دیا جائے تو انسان عمل کے معاملے میں سست پڑ جائے گا اور جنت کی طرف سبقت کرنے کی کوشش نہیں کرے گا، وہ یہی سوچے گا کہ اللہ تو معاف کرنے والا ہے اس لیے میں اپنی مرضی اور خواہش کی زندگی جی سکتا ہوں۔ دوسری طرف اگر خوف حد سے بڑھ جائے کہ اللہ رب العزت کی پکڑ بہت سخت ہے اور وہ میری ایک ایک بات پر پکڑ کرے گا اور سرے سے رحمت کی امید ہی باقی نہ رہے انسان میں تو وہ ہمت ہار جائے گا، جو ایک اور انتہا ہو گی۔ پس بحیثیت مسلمان ہمیں ایک متوازن زندگی گزارنی چاہیے اور امید اور خوف دونوں کو برابر برابر ساتھ لے کر چلنا چاہیے۔

یہود جس کتاب کی پیروی کرتے ہیں، یعنی عہد نامہ قدیم، اس میں رب کا تصور انتہائی غصہ ور ہستی کا ہے لہٰذا اس کی رو سے لوگوں کو رب کے غضب سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے۔ جب کہ عہد نامہ جدید میں رب کا تصور نہایت محبت کرنے والے، معاف کرنے والے اور رحم کرنے والے کا ہے۔ دونوں کتابوں میں موجود رب کا تصور غیر متوازن ہے، جب کہ اسلام متوازن دین ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ وہ معاف کرنے والے بھی ہیں اور رحیم بھی مگر یہ بھی فرماتے ہیں کہ میری سزا بہت سخت ہے۔ اللہ رب العزت کے ناموں میں الغفور بھی ہے اور الرحیم بھی، مگر اللہ رب العزت کے ناموں میں کوئی ایسا نام نہیں جو یہ بتائے کہ وہ سخت سزا دینے والا ہے، البتہ اللہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ ’اس کی سزا بہت سخت ہے‘۔ یہ اسی طرح ہے کہ کوئی آپ سے یہ کہے کہ میں تو بہت رحم دل اور درگزر کرنے والا ہوں البتہ میری یہ چھڑی بڑی زور سے لگتی ہے۔ جہنم ہمیں خوف دلاتی ہے تو جنت ہماری امیدیں بڑھاتی ہے، یوں یہ توازن قائم رہتا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی صحبہ وسلم

☆☆☆☆☆

بقیہ: اللہ سے حُسنِ ظن

بالخصوص اگر اس (دورِ عبادت) کے بعد طویل ادوار عبادت سے محرومی کے ساتھ گزارے جاتے ہوں۔ اس کے برعکس عبادت کے ایسے افعال جو مستقل و بلاناغہ کیے جاتے ہوں، اللہ کے لیے ایک گہری اور راسخ ہوئی محبت کی علامت ہیں جو حالات و واقعات سے متاثر نہیں ہوتی۔

لہٰذا عزیز قارئین! اگر آپ خود کو اللہ کے لیے مشروط محبت میں مبتلا پاتے ہیں، تو اس کا ادراک کیجیے، اور اس صورتحال کی درستگی میں فوراً جُت جائیے۔ کہ یہ ایک ایسی مصیبت ہے جو بہت سی دنیاوی مصیبتوں سے بڑی اور بدتر ہے۔ بلکہ یہ تو ایمان کو لاحق ایک بیماری ہے اور زندگی میں ہمارے مقصد کو مسخ کر دینے والا مرض ہے۔

خلاصۂ کلام

اللہ سے مشروط محبت کا خاتمہ کیجیے اور اس کے ساتھ اپنی محبت کی عمارت کی از سر نو تعمیر کریں، مضبوط و مستحکم بنیادوں پر!

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

پندرہویں قسط

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں

معاصرِ جہاد کے لیے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفاد فوائد و حکم!

شیخ منصور شامی رحمۃ اللہ علیہ / استفادہ: مفتی محمد متین مغل

غزوۂ غابہ یاذی قرد

اس نشست میں غزوۂ غابہ یاذی قَرَد (قاف اور را پر زبر کے ساتھ) سے مستنبط بعض فوائد پر ہم گفتگو کریں گے، یہ غزوہ دراصل رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیوں پر بنو فزارہ کے ایک گروہ کی ڈاکہ زنی کے خلاف تعاقب کی کارروائی تھی۔

اس غزوے کے مردِ میدان حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے منقول روایات کا خلاصہ یہ ہے:

”رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام رباح کے ہاتھ کچھ جانور [چراگاہ کی طرف] روانہ کیے، میں ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ان کے ساتھ تھا، صبح کے وقت اچانک عبد الرحمان فزاری جانوروں پر حملہ کر کے ہنکا کر اپنے ساتھ لے گیا اور چرواہے کو قتل کر دیا، میں نے کہا: اے رباح! یہ گھوڑا لو، اسے ابو طلحہ تک پہنچا دو اور رسول اللہ ﷺ سے سارا ماجرا عرض کر دو، پھر میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور مدینہ کی طرف رخ کر کے تین دفعہ زور سے چلایا: یاصباحاہ! (یعنی خطرہ!!) [حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی دوڑ اور بلند آوازی ضرب المثل ہے]۔ یہ اعلان کر کے میں ان رہزنوں کے تعاقب میں پاپیادہ نکل کھڑا ہوا اور یہ شعر پڑھتے ہوئے ان پر تیر برسانے لگا:

خذها انا ابن الاكوع
واليوم يوم الرضع

”لو! سنبھالو وار میرا!
میں ہوں اکوع کا بیٹا
ہوں گے نیچ آج تباہ!“

بخدا! میں تیر برسا کر انہیں زخمی کرتا رہا، ایک گھڑ سوار میرے قریب پہنچا تو میں نے ایک درخت کی جڑ میں بیٹھ کر تاک کر ایک تیر مارا، جس سے وہ بھی زخمی ہو گیا، [تعاقب جاری رہا] یہاں تک کہ وہ ایک تنگ پہاڑی گھاٹی میں پہنچے تو میں اوپر چڑھ کر ان پر پتھر برسا کر زخمی کرنے لگا، میں ان کا تعاقب کرتا رہا، [اور وہ اپنی رفتار تیز کرنے کے لیے لوٹے ہوئے جانوروں کو چھوڑنے لگے] یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام غصب شدہ اونٹنیوں کو میں نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا، میں پھر بھی ان کا تعاقب کرتا رہا اور مسلسل تیر اندازی کرتا رہا، تنگ آ کر ان ڈاکوؤں نے اپنا بوجھ کر ہلکا کرنے لیے اپنی تیس چادریں اور تیس نیزے بھی پھینک دیے، وہ جو چیز بھی پھینکتے میں اس پر بطورِ علامت پتھر رکھ دیتا تاکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ان کو پہچان لیں [اور انہیں راستے کا بھی پتہ چل جائے کہ ہم کس طرف ہیں]۔

ڈاکوؤں کا یہ گروہ ایک تنگ پہاڑی موڑ پر پہنچ کر [خود کو محفوظ سمجھ کر] دن کا کھانا کھانے بیٹھا اور میں پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ گیا، ان میں سے چار افراد پہاڑ چڑھ کر میرے قریب پہنچ گئے، میں نے ان سے کہا: کیا تم جانتے نہیں؟ میں سلمہ بن اکوع ہوں [دوڑ میں اپنی مثال آپ ہوں] میں تم سے جس کا پیچھا کروں گا اسے پکڑ لوں گا، اور تم میں سے جو میرا پیچھا کرے گا، وہ مجھے نہیں پکڑ پائے گا۔ یہ سن کر وہ واپس لوٹ گئے [اور ڈر گئے]، میں اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا، یہاں تک میں نے رسول اللہ ﷺ کے شہسواروں کو درختوں کے درمیان سے آتا دیکھ لیا، ان میں آگے آگے اخرم رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے پیچھے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ تھے، اور ان کے پیچھے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے، عبد الرحمان فزاری اور اخرم رضی اللہ عنہ کا ٹکراؤ ہوا، اخرم رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمان فزاری کے گھوڑے کو وار کر کے گھائل کر دیا، اس نے نیزہ مار حضرت اخرم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اس کا پیچھا کیا اور اسے قتل کر دیا، اپنے سردار کے قتل سے ڈاکو پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے، میں نے پاپیادہ دوڑتے ہوئے پھر ان کا تعاقب شروع کر دیا، یہاں تک کہ مغرب کے وقت وہ ذی قرد نامی گھاٹی کی طرف مڑے جہاں پانی تھا، وہ پیاسے تھے اور پانی پینا چاہتے تھے، میں نے ان کو [تیر اندازی کر کے] پانی سے دور رکھا، وہ ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکے۔

عشاء کے وقت رسول اللہ ﷺ دیگر گھڑ سواروں سمیت تشریف لے آئے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ لوگ پیاسے ہیں، اگر آپ سو افراد میرے ساتھ روانہ فرما دیں تو میں ان سے بقیہ جانور بھی چھڑا

لاؤں اور انہیں بھی گردن سے پکڑ کر آپ کے سامنے حاضر کر دوں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اے اکوع کے بیٹے! جب تم نے قابو پالیا تو اب درگزر کرو) پھر فرمایا: (اس وقت غطفان میں ان کی خاطر تواضع ہو رہی ہے [یعنی وہ ہم سے بچ کر محفوظ ٹھکانے میں پہنچ چکے ہیں])۔

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا: (ہمارے آج کے بہترین گھڑ سوار ابو قتادہ ہیں اور بہترین پیادے سلمہ ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے غنیمت میں سے دو حصے عطا فرمائے، ایک پیادے کا اور ایک گھڑ سوار کا، اور واپسی کے سفر میں عضباء نامی اونٹنی پر مجھے اپنے ساتھ بٹھایا۔"[1]

حملہ آور کے خلاف دفاع کے لیے امام سے اجازت لینے کا مسئلہ

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر امام موجود بھی ہو تو اس وقت 'حملہ آور کے مقابل دفاع' اس کی اجازت پر موقوف نہیں جب اس اجازت طلبی کی وجہ سے مفسدہ واقع ہو، اور یہ دلالت بحمد اللہ بہت واضح ہے۔

اصل مسئلہ راجح قول کے مطابق یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمان کے لیے امام یا اپنے جہادی امیر سے اجازت لینا ضروری ہے، مقصود اس حکم سے یہ ہے کہ جہاد منظم اور باقاعدہ رہے، اس کے مقاصد بھی حاصل ہوں، اللہ کا کلمہ بلند ہو، کفر مغلوب ہو وغیرہ، لیکن اگر اس اجازت طلبی کی وجہ سے یہ مقصود فوت ہو رہا ہو، مثلاً دشمن ہم پر حملہ کر کے ہمارے دین و دنیا کو برباد کرنے لگے اور امام سے اجازت لینے میں دفاع تاخیر کا شکار ہو رہا ہو تو اس وقت یہ مسئلہ بدل جائے گا [کیونکہ مسئلہ کی علت اور اس کا سبب بدل گیا] بلکہ اس صورت میں دفاع کو اجازت ملنے پر موخر کرنا حرام ہو گا، کیونکہ اجازت لینے [کی وجہ سے تاخیر] کا مفسدہ اجازت نہ لینے کے مفسدے اور خرابی سے بڑھ گیا ہے، بلکہ دیکھا جائے تو اس صورت میں اجازت لینا عملاً ممکن ہی نہیں، اور جو کام ممکن نہ ہو شریعت نے ہمیں اسے کرنے کا مکلف ہی نہیں کیا، سو اس صورت میں اجازت لینے کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور بقدرِ امکان دفاع کا وجوب باقی رہتا ہے، اس کی حکم کی حکمت عقل و فطرتِ سلیم سے بھی سمجھی جا سکتی ہے، شریعت مطہرہ اس سے پاک ہے کہ اس میں خلافِ مصلحت و حکمت کوئی حکم دیا جائے۔ [رضينا بالاسلام دينا]

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جب یہ بات ثابت ہو گئی تو مسلمان امام کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے نہیں نکلیں گے، کیونکہ جنگ کا معاملہ امام کے سپرد ہے، وہ دشمن کی قلت و کثرت کو، ان کے خفیہ رازوں اور جنگی چالوں کو بہتر جانتا ہے، تو اس کی رائے پر عمل کرنا چاہیے، اس میں مسلمانوں کے لیے زیادہ احتیاط ہے، البتہ اگر دشمن کے اچانک حملے کی وجہ سے اجازت لینا مشکل ہو تو پھر اجازت واجب نہیں، کیونکہ اس صورت میں مصلحت نکل کر ان کے خلاف لڑنے میں ہے اور قتال نہ کرنے کا مفسدہ بھی یقینی ہے۔"[2]

اور اجازت طلبی مشکل ہونے کی صورت میں حملہ آور کے خلاف دفاع چونکہ اتفاقی مسئلہ ہے، اس لیے علماء کی ایک جماعت نے اس سے امام کی اجازت کے بغیر دشمن کے خلاف اقدام و چڑھائی کرنے کے جواز پر بھی استدلال کیا ہے، جب اجازت لینا ممکن ہو، البتہ یہ وضاحت بھی ان علماء نے کی ہے کہ یہ جواز کراہت کے ساتھ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اگر ہم یہ کہیں کہ جو شخص امام کی اجازت کے بغیر نکل کر جہاد کرتا ہے وہ [کفار سے مال چھیننے میں] چور کے حکم میں ہے[3] تو جو لشکر امام کی اجازت کے بغیر جہاد کرتے ہیں انہیں بھی چور کے حکم میں کہا جائے گا[4]، نیز اگر مسلمانوں کے کسی قلعے پر دشمن حملہ کر دے اور مسلمان امام کی اجازت کے بغیر اس سے لڑیں تو وہ بھی [مالِ غنیمت میں خمس جاری نہ ہونے کے لحاظ سے] چور کی طرح ہوں گے۔ حالانکہ یہ قلعے والے چور نہیں، بلکہ یہ اللہ کے حکم کو پورا کرنے والے ہیں، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں، اپنے اوپر عائد جہاد و نفیر کا فرض ادا کرنے والے ہیں اور خیر و فضیلت کو حاصل کرنے والے ہیں۔"[5]

آج کے دور میں بعض علماء نے بغیر کسی شرط و استثناء جس طرح امام کے اذن کو مطلقاً لازم ٹھہرایا ہے، ان فتاویٰ سے پیدا ہونے والے مفاسد کی وجوہات کو اس تفصیل کی روشنی میں سمجھنا آسان ہو جاتا ہے [کہ یہ مفاسد دراصل حکم شرع سے عدول کے سبب پیدا ہوئے

---

[1] الرحیق المختوم: ج ۱، ص ۳۲۴

[2] المغنی: ج ۲۰، ص ۴۴۵

[3] واضح رہے یہاں چور کے حکم میں ہونا جس کی امام شافعی رحمہ اللہ تردید کر رہے ہیں، اس سے مراد گناہ گار ہونا نہیں کہ ایسا فرد حربی کافر سے مال چھین کر گناہ گار ہو گا، کیونکہ حربی کافر کی تو جان لینا بھی اتفاقاً جائز ہے تو مال لینے میں اختلاف کیونکر ہو گا! بلکہ یہاں کافر سے چھینے مال میں چور کے حکم میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس مال میں سے غنیمت کی طرح پانچواں حصہ بیت المال کے لیے نہیں نکالا جائے گا، جیسے کوئی شخص بغیر امان لیے دار الحرب میں جا کر چوری چھپے کسی حربی کافر مال لے لے تو اس میں خمس نہیں نکالا جاتا۔ (مترجم)

[4] اور ان کے کفار سے چھنے مال میں خمس جاری نہیں ہو گا، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں، سو فردِ واحد کا حکم بھی یہی ہونا چاہیے۔ یاد رہے کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ یہاں جس مسئلے کی تردید کر رہے ہیں (فردِ واحد بغیر امام کی اجازت جائے اور کسی کافر کا مال لوٹ لائے تو یہ غنیمت نہیں کہ اس میں خمس جاری ہو) یہ احناف کا مذہب ہے اور احناف کی دلیل فردِ واحد اور لشکر کے حکم میں تفریق کے حوالے سے یہ ہے کہ لشکر کی قوت اور منعہ اذنِ امام کے حکم میں ہے۔ (مترجم)

[5] الام: ج ۷، ص ۳۷۳

ہیں، نہ کہ شریعت سے تمسک کی بنا پر]، یہ تو تب ہے جب امام مسلمان ہو، اگر امام کفر میں امام ہو تو حکم کیا ہونا چاہیے؟

اچھا! مان لیا کہ امام مسلمان ہے، وہ دیکھ رہا ہے کہ دشمن حملہ آور ہے اور وہ کوئی حرکت نہیں کرتا، کیا پھر بھی جہاد و دفاع کے لیے اس کی اجازت ضروری ہے؟

اچھا! پھر بھی اگر ہم اس سے اجازت طلب کریں اور وہ ہمیں جہاد کرنے سے منع کر دے، تو کیا اس کا حکم ماننا ضروری ہے؟

اور اگر وہ خود اس حملہ آور کی مدد کرے اور اس کے لشکر کا حصہ بن جائے، تو پھر بھی وہ مسلمانوں کا امام رہے گا؟

[جب حاکم دین کو تباہ کرنے لگے]

ایسا بد بخت سرے سے امام ہے ہی نہیں، اپنی اس حرکت کی وجہ سے وہ خود بخود معزول ہو چکا ہے، اس کا قتل اور اس کے خلاف قتال واجب ہے، کیونکہ امام کی شرائط میں اہم ترین اسلام اور دین داری ہے، اور یہ بدبخت حکمران تو مسلمانوں کے خلاف کفار کا ساتھ دے کر اور اپنی طرف سے خلافِ شرع قوانین گھڑ کر کافر ہو چکے ہیں، اور جب حاکم کافر ہو جائے تو وہ بالاجماع خود بخود حکمرانی سے معزول ہو جاتا ہے، اس سے لڑنا اور مسلمان حاکم مقرر کرنا واجب ہو جاتا ہے! اور جب اسلام باقی نہ رہا تو دین داری کیسی! ایسے حکمران کا کیا دین اور کیا دین داری جو خود اپنی رعایا کا دفاع نہ کرے اور انہیں بھی دشمن کے خلاف اپنا دفاع نہ کرنے دے! بلکہ خود دشمن کی صف میں شامل ہو کر اپنی رعایا پر حملہ کرے۔

تنہا سپاہی، دستے کے مساوی

اس اچانک حملے کے بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ جو طرزِ عمل اختیار کیا اس سے آپ کے حوصلے، بہترین قوتِ فیصلہ و حاضر دماغی، جنگی مہارت اور آگے بڑھ کر مشکلات کا سامنا کرنے کی صفات کا پتہ چلتا ہے، آپ تردد کا شکار نہیں ہوئے کہ عمل کا موقع آپ کے ہاتھ سے نکل جاتا، اور سب سے بڑھ کر اس سے آپ کے اللہ عز و جل پر توکل کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہی وہ صفات تھیں جن سے آپ تنہا اپنی ذات میں ایک جنگی دستے کے قائم مقام ٹھہرے۔

آپ کی درست حکمتِ عملی یہ تھی کہ فوراً ایسے اقدام کیے جس سے مسئلہ حل ہو گیا یا کم از کم اس کی سنگینی کم ہو گئی:

- مدد لانے کے لیے فوراً رباح کو مدینہ روانہ کر دیا۔
- ایک ٹیلے پر چڑھ کر مدینہ کی طرف رخ کر کے باآوازِ بلند خطرے کا اعلان کیا۔
- آپ رضی اللہ عنہ مدد پہنچنے یا اجازت ملنے کا انتظار نہیں کیا، کیونکہ صورتحال فوری عمل کی متقاضی تھی، آگے بڑھ کر دشمن کا سامنا کیا اور اس نفسیاتی نکتے سے فائدہ اٹھایا کہ لوٹ مار کر کے بھاگ کھڑا ہونے والا دشمن تو محض کسی ہیولے کو آتے دیکھ کر ڈر جاتا ہے کہ اس کے پیچھے مزید بھی لوگ ہمارا پیچھا کرنے آ رہے ہوں گے، مسند احمد کی روایت کے مطابق ڈاکوؤں کے ایک فرد عیینہ نے اپنے لوگوں سے کہا بھی: اگر اسے [حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو] اپنے پیچھے کمک آتی نہ نظر آ رہی ہوتی تو یہ کب کا تمہیں چھوڑ چکا ہوتا!
- آپ دشمن کا پیچھا کرنے کے دوران راستے میں نشانیاں بھی چھوڑتے گئے تاکہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو پتہ چل جائے کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔

[فیضِ صحبت]

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ مشکل پیش آنے پر ایسی حکمت عملی اختیار کریں جس سے وہ مشکل بالکل ختم ہو جائے یا کم از کم اس کی سنگینی کم ہو جائے، عموماً یہ حسنِ تدبیر خداداد ہوتا ہے، لیکن کوشش کے ذریعے اور ان صفات کے حامل افراد کے ساتھ صحبت اختیار کر کے یہ صلاحیت اور اس جیسی دیگر صلاحیتیں حاصل کی جا سکتی ہیں، صحبت ایک مؤثر عامل ہے۔

[غیرت ہے بڑی چیز]

کچھ لوگ مشکل آن پڑنے پر سُن پڑ جاتے ہیں، ان کی عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے، انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا، سو جب وہ ابتدائی جھٹکے سے باہر نکلتے ہیں [جلد یا بدیر، اپنی اپنی قوتِ برداشت کے مطابق] تو پھر مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے افراد قابلِ ملامت نہیں، کیونکہ وہ مشکل کو حل کرنے اور کوتاہی کے ازالے کی کوشش تو کرتے ہیں، قابلِ ملامت، بلکہ لائق صد ملامت تو وہ لوگ ہیں جو ابتدائی جھٹکے سے سنبھلنے کے بعد بھی مشکل سے نکلنے کی کوشش نہیں کرتے، ان کے حواس معطل، جذبات سرد اور غیرت کالعدم ہو جاتی ہے، گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ معاملہ تب، مزید سنگین ہو جاتا ہے جب یہ اپنی اس بے حسی و بزدلی کو حکمت، مصلحت اور سیاسی سمجھ بوجھ کا جامہ پہناتے ہیں، کچھ تو گمراہی میں اتنا آگے چلے جاتے ہیں کہ مصیبت کو نعمت قرار دے ڈال دیتے ہیں اور مدد کی کوشش کرنے والوں کو فسادی اور تخریب کار کہتے ہیں [جیسے وحید الدین خان ہندوستانی اور غامدی پاکستانی]، عموماً اس گروہ کا ضمیر شروع میں اپنے طرزِ عمل پر مطمئن نہیں ہوتا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ضمیر سو جاتا ہے اور یہ بزدلی ان کا منہج بن جاتی ہے، جس کا وہ دفاع کرتے ہیں اور دوستی و دشمنی کا پیمانہ بنا دیتے ہیں، خود کو بہادر اور مصلح سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت میں فساد کی بنیاد رکھنے والے ہوتے ہیں اور اپنی برائی و کوتاہی کے شعور تک سے محروم ہو جاتے ہیں۔

[ملت کے لیے ناسور ہیں یہ]

اگر آپ کو میری بات مبالغہ محسوس ہو اور آپ اس کی کسی زندہ مثال کو دیکھنے کا مطالبہ کریں تو ان کٹھ پتلی حکمرانوں کو دیکھ لیں کہ جن کے ملکوں پر کافر دشمن حملہ آور ہوا، وہاں فساد مچایا، عزتیں لوٹیں، وسائل غصب کیے، ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۱۶ پر)

اہالیانِ پاکستان کے نام!

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

جماعت قاعدۃ الجہاد–مرکزی قیادت

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جس نے اپنی نصرت سے اسلام کو سربلند اور شرک کو سرنگوں فرمایا۔ اُسی کے سب فیصلے چلتے ہیں۔ وہ جو اپنی خفیہ تدبیروں سے کفار کو گھیر رہا ہے۔ اس نے ہر گروہ کے عروج وزوال کا وقت مقرر کر رکھا ہے اور جو اپنے فضل سے متقیوں کو بہترین انجام سے نوازے گا۔ درود و سلام ہوں اس پاک ہستی پر جن کی مبارک تلوار سے اللہ نے اسلام کے روشن مینار کو بلند کر دیا۔

امابعد!

یقیناً ایمان سے معمور ہمارے پاکستانی بھائی یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ امارتِ اسلامیہ کی حکومت ہی اس دور میں وہ واحد اسلامی حکومت ہے جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کی کامیابی کے باعث قائم کروایا ہے۔ عالمِ عرب و عجم میں موجود اللہ کے دشمنان اس نظام کو اسی لیے تسلیم نہیں کرتے کہ یہ دورِ حاضر میں اُن تمام فرزندانِ امت کے لیے ایک عملی نمونہ ہے جو تبدیلی کے راستے پر گامزن ہیں۔ اسی طرح وہ ممالک جنہوں نے اپنے آپ کو عالمی صلیبی صہیونی نظام کے اوامر کے تابع بنا دیا ہے وہ اس اسلامی حکومت کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے ہیں۔ یہ ممالک اقوام متحدہ کی رکنیت اور اس کے قوانین کے آگے سر تسلیم خم کر چکے ہیں۔ ان قوانین کے ذریعے کمزوروں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جاتا ہے اور طاقتور ہر کام کی کھلی چھوٹ پاتے ہیں۔

یہ عالمی صہیونی صلیبی نظام، ہمارے مسلمان ممالک پر ہمیشہ سے جہالت، پس ماندگی اور بے بسی مسلط کرتا آرہا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جو ہمارے ممالک کو اپنی ایسی فاسد اشیاء کی منڈی کے طور پر استعمال کرتا ہے جو دین، ایمان، جرأت مندی اور مردانگی کا جنازہ نکال دیتی ہیں۔ چنانچہ قوت کی تیاری کے لیے نہ تو کسی اہم علمی میدان میں ہمارے ممالک کو ترقی کی اجازت ملتی ہے اور نہ ہی اِدھر کی عوام کو اتنی آزادی فراہم کی جاتی ہے کہ یہ خود کو امانتِ پیغمبری ﷺ یعنی دعوت و جہاد کے لیے تیار کر سکیں۔ یہی نظام ہماری مسلمان امت کے ایک حصے کو اپنے تہذیبی مراکز اور مذہبی مقامات میں عبث کھیل تماشوں، عیاشیوں اور بے ہودہ عادتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ جبکہ بقیہ امت کو، جسے یہ تیسری دنیا تصور کرتا ہے، غربت و فقر کے دلدل میں ڈبونے کے لیے سرگرم رہتا ہے۔

دوسری جانب، امارت اسلامیہ افغانستان چونکہ دین کے قیام، اسلامی سلطنت کی ترقی، عوام کی فلاح وبہبود اور مستضعفین کی نصرت کے لیے سنجیدگی اور ذمے داری سے مستقل کام کر رہی ہے لہٰذا یہ صہیونی صلیبی نظام اور یہ عالمی برادری ایک دن کے لیے بھی اس سے راضی نہیں رہی۔ چنانچہ امریکہ کے متکبر صدر (ڈونلڈ ٹرمپ) نے پاکستان پر قابض اپنے ایجنٹ غلاموں (درباری چاپلوس شہباز شریف اور صہیونی آرمی چیف عاصم منیر، جسے اس کا آقاو سردار ٹرمپ ’بہترین فیلڈ مارشل‘ کا خطاب دیتا ہے) اور اس فاسد حکومت و مجرم جرنیلوں کو افغانستان میں مسلمانوں کے قتل کرنے اور ان پر چڑھائی کا حکم دیا ہے تاکہ امارتِ اسلامیہ کو کمزور کیا جائے اور ایک بار پھر اسے گرا دیا جائے۔ ان ظالموں کا مقصد یہ ہے کہ جس امانتِ پیغمبری ﷺ کو یہ اسلامی حکومت نبھا رہی ہے یا جو دین و قوم کی خدمت میں یہ دن رات مصروف ہیں اس سے انہیں دور کیا جائے۔ اور امت کے جملہ مسائل کے دفاع اور مستضعفین کی نصرت کے پاکیزہ اہداف سے انہیں ہٹایا جا سکے۔

ان کا یہ اقدام بالکل اسی طرح ہے جیسے اس سے قبل امریکہ کے متکبر صدر (بُش) نے اُس وقت پاکستان پر قابض اپنے جاسوس کارندے (پرویز مشرف) کو یہ حکم دیا تھا کہ امارتِ اسلامیہ کے سقوط کے لیے افغانستان کے مسلمانوں کا محاصرہ کرے اور ان پر مظالم ڈھائے۔

لیکن اس سب کے باوجود ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں کہ ہم اہلیانِ پاکستان کی قدر و منزلت، اپنی آنکھوں سے اوجھل کر دیں۔ ہم انہیں بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کی اسلام اور اہل اسلام کے لیے حمیت و غیرت کا ہمیں خوب علم ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ان پر مسلط حکومت جو کچھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اقدامات کر رہی ہے اس سے یہ عوام راضی نہیں ہیں۔ ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے، امارتِ اسلامیہ اور امت کے تمام غیرت مند بیٹوں کے اہلیانِ پاکستان سے تعلقات اللہ کے فضل سے نہایت گہرے ہیں جس کی جڑیں ہمارے اور ان کے دلوں کی گہرائیوں تک موجود ہیں۔ اور یہ کیوں کر نہ ہو جبکہ ہمارے حبیب حضرت محمد ﷺ نے ہمیں قطعی طور پر حکم دیا ہے کہ:

وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا

”اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔“

پاکستان کی فاسد و غلام حکومت اور امریکہ نواز فوجی قیادت ہماری اور امت کی آنکھوں میں پاکستان کے غیور عوام کی تصویر کبھی مسخ نہیں کر پائے گی۔ پاکستانی عوام کی افغان جہاد کی نُصرت، دین کے لیے ان کی شدید غیرت اور اللہ کی راہ میں ان کی قربانیوں کی تفصیل بیان کرنا ہمارے موضوع کا یہاں حصہ نہیں۔ لیکن پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر اور قومیتوں سے تعلق رکھنے والے فرزندانِ امت کو ہم فقط یہ بات کہنا چاہیں گے کہ وہ اس حکومت کو گرانے اور صلیبیوں کے ایجنٹ اِن خائن جرنیلوں کے خاتمے کے لیے کام کریں۔ مقتدر خاندانوں سے تعلق رکھنے والے اس فاسد ٹولے کو فنا کا پیغام دیں جو پاکستان کے قیام سے لے کر آج تک حکومت، کرسیوں اور فوج کی اعلیٰ نوکریوں پر باریاں لگا کر براجمان ہے۔ جن کی جبینیں امریکیوں اور یہودیوں کے عطا کردہ ڈالروں سے گرم ہیں۔ جنہوں نے ملک کو

یہودیوں اور امریکیوں کی چراگاہ بنا دیا ہے تاکہ وہ یہاں کے اسلامی ایٹمی پروگرام کے ساتھ جو کرنا چاہتے ہیں کرتے پھریں۔

لہٰذا، امریکہ کی افغانستان میں شکست کی وجہ سے جو بے شمار غنیمتیں امارتِ اسلامیہ کے ہاتھ آئی تھیں، پاکستانی فوج کے ہاتھوں، آج ان کو تباہ ہوتے دیکھ کر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ آج یہ منافق حکومت اور امریکی غلام فوجی جرنیل اپنے صلیبی آقاؤں کی نیابت میں جہادی غنیمتوں میں مسلمانوں کے ہاتھ آئی فوجی جیپیں، بکتر بند گاڑیاں اور جہازوں کو بمباریوں کے ذریعے تباہ کر رہی ہے۔ ان ظالموں نے بے شمار بے کس و لاچار غریب مسلمانوں کے اجسام اپنی بمباریوں میں ادھیڑ ڈالے ہیں۔ عام دنوں میں بھی یہ جرائم شریعت میں ہرگز جائز نہ ہوتے کجا یہ کہ رمضان المبارک جو کہ ماہِ صیام و قیام ہے اس میں ان جرائم کا ارتکاب کیا جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان سب کی سزا نہایت خطرناک ہے۔

خداوندِ قہار و جبار فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۝ (سورۃ النساء: ۹۳)

”اور جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اللہ کا غضب اس پر ہو گا، اس پر لعنت کی گئی ہے اور اس کے لیے عظیم عذاب تیار کیا گیا ہے۔“

اللہ کے فضل سے جماعت القاعدہ آج امت کے بہادر بیٹوں کے ساتھ ایک ہی مورچے میں کھڑی ہے۔ ہم امارت اسلامیہ کے بھائیوں کی اس صہیونی صلیبی دشمن کے خلاف مدد سے ہرگز دریغ نہیں کریں گے جو اس خطے کو گھیرنے کے لیے اک نئے انداز سے اکٹھا ہو کر آ گیا ہے۔ جماعت قاعدۃ الجہاد اپنی پوری استطاعت کے ساتھ، پاکستان کی غاصب و مفسد حکومت و فوج کی جارحیت کے خلاف امارتِ اسلامیہ کی نصرت کرے گی، باذن اللہ۔

پاکستانی پائلٹوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی صہیونی قیادت کی اطاعت نہ کریں، بلکہ جہاں بھی انہیں پائیں، نشانہ بنائیں اور قتل کر ڈالیں۔ اسی طرح پاکستانی فوج اور اس کے خفیہ اداروں میں آج بھی جو شریف الفطرت افراد موجود ہیں انہیں ہم یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ وہ اس مفسد سیاسی و عسکری قیادت کی اطاعت نہ کریں۔ ان کے لیے ہمارا پیغام ہے کہ اس مفسد ٹولے کے خاتمے کے لیے کوششیں جاری رکھیں اور پاکستان کو پھر سے اس کی سابقہ باعزت تاریخ کی طرح علم و جہاد کا مرکز بنائیں۔ یہ پاکستان ہی تھا جو دین کی نصرت اور امت کے مرکزی مسائل میں امداد کا ہاتھ بڑھایا کرتا تھا، اپنے افغان بھائیوں کی بہترین مدد کرتا تھا اور امت بھر کے مہاجرین کے ساتھ مثالی انداز میں کھڑا تھا۔ اُس دور میں آپ اللہ کے اس فرمان کی ایک اعلیٰ مثال تھے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (سورۃ الحجرات: ۱۰)

”بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“

یقیناً اس روشن تاریخ کو ہم ہرگز نہیں بھلا سکتے۔ اور نہ ہی یہ خائن حکمران اور صہیونیت نواز فوج اسے گرد آلود کر سکتی ہے۔

اے اہلیانِ پاکستان! ہم امید رکھتے ہیں کہ ہماری آپ سے اور امت سے آپ کو جو محبت ہے اور دین سے آپ کو جو والہانہ لگاؤ ہے اس کا آپ کو یقیناً پاس ہو گا کہ آپ ان خائنین کے خلاف ضرور علمِ بغاوت بلند کریں گے۔ ہم آپ کو آپ کے افغان بھائیوں کی دہائیوں پر محیط قربانیاں یاد دلاتے ہیں جو انہوں نے آپ کے اور امت کے دفاع میں کمیونسٹ طوفان اور اس کے بعد صہیونی و صلیبی لاؤ لشکروں کے سامنے سینہ تان کر پیش کیں۔ اس راہ میں انہوں نے لاکھوں شہداء، زخمی اور مہاجرین پیش کیے۔ اُس دور کے سارے رنج و الم برداشت کرتے رہے اور اس کی تکلیف یہ آج تک جھیل رہے ہیں۔ پس ہم پر اور آپ پر بھی لازم ہے کہ ہم ان کے اُس احسان کا کچھ بدلہ چکائیں۔ خدارا کہیں اسلام کو ہماری یا آپ کی جانب سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔

والحمد للہ رب العالمین

شوال ۱۴۴۷ھ بمطابق مارچ ۲۰۲۶ء

☆☆☆☆☆

بقیہ: سیرت رسول ﷺ کے سائے میں

اس وقت اس طبقے نے کوئی حرکت نہیں کی، نہ خوابِ غفلت و شہوت سے بیدار ہوا، میری بیان کردہ بقیہ تفصیل کو منطبق کرنے میں بھی آپ کو زیادہ دقت نہیں ہو گی [بطورِ مثال اسلامی ہندوستان کو لیں، انگریز آیا، قبضہ کیا، مجاہدین نے قربانیاں دیں، سرسید وغیرہ نے انگریز کی حمایت کی، جہاد کو غدر اور مجاہدین کو حرام زادے کہا، خود کو قوم کا مصلح باور کرایا، مغربی ہندوستان (موجودہ پاکستان) کے فوجیوں نے مجاہدین کے خلاف انگریز کی صف میں شمولیت اختیار کی، صرف ہند نہیں، بلکہ بیرونِ ہند عثمانی خلافت کے خلاف بھی انگریز کا ساتھ دیا، بیت المقدس عثمانیوں سے چھین کر تاجِ برطانیہ کے قبضے میں دیا، ان خدمات کے صلے میں تقسیم کے وقت ملک کی باگ ڈور انہیں سونپنے کا فیصلہ ہوا، لیکن یہ اقتدار علانیہ نہیں تھا، تاکہ اسلامی جمہوریت کا چورن بیچنے میں مشکل پیش نہ آئے]، یہ وہ بدبخت طبقہ ہے اگر یہ زمانہ ہی عجائب کا اور اخلاقی پیمانے کے بدل جانے کا نہ ہوتا تو ان کی تیرہ بختی کا بیان فضول گوئی کے زمرے میں آتا۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے، آمین۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

شریعت اسلامیہ کی روشنی میں

جنگی اسٹریٹیجی کے ۳۳ رہنما اصول

فضیلۃ الشیخ سیف العدل

بسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

حصہ دوم: اجتماعی عمل (Teamwork)

وحدتِ صف

اسلام نے اپنے پیروکاروں میں امت کی روح پیدا کرنے پر خاص توجہ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ۝ (سورۃ المؤمنون:۵۲)
>
> ”اور حقیقت یہ ہے کہ یہی تمہارا دین ہے، (سب کے لیے) ایک ہی دین، اور میں تمہارا پروردگار ہوں، اس لیے دل میں (صرف) میرا رعب رکھو۔“

اور اس نے ہر دنیوی علامت پر دین کی علامت کو مقدم رکھا، تاکہ لوگوں کو اس چیز سے جوڑے جو فنا نہیں ہوتی۔ پس دین سب سے پہلے آتا ہے تاکہ نفس کی خواہشات کو ختم کرے اور انسانی نفس کو نرگسیت (خود پرستی) اور خود غرضی سے نکال کر اجتماعی عمل کی روح (Team Spirit) اور ایک امت کے تصور کی طرف منتقل کرے، اور ان کے درمیان فضیلت کا معیار تقویٰ اور اللہ کی رضا کے حصول کو قرار دیا۔ اور اس کا اعلان رسول اللہ ﷺ نے (حجۃ الوداع کے موقع پر) مسلمانوں کے سب سے بڑے اجتماع میں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ”اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، یاد رکھو! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے۔ ”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ“ (اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے وہ شخص سب سے زیادہ معزز ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے)۔ کیا میں نے پیغامِ الٰہی پہنچا دیا؟“[1]

اس مقام پر ان تفصیلات میں جانا ممکن نہیں جو دینِ اسلام نے صفوں کے اتحاد کو قائم کرنے کے لیے بیان کی ہیں، لہٰذا میں یہاں صرف ان چند امور کا اجمالی جائزہ لینے پر اکتفا کروں گا جن پر امت کی تربیت ہوئی۔

امت کو عدل پر تربیت دی گئی تو مساوات قائم ہوئی، شراکت پر تربیت دی گئی تو محاسبے کا نظام وجود میں آیا، شوریٰ پر تربیت دی گئی تو داخلی امن میسر ہوا، اور وفاداری و نصرت پر تربیت دی گئی تو وہ نسل پرستی، قبائلی تعصب، جماعت پرستی اور ہر اُس چیز سے آزاد ہو گئی جو امت کو تقسیم کرتی ہے۔ دین نے ایک بے مثال معاشی پروگرام پیش کیا جس نے امت کو کفالت اور تعاون پر پروان چڑھایا، جس کے نتیجے میں الفت، اخوت اور بھائی چارے کی روح پھلی پھولی۔ اس تربیت کا ثمر صفوں کے اتحاد اور ان کی مضبوطی کی صورت میں ظاہر ہوا، جس نے امت کو اس کی سیاسی اور عسکری تحریکات میں سنہری ادوار عطا کیے جن میں وہ قیادت، معیشت، تنظیم، اسٹریٹیجی اور غلبے (کنٹرول) میں کامیابی حاصل کرنے میں ممتاز رہی اور یہی تمام میدانوں میں فتح کے حصول کے عناصر ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس امت کے بارے میں فرماتا ہے:

> كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ (سورۃ آل عمران:۱۱۰)
>
> ”(مسلمانو) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ تو مومن ہیں، مگر ان کی اکثریت نافرمان ہے۔“

امت پر لازم ہے کہ وہ اپنے دین، عادات و روایات اور اقدار و ثقافت کے مطابق مستند بنیادوں اور اصولوں پر از سرِ نو تعمیر کرے تاکہ وہ اپنی سابقہ عزت و شان کی طرف لوٹ آئے، اور میکاولی[2] اور اس کے پیروکاروں کی وراثت سے آنے والی ہر اجنبی (و مغربی) چیز کو اپنے سے دور کرے۔

---

[1] شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ روایت صحیح ہے، لیکن اسے سنن کی طرف منسوب کرنا وہم ہے، کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی اسے روایت نہیں کیا، بلکہ یہ مسند احمد میں ہے۔ میں کئی برس پہلے تک اس کے بارے میں توقف میں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس کی بہت سی اسانید جمع کرنا آسان فرمایا اور میں نے ان پر کلام کی تحقیق کی، تو مجھ پر واضح ہوا کہ یہ روایت اپنی مجموعی اسانید کی بنا پر صحیح ہے۔ مزید دیکھیں: صحیح الترغیب ۲۹۶۴، سلسلہ احادیث صحیحہ: ۲۷۰۰، اور غایۃ المرام: ۳۱۳، ماخذ: تراجعات الالبانی۔

[2] اٹلی سے تعلق رکھنے والا نیکولو میکاولی (Machiavelli 1469-1527) وہ پہلا سیاسی مفکر سمجھا جاتا ہے جس نے سیاست کو اخلاقیات سے علیحدہ کر کے پیش کیا۔ اپنی کتاب ’دی پرنس‘ میں میکاولی لکھتا ہے: ”ایک کامیاب حکمران کو اپنے الفاظ اور وعدے کو نبھانے سے اگر کسی طرح کا سیاسی نقصان ہو رہا ہو تو اسے ہر گز اپنے الفاظ کی پاسداری نہیں کرنی چاہیے“۔ ایک اور مقام پر کہتا ہے: ”اگر آپ کو یہ انتخاب کرنا ہو کہ آپ ایک ایسا حکمران بنیں جس سے عوام خوفزدہ ہوں یا ایسا حکمران جس سے عوام محبت کریں، تو آپ کو خوفزدہ کرنے والا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ ۝ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (سورۃ آل عمران: ۱۰۳-۱۰۵)

”اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہ راست پر آ جاؤ۔ اور تمہارے درمیان ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جس کے افراد (لوگوں کو) بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کی تلقین کریں، اور برائی سے روکیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن کے پاس کھلے کھلے دلائل آ چکے تھے، اس کے بعد بھی انہوں نے آپس میں پھوٹ ڈال لی اور اختلاف میں پڑ گئے، ایسے لوگوں کو سخت سزا ہو گی۔“

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭفَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (سورۃ التوبۃ: ۶۰)

”صدقات تو دراصل حق ہے فقیروں کا، مسکینوں کا اور ان اہلکاروں کا جو صدقات کی وصولی پر مقرر ہوتے ہیں۔ اور ان کا جن کی دلداری مقصود ہے۔ نیز انہیں غلاموں کو آزاد کرنے میں اور قرض داروں کے قرضے ادا کرنے میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافروں کی مدد میں خرچ کیا جائے۔ یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔“

وَاِنْ طَاۗىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَي الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْۗءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَاۗءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (سورۃ الحجرات: ۹،۱۰)

”اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ چنانچہ اگر وہ لوٹ آئے، تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو، اور (ہر معاملے میں) انصاف سے کام لیا کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اس لیے اپنے دو بھائیوں کے درمیان تعلقات اچھے بناؤ، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تمہارے ساتھ رحمت کا معاملہ کیا جائے۔“

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (سورۃ الفتح: ۲۹)

”محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں، (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی علامتیں سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ہیں ان کے وہ اوصاف جو توراۃ میں مذکور ہیں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہو گئی، پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کاشت کار اس سے خوش ہوتے ہیں۔ تاکہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دل جلائے۔ یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کر لیا ہے۔“

اور حالیہ مصائب اور دین کے درمیان کوئی ربط نہیں، کیونکہ روح، عقل اور جسم کی تربیت ایک چیز ہے اور سائنسی ترقی ایک دوسری چیز۔ اس کی پیش رفت اور ارتقا میں پوری انسانیت

حکمران بننا چاہیے“۔ میکاولی نے سیاست کو مذہب اور اخلاقیات سے آزاد کرایا، وہ پہلا سیاسی مفکر تھا جس نے کھل کر لکھا ہے کہ سیاست اصل مفادات پر مبنی ہونی چاہیے اور سیاست میں مستقل دوست یا دشمن نہیں ہوتے، صرف مستقل مفادات ہوتے ہیں۔ میکاولی جدید سیاست میں مذہب کو ایک رکاوٹ سمجھتا تھا، وہ صرف پولیٹکل سائنس کا ہی بانی نہیں بلکہ سیکولر سیاست کا بھی بانی تھا۔ اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ حکمران کے لیے ریاست کی مضبوطی، بقا اور استحکام سب سے اہم ہیں، اور ان مقاصد کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز ذریعہ (بشمول فریب اور طاقت) استعمال کیا جا سکتا ہے۔ آج کل کی قومی ریاستیں میکاولی کے اسی نظریے پر چلتی ہیں۔ (مترجم)

نے مل کر، حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر قیامت تک، حصہ لیا ہے۔ یہ ایک انسانی وراثت ہے جو کسی ایک قوم یا نسل کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ زندگی کے مختلف میدانوں میں انسانی محنت کا ثمر ہے۔

چنانچہ امت ایک نہایت خطرناک مرحلۂ مشقت میں ہے، وہ اس جہالت کا شکار ہے جو مغرب نے اس پر مسلط کی، وہ ان ایجنٹ حکمرانوں سے نالاں ہے جنہوں نے دین اور امت سے غداری کر کے اقتدار کی کرسیاں خریدیں اور وہ اس درآمد شدہ تربیت سے دوچار ہے جو انسان کو بہترین ساخت اور صحیح فطرت سے کھینچ کر فطری پستی کی طرف لے جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ اسفل السافلین میں جا گرتا ہے۔ جب تک وہ صحیح تربیت کی طرف واپس نہیں لوٹتی اور جہالت سے نجات حاصل نہیں کرتی، انسانیت اور امت خراب تربیت کی بیماریوں کا شکار رہے گی، جن کے لیے لازماً ایسے اقدامات اور پالیسیاں درکار ہیں جو اجتماعی حرکت کو منضبط کریں تاکہ بیداری اور ہوش میں آنے کے مراحل کو آسان بنایا جاسکے، تاکہ امت اپنی سرزمین پر دوبارہ اقتدار حاصل کرے اور عالمی سیاسی فیصلوں کی مہلک آفات سے نہ صرف آزاد ہو، بلکہ اپنے رب کی ہدایت اور اس دین کے مطابق فیصلے کرنے لگے جسے اس نے لوگوں کے لیے پسند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورۃ المآئدۃ:۳)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا۔“

۵- قیادت اور صفوں کی وحدت کی اسٹریٹیجی

قیادت، تنظیم، اسٹریٹیجی، معیشت اور کنٹرول

انسان اپنے ساتھیوں سے پہچانا جاتا ہے، شیر لگڑ بگڑوں کی ٹیم کی قیادت نہیں کرتا، اور شیروں کی قیادت صرف ببر شیر ہی کیا کرتا ہے۔ اور جتنا بہتر وہ آپس میں رابطہ رکھ سکیں انہیں اتنی ہی کامیابی حاصل ہوگی، مہارت اس بات میں ہے کہ قائد اور اس کے کارکنان کے درمیان ہم آہنگی اور کنٹرول ہو، اور انہیں تخلیق کے لیے کھلی فضا دی جائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے مجموعے (گروپ) کی ساخت کو سمجھتے ہیں، یا اسے مناسب انداز میں ڈیزائن کیا گیا ہے۔

قائد کی موجودگی، اس کی حوصلہ افزائی اور ترغیب دینے کی صلاحیت، سپاہیوں کے باہمی تعامل اور ان کے مجموعی مقصد کے احساس میں اور انہیں ہدف کے حصول کے لیے عمل کی آزادی دینے میں ظاہر ہوتی ہے اور ٹیم اسپرٹ (Team Spirit) کو فروغ دینے میں نظر آتی ہے جو انہیں ناقابلِ مزاحمت جوش عطا کرتی ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ آپ ان کے ساتھ کام کے نتائج کی ذمہ داری اٹھائیں، چاہے نتائج جیسے بھی ہوں، بہرحال کامیابی یا ناکامی کے اولین ذمہ دار آپ ہی ہیں۔

☆☆☆☆

مشکل توازن یہ ہے کہ قیادت کے لیے موزوں افراد کا انتخاب کیا جائے اور ان پر کنٹرول رکھا جائے اور انہیں منصوبے کی حدود سے باہر نکلے بغیر تخلیق کی آزادی دی جائے، تاکہ وہ آپ کے خیالات اور منصوبوں کی روح کو نافذ کریں، نہ کہ محض مشینیں بن جائیں۔

شریف و قابل لوگوں کا سوچنے کا اپنا انداز، مخصوص لائحۂ عمل اور کچھ نفسانی خواہشات ہوتی ہیں۔ اگر آپ ان پر حد سے زیادہ دباؤ ڈالیں گے تو انہیں بگاڑ دیں گے، وہ آپ کے خلاف خاموش بغاوت کریں گے اور موقع پاکر آپ کے منصوبوں کو ناکام بنانے کا انتظار کریں گے۔ لیکن اگر آپ ان سے چشم پوشی کریں گے تو وہ اقتدار کے لیے خود غرضانہ اندرونی کشمکش میں مبتلا ہو کر بگاڑ کا شکار ہو جائیں گے، جو تیزی سے زوال یا شکست اور کنٹرول کے کھو جانے پر منتج ہوتی ہے۔

اگر آپ کا مطمحِ مقاصد میں یگانگت پیدا کرنا، ان کے باہمی تعامل کو بہتر بنانا اور ٹیم اسپرٹ کو فروغ دینا ہے تو آپ کو چاہیے کہ اہلیت اور تجربے کے حامل افراد کا انتخاب کریں، نہ کہ صرف وفاداری اور رفاقت کے حامل افراد کا۔ انہیں مہارتوں کے مطابق مناسب شعبوں میں تقسیم کریں، ذمہ داریوں کی منصفانہ تقسیم کریں اور انہیں کامیاب بنانے کے لیے وسائل فراہم کریں۔ پورے نقشے میں یونٹوں اور شعبوں کے مابین تعاون کو مربوط کریں، معلومات کی تیز تر ترسیل اور بروقت ردِ عمل کے لیے مواصلاتی ذرائع پر توجہ دیں، فیصلہ سازی میں شراکت کے لیے مشاورت کا ماحول نافذ کریں، ان کی تخلیقی صلاحیتوں میں سرمایہ کاری کے مواقع دے کر لچک دار گنجائش فراہم کریں تاکہ ان کی امنگیں پوری ہو سکیں۔ اور نگرانی، سوال و جواب اور احتساب میں سنجیدگی، مضبوطی اور احتیاط اختیار کریں (یعنی موقع کی مناسبت سے انعام، سزا، یا معافی دیں) یہ سب چیزیں آپ کو وقار اور احترام دلاتی ہیں اور خودسرانہ بغاوت کی روح کو کچل دیتی ہیں۔

جن باتوں کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں، خود آپ کے لیے ان پر قائم رہنا ضروری ہے، کیونکہ آپ کا یہ عمل ان کے لیے ایک الہام ہوگا جس سے وہ آپ کی پیروی کرتے رہیں گے۔ انہیں خالق سے اور اُس کے پاس موجود اجر و ثواب سے جوڑنا، اور اُن کے دلوں میں ایمان کی پرورش کرنا، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ ان کی وفاداری کو مضبوط کرتا ہے۔ تربیت اور تزکیۂ نفس کے ذریعے اُن کی دیکھ بھال دِلوں کے میل کچیل کو دور کرتی ہے۔ عدل و انصاف پر اصرار آپ کے درمیان حسد اور بغض کو ختم کرتا ہے۔ اُن کے باہمی اختلافات میں جلد اصلاح کی کوشش محبت اور اعتماد کا ماحول پیدا کرتی ہے۔ اسلامی یکجہتی و احساسِ ذمہ داری کی روح کو عام کرنا اخوت و بھائی چارے کے رشتوں کو مضبوط کرتا اور دوستیوں کو سہارا دیتا ہے۔ وفاداری، اخلاص، قربانی اور فداکاری کے معانی پھیلانا محسنین کی

ایک نسل کو جنم دیتا ہے۔ اور ان شاء اللہ یہ سب، نفس کی خواہشات اور اس کی سرکشی کو کچل دیتا ہے۔

☆☆☆☆

کچھ قائدین میں منصوبہ بندی، باریکیوں کا خیال رکھنے اور ہنگامی حالات کی تیاری کی فطری صلاحیت شاندار ہوتی ہے، مگر وہ فتح کے ایک نہایت اہم ستون 'کنٹرول' کو کھو دیتے ہیں۔ یہاں کنٹرول سے مراد ہے: احکامات کی وضاحت، چین آف کمانڈ (Chain of Command) اور مواصلاتی نیٹ ورک جس کے ذریعے احکامات، معلومات اور فیصلے منتقل ہوتے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ اور نیٹ ورک مطلوبہ انداز میں کام نہ کریں، اور حکم مبہم انداز میں دیا گیا ہو، تو کسی بھی حکمتِ عملی یا اسٹریٹیجی کو منصوبے کے مطابق نافذ کرنا ممکن نہیں رہتا۔

چین آف کمانڈ (Chain of Command) کی پہلی صف ایسے شیروں پر مشتمل ہونی چاہیے جو فنِ چال بازی (Maneuver) اور جھپٹنے میں ماہر ہوں، اور جب وہ احکامات وصول کریں تو ان کے نفاذ کے لیے ضروری اسباب اختیار کریں۔ تاہم، اگر وہ لگڑ بگڑوں میں سے ہوں تو سب سے پہلا خیال یہی کرتے ہیں کہ حکم کی تاویل کیسے کی جائے، خاص طور پر اگر حکم شائستہ اور کمزور لہجے میں دیا گیا ہو۔ وہ آپ کے احکامات میں وہی کچھ دیکھیں گے جو وہ دیکھنا چاہتے ہیں، اور اصل ہدف کو مرکزی کوشش سے محض ایک ممکنہ ہدف میں تبدیل کر دیں گے۔

چین آف کمانڈ (Chain of Command) کی دوسری صف، جو براہِ راست عمل درآمد کی ذمہ دار ہوتی ہے، اگر عمومی قیادت کے ساتھ ان کا مواصلاتی رابطہ شامل نہ ہو، اور انہیں ملنے والے احکامات تاویل کا شکار ہو چکے ہوں، تو وہ ہر حرکت میں ہچکچاہٹ کا شکار ہوں گے، اپنی فطری سمجھ کے مطابق اقدام کرنے سے خوف زدہ رہیں گے اور ان کے سپاہی بھٹکتے ہوئے جھنڈ میں بدل جائیں گے۔ یوں قیادت کے سر پر موجود غیر یقینی اور ابہام، نچلی سطح پر انتشار اور سستی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆

چین آف کمانڈ (Chain of Command) میں ٹوٹ پھوٹ کے علاوہ، ایک اور زیادہ عام غلطی بھی ہے جس میں بہت سے قائدین ناکامی کی وجوہات کا تجزیہ کرتے وقت مبتلا ہو جاتے ہیں، اور وہ ہے واقعات کو الٹی سمت سے دیکھنا۔ چنانچہ اس صورت میں آپ اپنے نااہل افسروں کو الزام دیتے ہیں، یا ناکافی ٹیکنالوجی کو، یا غلط انٹیلی جنس معلومات کو، وغیرہ۔

اگر آپ کا تجزیہ اسی انداز میں جاری رہا تو ناکامی آپ کا مستقل مقدر بن جائے گی اور شکست آپ کے ساتھ ساتھ چلتی رہے گی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز اہرام (Pyramid) کی چوٹی سے شروع ہوتی ہے۔ آپ کی ناکامی یا کامیابی کا تعین آپ کی قیادت کے انداز، آپ کے تیار کردہ قیادت کے سلسلے اور چین آف کمانڈ (Chain of Command) کے ساتھ رابطے کے نیٹ ورک سے ہوتا ہے۔ اگر آپ کے احکامات مبہم یا کمزور ہوں تو جب وہ میدان تک پہنچیں گے تو اپنا مفہوم کھو چکے ہوں گے۔ چین آف کمانڈ (Chain of Command) آپ ہی کی تخلیق ہے، یہ ایک فنی اور ہنر مندی کا عمل (Skilled Work) ہے جس کے لیے اہتمام اور توجہ درکار ہوتی ہے، اسے نظر انداز کرنا صرف خطرے کو جنم دیتا ہے۔ کامیابی کا انحصار اس رفتار پر ہے جس سے معلومات قائدین کے مواصلاتی نیٹ ورک کے ذریعے دونوں سمتوں میں پہنچتی ہیں۔

کنٹرول کی کمزوری کا مطلب یہ ہے کہ چین یا زنجیر نے ذیل میں دی گئی اپنی ایک یا زیادہ کڑیاں کھو دی ہیں: احکامات کی وضاحت، چین آف کمانڈ (Chain of Command)، مواصلاتی نیٹ ورک (Communication Network)۔

☆☆☆☆

جب کسی نئے عسکری کمانڈر کا انتخاب کیا جاتا ہے تو بیوروکریسی (افسر شاہی) کے ساتھ ایک خاموش اندرونی کشمکش جنم لیتی ہے، اسی طرح اعلیٰ کمانڈروں میں سے اُن لوگوں کے ساتھ بھی جو اسی منصب کے خواہاں ہوں[3]۔ فیصلہ سازی کو کون کنٹرول کرتا ہے اور اس کے نفاذ کے دوران بھی اس کنٹرول کو برقرار رکھتا ہے۔

قیادت کی سطح پر کنٹرول کے لیے داخلی کشمکش، پیش بینی اور دانائی کا تقاضا کرتی ہے۔ نئے کمانڈر کو چاہیے کہ وہ غیر ضروری چیلنجز میں الجھنے سے گریز کرے، اسے مخالفین کی خواہش کے مطابق وقت ضائع کرنے اور گروہی لڑائیوں میں طاقت کے زیاں سے بچنا چاہیے اور اسے چاہیے کہ وہ چھوٹی چھوٹی تفصیلات میں اس طرح نہ ڈوبے کہ مجموعی تصویر او جھل ہو جائے۔

بیوروکریسی (افسر شاہی) کی کیفیت اور مسابقتی ماحول میں تبدیلی کے لیے کمانڈر کو دو امور میں پہل کرنا ہوگی:

۱. اپنے اس عملے کا انتخاب اور تقرر جو اس نے خود منتخب کیا ہو[4]، اسے خود تربیت دی ہو اور خود کام پر لگایا ہو، اور جن کی قابلیت و صلاحیت اور عام حالات میں نیز دباؤ کے تحت اُن کے حسنِ تصرف کی عملی زندگی میں جانچ ہو چکی ہو۔

[3] اس چیز سے مسلمان بھی مستثنیٰ نہیں ہیں، یہ ایک انسانی معاملہ ہے جو نفس کی خواہشات، ملکیت اور غلبہ حاصل کرنے کی چاہ کے تابع ہوتا ہے، اور تمام قائدین خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرح (دنیا سے بے رغبت) نہیں ہوتے، تاریخ اقتدار کے حصول اور منصب تک پہنچنے کے لیے کی جانے والی اندرونی سازشوں سے بھری پڑی ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ صحیح اسلامی تربیت کے خلاف ہے، لیکن یہ انسانی نفس میں پائی جانے والی ایک حقیقت ہے۔

[4] میں پہلے بھی واضح کر چکا ہوں کہ یہ لوگ لازماً شریف و قابل (شیروں) میں سے ہوں، نہ کہ لگڑ بگڑوں میں سے جن کی بہترین صفت محض وفاداری ہوتی ہے۔ ان شریف و قابل لوگوں (یعنی نجباء) کو قائد اپنے سفر کے دوران منتخب کرتا ہے، ان کی تربیت کرتا ہے، انہیں کام میں لگاتا ہے، اور عام حالات میں اور دباؤ کے تحت بھی ان کی دیانت، اہلیت اور حسنِ تصرف کی جانچ کر چکا ہوتا ہے۔

۲. اُن افراد کی تربیت و اصلاح پر کام کرنا جو چین آف کمانڈ (Chain of Command) میں رکاوٹ بنتے رہے ہیں اور انہیں بالواسطہ انداز میں ٹیم اسپرٹ کے ساتھ ہم آہنگ کرنا۔

حزم واحتیاط حکمت کا تقاضا ہے، اور اُن عناصر کے ساتھ ضروری ہے جن کا نئے انتظامی انداز (ادارے) کے ساتھ ہم آہنگ ہونا مشکل ہے۔ ایسے عناصر کو عملی سفر میں ساتھ نہیں لے جایا جاسکتا اور انہیں لازماً کسی دوسرے ادارے میں کام کرنے کے لیے روانہ ہونا ہوگا۔

نئے کمانڈر کو چاہیے کہ وہ ایسے معاونین مقرر کرے جو اس کے وژن میں شریک ہوں اور اس کے انداز کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ایسے معاونین اسے ہر مشکل شخص کے ساتھ مذاکرات میں وقت ضائع کرنے سے بچاتے ہیں، ٹیم اسپرٹ کو پھیلانے میں کردار ادا کرتے ہیں تاکہ وہ ایک عمومی پالیسی بن جائے، کم یاب بے فائدہ اجلاسوں میں اس کی جگہ نمائندگی کرتے ہیں اور اسے چھوٹی چھوٹی تفصیلات میں ڈوبنے سے بچاتے ہیں تاکہ وہ مجموعی تصویر پر توجہ دے سکے۔ وہ بلا شک و شبہ چین آف کمانڈ (Chain of Command) اور کنٹرول کو عمومی طور پر اور بالواسطہ طور پر مضبوط کرتے ہیں، اس طرح لوگ آپ پر آمر ہونے کا الزام لگائے بغیر آپ کی پیروی کریں گے۔ یہی خاموش داخلی کشمکش میں زیادہ سے زیادہ کنٹرول حاصل کرنے کی اعلیٰ مہارت ہے۔

☆☆☆☆

اگر میدانِ جنگ مختلف دھڑوں یا تنظیموں میں تقسیم ہو تو وہ ایک خطرناک میدان ہوتا ہے۔ مختلف مزاج رکھنے والے دھڑے ایک ہی دشمن کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں، گویا ایک ایسا لشکر جس کی پانچ یا اس سے زیادہ قیادتیں ہوں۔ لوگ گروہوں میں ہوتے ہیں، ان کے اپنے سیاسی رجحانات اور کسی دھڑے یا تنظیم سے وابستگیاں ہوتی ہیں اور وہ جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں وہ صرف اپنی تشہیر اور دوسروں کو خوش کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

اگرچہ فرد دلیر اور تخلیقی ہوتا ہے، مگر یہ گروہ خطرہ مول لینے سے ڈرتا ہے اور اپنے خوف میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ اس کا اپنا ایک خاص ذہن ہوتا ہے، ایک محتاط ذہن، فیصلہ سازی میں سست اور تخیل سے بالکل خالی۔

جب آپ مختلف حوالہ جاتی پس منظر رکھنے والے کئی دھڑوں یا تنظیموں پر مشتمل اتحاد قائم کرتے ہیں تو جنگ اور کنٹرول کے اہم ترین اصولوں میں سے ایک (وحدتِ قیادت) کی خلاف ورزی کی اجازت نہ دیں۔ بعض لوگ اس خواہش کے تحت کہ کچھ قائدین خود کو جمہوری ظاہر کریں، گروہ کو مزید اختیار دے دیتے ہیں اور فیصلہ سازی اور اسٹریٹجی کی تشکیل گروہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ یہ تعمیر نہیں بلکہ تخریب ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں ہم شوریٰ کی عبقریت اور اس لچک کو سمجھتے ہیں جو وہ قائد کو عطا کرتی ہے۔

تقسیم شدہ قیادت تباہی کا نسخہ ہے اور یہ تاریخ کی عظیم ترین عسکری شکستوں کی بڑی وجہ رہی ہے۔ کسی عملی محاذ (Operational Sector) کے لیے دو یا اس سے زیادہ کمانڈروں کی تقرری انہیں دشمن سے لڑنے کے بجائے آپس میں الجھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ناگزیر ہے کہ اتحاد کی قیادت کے لیے ایک ہی عسکری قائد منتخب کیا جائے، جس کے زیرِ کمان تمام سپاہی ہوں، جو پورے میدان کی نگرانی کرے، اور جسے اتحادی دھڑوں کی جانب سے مکمل اختیارات تفویض ہوں۔ اسے چاہیے کہ اپنے ہیئتِ ارکانِ جنگ (General Staff) کا نہایت احتیاط سے انتخاب کرے اور انہیں ایک متحد ٹیم بنا دے۔ قدیم کہاوت ہے کہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔

☆☆☆☆

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (سورۃ الزمر: ۲۹)

”اللہ نے ایک مثال یہ دی ہے کہ ایک (غلام) شخص ہے جس کی ملکیت میں کئی لوگ شریک ہیں جن کے درمیان آپس میں کھینچ تان بھی ہے اور دوسرا (غلام) شخص وہ ہے جو پورے کا پورا ایک ہی آدمی کی ملکیت ہے۔ کیا ان دونوں کی حالت ایسی جیسی ہوسکتی ہے؟ الحمد للہ (اس مثال سے بات بالکل واضح ہوگئی) لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔“

”حکومتی نظاموں میں فرقہ وارانہ، نسلی اور مذہبی تقسیم اپنے اندر ناکامی کے بیج لیے ہوتی ہے۔ ان کی مثالیں لبنان اور عراق ہیں اور وہ سب جو ان کے نقشِ قدم پر چلے۔ یہ ٹائم بم ہیں جو تھوڑی سی بھی حاصل شدہ کامیابیوں کو تباہ کرنے کے قریب ہیں۔ فرقوں کے قائدین کو مبارک باد اور ان کے پیروکاروں پر افسوس، اور لبنان و عراق کے لیے کوئی رونے والا نہیں۔“

”امارت اسلامیہ افغانستان پر تمام نسلوں اور مسالک و مذاہب کی نمائندگی کرنے والی حکومت تشکیل دینے پر زور، (کیا یہ) افغان عوام کے درمیان مزید انتشار کے عناصر بونے کی دعوت ہے؟۔ جبکہ لبنان میں سہ فریقی حکومتی نظام (عیسائی، سنی، شیعہ) اور عراق میں (کرد، سنی، شیعہ) نے کیا حاصل کیا؟ ان نظاموں نے سہ فریقی اقتدار کی راکھ تلے ہر قسم کی آگ کو زندہ رکھا اور لبنان میں انہدام اور عراق میں ٹوٹ پھوٹ اسی منحوس سہ رخی نظام کو قبول کرنے والوں کا مقدر ہے۔ (اگر یہی بہترین نظام ہے تو) ہمیں فلسطین (اسرائیل)

یہاں ایک نہایت اہم نکتہ قابلِ توجہ ہے: پرانے نظام کے علاج کے لیے یہ طرزِ عمل قابلِ قبول اور دانشمندانہ ہے، کیونکہ وہ سب کے سب موجودہ نظام کے اندر ہی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن انقلابات یا گوریلا جنگوں کی صورت میں یہی طرزِ عمل سیاسی حماقت شمار ہوتا ہے، کیونکہ یہاں ہم کسی ایسے حریف سے دوچار نہیں ہوتے جو کسی ایسے نظام کے دائرے میں مقابلہ کر رہا ہو جسے ہم قائم رکھنا چاہتے ہیں، بلکہ ایک ایسے دشمن سے واسطہ ہوتا ہے جو اُس نظام کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے سرگرم ہوتا ہے جسے ہم خود منہدم کرنے میں مصروف ہیں۔

میں ایسی دعوے کیوں سنائی نہیں دیتے؟ (کیوں) برطانوی و امریکی حمایت یافتہ نسلی یہودی قابض نظام کی جگہ، یہودی، عیسائی اور مسلمان، تینوں کی نمائندگی کرنے والا سہ رخی نظام (نافذ نہیں کیا جاتا؟)!"[5]

☆☆☆☆

- مؤثر چین آف کمانڈ (Chain of Command) بنانے کا بنیادی قدم یہ ہے کہ ایسے باصلاحیت لوگوں کی ٹیم جمع کی جائے جو آپ کے اہداف اور اقدار میں آپ کے شریک ہوں۔ آپ کو ایسے افراد تلاش کرنے چاہییں جو آپ کی کمی کو پورا کریں اور وہ مہارتیں رکھتے ہوں جو آپ میں نہیں ہیں۔ کبھی بھی کسی شخص کا انتخاب صرف اس کی چمک دار ذاتی کارکردگی (CV) کی بنیاد پر نہ کریں، اس کی ظاہری پرت (Makeup) کے نیچے اس کی نفسیاتی ساخت کو دیکھیں، اور ایسے لوگوں کو ترجیح دیں جو خود پرست نہ ہوں۔ اپنی بنائی ہوئی ٹیم پر اعتماد ضرور کریں، مگر اس کے اسیر نہ بنیں۔ اگر آپ کو مشہور لوگ میسر آئیں تو ہوشیار رہیں کہ آپ ان سے غائب نہ ہوں، کیونکہ آپ کی غیر حاضری ان کے لیے اپنی الگ طاقت کی بنیاد بنانے کا موقع بن جاتی ہے۔
- ان کے ساتھ ساتھ ایک ایسے طبقے سے بھی خبردار رہیں جو تنظیموں کے اندر پنپتا ہے، اپنے مفادات کے پیچھے دوڑتا ہے اور اپنا ذاتی ایجنڈا آگے بڑھانے کے لیے ایک گروہ پیدا کرتا ہے تاکہ مضبوط ڈھانچے میں دراڑ ڈال سکے۔ یہ طبقہ آپ کے احکامات کی تشریح اپنے مقاصد کے مطابق کرتا ہے۔ اپنے ارکان (سٹاف) اور شاخوں (Wings) کے کمانڈر منتخب کرنے سے پہلے ان کی اچھی طرح چھان بین کریں اور ذاتی مفاد رکھنے والوں کی تقرری سے گریز کریں۔ لیکن اگر بدقسمتی سے وہ شامل ہو ہی جائیں تو انہیں فوراً الگ کر دیں، انہیں تنظیم کے اندر چال بازی کے لیے نہ تو وقت دیں نہ ہی گنجائش۔ جب انہیں پہچان لیں تو حسنِ ظن میں حد سے زیادہ نہ جائیں، فوراً علیحدگی اختیار کریں تاکہ وہ اپنی طاقت کی بنیاد بنانے سے رک جائیں، جس سے وہ پورے نظام کو تباہ کرنے کے لیے حرکت میں آسکتے ہیں۔
- معلومات کی ترسیل کی رفتار کو یقینی بنانے کے لیے مورچوں سے (رابطوں کا) ایک مختصر سلسلہ برقرار رکھیں، تاکہ جنگی حالات کے ساتھ تیزی سے ہم آہنگی بہتر ہو۔ عظیم کمانڈر اپنے سپاہیوں کے ساتھ مسلسل اور کثرت سے موجود رہتے ہیں، لیکن کبھی کبھار انہیں اپنے سپاہیوں کے پیغامات دیکھنے اور ان کی پیروی کے لیے قابلِ اعتماد افراد کو مقرر کرنا چاہیے۔ جنگ کے دوران، رسمی نیٹ ورک کے متوازی، ایک غیر رسمی نیٹ ورک بھی قائم کریں جو آپ تک میدانِ جنگ کے حقائق پہنچائے، کیونکہ رسمی نیٹ ورک عموماً سست ہوتا ہے۔ غیر معمولی سفیروں کا ایک گروپ تشکیل دیں جنہیں آپ میدان میں گہرائی تک بھیجیں تاکہ معلومات لائیں یا پہنچائیں، یا دشمن سے مذاکرات کریں۔ یہ ٹیم آپ کو چین آف کمانڈ میں لچک اور سخت ماحول میں تدبیر کی گنجائش فراہم کرتی ہے۔
- احکامات کی شکل و مضمون پر خود توجہ دیں، مبہم احکامات کی کوئی قدر نہیں ہوتی اور جب وہ ایک سطح سے دوسری سطح تک منتقل ہوتے ہیں تو الٹ بھی ہو سکتے ہیں۔ اپنے احکامات واضح رکھیں، ان میں اہم نکات کی تفصیل ہو اور ممکنہ ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے تجاویز شامل ہوں۔ یہ طرز آپ کے افسران کو یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ آپ کیسے سوچتے ہیں، اس لیے اپنے احکامات کو اتنا متاثر کن بنائیں جو مجموعی منصوبے کے دائرے میں تخلیق اور شراکت کی گنجائش پیدا کریں۔

☆☆☆☆

تبدیلی کے عمل پر خوف صرف اندرونی حرکات، اختلافات، نوجوان قائدین کے عزائم اور اقتدار کی جستجو سے پیدا ہونے والی تشویش تک محدود نہیں ہوتا، سب سے بڑا خطرہ ہمیشہ باہر سے آتا ہے۔ یا دشمن کی طرف سے، جس کی چالیں، مکاری اور سازشیں کسی سے پوشیدہ نہیں ہوتیں۔ یا اتحادیوں کی طرف سے جب وہ میدان چھوڑ دیتے ہیں، جب افق پر انہیں اپنے اتحاد کے مقصد کے پورا ہونے کے اشارے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ یا پھر یہ خطرہ اُن حامیوں کی جانب سے آتا ہے جو تبدیلی کی تحریک کو مالی مدد فراہم کر رہے ہوتے ہیں، اور یہی سب سے خطرناک وار اور سب سے کاری ضرب ہوتی ہے۔ اس وقت یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تبدیلی کا فیصلہ ہمارے ہاتھ میں نہیں رہا، بلکہ ہم نے اسے خوش دلی سے اپنے حامیوں (Supporters) یا سرمایہ فراہم کرنے والوں (Financers) کے سپرد کر دیا ہے۔ تب ہمیں معاشی خود مختاری کا مفہوم سمجھ آتا ہے۔ مختصراً، فیصلہ سازی کی خود مختاری میں جو حصہ ہم کھو دیتے ہیں وہ اس مالی مدد کے برابر، بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے جو ہمیں ملتی ہے۔ اور اس کے بدلے ہم حامی (Supporter) کی شرائط کے تابع ہو جاتے ہیں، چاہے وہ تنازع کی شدت پر اس کے اثر کے ذریعے ہوں، یا آزاد شدہ علاقوں میں آئندہ یا حالیہ معاشی مراعات پر اس کے اصرار کے ذریعے، جن کے بل بوتے پر وہ تحریک پر خرچ کی گئی رقم سے کئی گنا زیادہ واپس حاصل کر لیتا ہے۔

لہٰذا، فیصلہ سازی کی خود مختاری کو اتحادیوں اور حامیوں کے خطرات سے بچانے کے لیے ہمیں اخراجات کم کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے[6]، مراحل کو جلدی جلدی طے کرنے سے گریز کرنا چاہیے، پیداواری علاقوں پر کنٹرول حاصل کرنا چاہیے [مثلاً: کھیت، تیل، خام مال، وسائل اور معدنیات کی کانیں وغیرہ]، اپنے منصوبے تیار کرنے چاہییں اور نجی سرمایہ کاری قائم کرنی چاہیے۔ عوامی حمایت اور پوری امت کی تائید پر پورے اطمینان کے ساتھ بھروسا کیا جا سکتا ہے، اور اسی طرح ہم تبدیلی، خود مختاری اور حاکمیت کے سفر کے لیے استحکام اور اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ مالی اعانت کا خطرہ داخلی کنٹرول کے عمل کو درپیش خطرات سے بدتر ہے، البتہ خطرہ دونوں میں موجود ہے۔

---

[5] عابر سہیل کی غیر مطبوعہ کتاب "الف تغريدة وتغريدة" (ایک ہزار ایک ٹویٹس)۔

[6] دیکھیں کتاب: الصراع ورياح التغيير الجزء الثالث، باب 'اتحادی'۔

☆☆☆☆

افغانستان میں مخلص اور غیر مخلص رہنماؤں کی ایک بڑی تعداد رہی اور اسے ایک ہی شرعی مرجعیت (یعنی فقہ حنفی) بھی حاصل تھی۔ دشمنوں سے پہلے، خود اتحادیوں نے اسٹریٹیجی کو بگاڑنے کی کوشش کی، مجاہدین کو سات پارٹیوں میں تقسیم کر دیا گیا، پھر ان سات پارٹیوں پر کنٹرول حاصل کیا گیا اور معاشی تعاون کے سائے میں تصادم کی شدت کو منظم کیا، جس کے نتیجے میں قیادت کی وحدت ختم ہو گئی اور کنٹرول کھو گیا، افراتفری اور اندرونی لڑائی پھیل گئی، اور اس سے بھی زیادہ تلخ یہ کہ سوویت یونین پر فتح کا ذائقہ بھی تیز کڑواہٹ بھرا تھا۔ پھر اس سبق کو نہایت باریکی سے سمجھا گیا، اور جب مجاہدین امارت اسلامیہ کے پرچم تلے اور امیر المومنین اور ان کے ماتحتوں کی قیادت میں منظم ہوئے تو انہوں نے کامیابی کے پانچ ستون حاصل کیے: قیادت کی وحدت، عوامی مالی اعانت، اسٹریٹیجی، تنظیم اور کنٹرول۔

تنازع کے وہ میدان یا وہ ساحاتِ تصادم جو قیادت، اسٹریٹیجی، تنظیم، کنٹرول اور مالی وسائل سے محروم ہوں، لفظ کے پورے مفہوم میں ’افراتفری‘ (Chaos) کی حالت میں رہتے ہیں، کوئی کسی کی بات نہیں سنتا، کوئی مشترکہ نکتہ نہیں ہوتا، فیصلہ کن اختیار بیرونی اتحادیوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے، ہر دھڑا اپنی مرضی کرتا ہے، ان کے درمیان ہونے والی ملاقاتیں کسی اتفاق (یا معاہدے) سے خالی ہوتی ہیں، اور کبھی کبھی تو محض یہ جاننے کے لیے منعقد کی جاتی ہیں کہ حریف کے پاس کیا ہے، ان کا بار بار ہونا مزید وقت حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے، (پس ان حالات میں سمجھ لیجیے کہ) ان کے درمیان تصادم آنے والا ہے، اور مکار دشمن موقع کی تاک میں ہے۔

لہٰذا، ہم سب کو یہ ادراک ہونا چاہیے کہ قیادت کی وحدت، معیشت، تنظیم، اسٹریٹیجی، اور کنٹرول میں سے کسی ایک میں بھی خرابی، ایسی بھول بھلیوں میں داخلے پر منتج ہوتی ہے، جن سے نکلنا سب سے پہلے اللہ کی توفیق اور پھر قیادت کی جانب سے اس خرابی کی اصلاح کے لیے کی جانے والی جدوجہد پر ہی موقوف ہے۔

☆☆☆☆

آمرانہ مزاج رکھنے والے سربراہ بُرے اور متکبر ہوتے ہیں، ان کے ساتھ کام کرنے والوں کی اکثریت ان سے نفرت کرتی ہے، اور ان کا ساتھ وہی دیتے ہیں جو جانتے ہیں کہ فائدہ کہاں سے اٹھایا جاتا ہے، ہر وہ شخص جو اپنا مستقبل محفوظ کرنا چاہتا ہے محض ان کی خوشامد کرتا ہے۔ ان سربراہوں کے تکبر کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ انتظامی درجہ بندی کے ہرم (Vertical Hierarchy) کو ہی دیکھتے ہیں، جو انہیں اپنی صلاحیتیں دکھانے کا موقع دیتا ہے، یعنی اختیارات وطاقت کے ذریعے انتظام (حکم دینے اور منع کرنے کے انداز میں)، پس یہ عملی طور پر تو کامیاب ہو سکتا ہے مگر معاشرتی وسماجی طور پر مکمل طور پر ناکام ہے۔ اسی سبب تنظیمیں اکثر پُرتشدد جھٹکوں، ہڑتالوں اور دھرنوں کا شکار ہوئی ہیں اور بہترین صلاحیتوں کے حامل افراد ان متکبروں سے ٹکرا کر تنظیمیں چھوڑ گئے ہیں۔

یہ لوگ معاشرتی سطح پر کسی بھی افقی ہم آہنگی (Horizontal Homogeneity) کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔ ذمہ داری کا زینہ نہایت اہم اور خطرناک ہے، اور لوگوں کی قیادت اور ان کا انتظام کرنا ایک الگ چیز ہے۔ محبت اور عقل کے ساتھ انتظام ہی کامیابی کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ دلوں اور ذہنوں کی طاقت ہے، جو کام اور فرد دونوں کا خیال رکھتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ میں لفظ ”سربراہ“ کے بجائے ”ذمہ دار (مسئول)“ کی اصطلاح کو ترجیح دیتا ہوں، کیونکہ ”ذمہ داری (مسئولیت)“ ایک ایسا تصور ہے جو ہر سمت میں چلتا ہے، جبکہ ”سربراہ“ کا راستہ صرف اوپر سے نیچے کی طرف ہوتا ہے۔ افسوس! آج کتنے زیادہ ”سربراہان“ ہیں مگر ”ذمہ داران (مسئولین)“ بالکل نایاب ہیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: یہودی ہو تو بری فلسطینی ہو تو پھانسی

عالمی عدالتِ انصاف کی رولنگ اور اقوامِ متحدہ کی قراردادوں میں مغربی کنارہ، غزہ اور گولان کا علاقہ غیر قانونی قبضے میں ہے۔ بین الاقوامی قوانین کے تحت اسرائیل ایک قابض ریاست ہے چنانچہ اسرائیلی پارلیمنٹ مقبوضہ علاقے کے لیے قانون سازی کی مجاز نہیں۔ اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے کمشنر والکر ترک نے اس قانون کے مقبوضہ علاقے میں نفاذ کو جنگی جرم قرار دیا ہے۔ اسی بنیاد پر اسرائیل کی ایسوسی ایشن آف سول رائٹس اور پارلیمنٹ کے دو ارکان نے نئے قانون کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا ہے۔

یورپی یونین، ایمنسٹی انٹرنیشنل، متعدد عرب اور غیر عرب ممالک نے اس قانون کو بین الاقوامی نظائر کے خلاف قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا ہے۔ اسرائیل اور مقبوضہ علاقوں میں اس کے خلاف مظاہرے بھی جاری ہیں۔ مگر اسرائیل نے ہمیشہ کی طرح تمام ردِ عمل کو جوتے کی نوک پر رکھا ہے۔ امریکی کانگریس اور سینیٹ میں تو اس بابت کسی قراردادِ مذمت کے منظور ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فلسطینیوں کو سزائے موت دینے کا قانون اس فیصلے کے ایک ماہ بعد نافذ کیا گیا ہے جس کے تحت سدی تمیم کے بدنام زمانہ فوجی کیمپ میں فلسطینی قیدیوں کے اجتماعی ریپ کے مجرم تمام فوجیوں کے خلاف حکومت نے فردِ جرم واپس لے لی۔

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

فکر و منہج

ایپسٹین فائلز اور مجاہدین کا موقف

شیطانوں کی تنظیم کو شکست دینے کے لیے عالمی انسانی اتحاد کی طرف سے ایک تجزیہ اور پیغام

ادارہ شاہد، تنظیم القاعدہ، جزیرۂ عرب

جب ہم امریکی ارب پتی ایپسٹین، اس کی خسیس تنظیم اور غلیظ جزیرے کی بات کرتے ہیں، تو بلا مبالغہ ہمارا سامنا انسانی تاریخ کی سب سے خبیث اور خطرناک خفیہ تنظیم سے ہوتا ہے، کیونکہ یہاں سازشی نظریے کے خیالی تصورات اور ٹھوس حقیقت کے درمیان کی رکاوٹیں اور سرحدیں مٹ جاتی ہیں اور بالکل اسی جگہ پر، اس گندے جزیرے پر، سازشی نظریات حقیقت میں بدل جاتے ہیں۔ ایک ایسی ناقابلِ تردید حقیقت جس میں سیاست، صنعت اور معیشت کے لیڈروں، علم و فکر اور ثقافت کے علم برداروں اور ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور سائنس کے ماہرین کی طرف سے کیے جانے والے گھناؤنے جرائم کی کہانیاں رقم کی جاتی ہیں۔ ان خسیس مجرموں نے بے حیائی کے اس جزیرے پر کمسن بچیوں کی عصمت دری جیسے بھیانک جرائم کیے ہیں، تاہم اکثر لوگ اس خبیث تنظیم کے افعال میں صرف اس پستی اور جرائم کی ہولناکی کے علاوہ کچھ بھی محسوس کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

یہ اس لیے کہ ان فائلوں کو افشا کرنے والے، لوگوں کی توجہ 'مسیح دجال' کے اس جزیرے میں ہونے والی محض شہوانی اور ہوس پرستانہ سرگرمیوں کی طرف مبذول کروانا چاہتے تھے، تاکہ لوگوں کی توجہ ان جرائم کے دیگر پہلوؤں سے ہٹا دیں جو اس جزیرے پر ہو رہے تھے۔ درحقیقت یہ ان مجرموں کا اتحاد تھا جو وہاں انسانیت کو تباہ کرنے کی سازشیں کرتے، انسانی فطرت کو کچلنے کی تدبیریں سوچتے، اور اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرنے والی اسلامی جہادی تحریکوں کے خلاف منصوبے بناتے تھے جو ان کی شیطانی تنظیموں اور مجرمانہ اتحادوں کے خلاف حقیقی مزاحمت کرتے ہیں۔

شیطان کے باپ ایپسٹین کا مقصد صرف ایک مجرمانہ تنظیم بنانا نہیں تھا جس کے ارکان کمسن بچیوں کی عصمت دری اور انہیں ذبح کرنے جیسے جرائم کا ارتکاب کرتے تھے، بلکہ اس گھناؤنی سازش کے تخلیق کار ان سرگرمیوں کو عالمی فیصلہ سازوں پر اثر ڈالنے کے ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے تھے، تاکہ بین الاقوامی سیاسی سوچ کی عالمگیریت، صہیونی صلیبی اتحادیوں کے ساتھ شراکت داری، دنیا کی قوموں کے حکمران طبقے کی شیطانی تعلیمات کے مطابق تربیت، اور ان کی ذہنیت و ضمیر کو دوبارہ تشکیل دے سکیں۔ اس لیے شیطان کے باپ ایپسٹین کی تنظیم میں سیاسی، اقتصادی، صنعتی، میڈیا، علمی، فکری اور ثقافتی تمام شعبوں سے وابستہ متعدد چوٹی کے افراد اور اشرافیہ شامل تھے۔ صہیونی صلیبی اتحاد نے اس جزیرے میں ایک عالمی تنظیم قائم کی تھی جس کی جڑیں دنیا کے ہر ملک میں گہرائی تک پہنچ چکی تھیں، اور ایک وسیع عالمی نیٹ ورک قائم کیا گیا تھا جس میں ان کی کمیونٹی کے بیشتر مؤثر لوگ شامل تھے، جن میں مغربی، مشرقی اور عرب ممالک کے لیڈر، علماء، شیوخ، محققین، مفکرین، صحافی، انجینئرز، ڈاکٹرز اور اعلیٰ فوجی افسران شامل تھے۔

یہاں ایک بڑی اسٹریٹیجک غلطی کی طرف توجہ دلانا مناسب ہو گا جو ان واقعات کا تجزیہ کرتے وقت کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم ایپسٹین اور اس کے غلیظ جزیرے کے معاملے کو صرف ایک ہی جزیرہ سمجھتے ہیں، جسے بے نقاب کیے جانے کے بعد اس کا معاملہ مہذب دنیا کے سامنے بند ہو گیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مغرب اور مشرق میں بلکہ خلیجِ عرب میں بھی ایپسٹین کے جزیرے جیسی گندگی رکھنے والی متعدد جگہیں موجود ہیں اور یہ مقامات پہلے بھی فعال تھے اور اب بھی فعال ہیں۔

اور تجزیہ و فکر میں ایک اور اسٹریٹیجک غلطی یہ ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ یہ جزیرے محض نائٹ کلب ہیں جہاں حیوانی لذتیں اور جانوروں والی خواہشات پوری کی جاتی ہیں اور جہاں کم سن لڑکیوں کی عصمت دری اور قتل جیسے شیطانی جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے، پھر ان پارٹیوں میں ان کا گوشت پکا کر دنیا کے فاسق و فاجر اور عیش پرست لیڈروں کی ضیافتوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ جبکہ درحقیقت یہ متعدد جزیرے تھے جو پارٹیوں اور کانفرنسوں کے انعقاد کے لیے قائم کیے گئے تھے تاکہ بین الاقوامی سیاست پر مکمل اور ہمہ گیر اثر ڈالا جا سکے حتیٰ کہ مختلف سائنسی، فکری، ابلاغی اور ثقافتی میدانوں تک رسائی حاصل کی جا سکے اور بچوں پر ہونے والا تشدد، عصمت دری، قتل، اور پھر ان کا گوشت پکانے اور کھانے کی شیطانی رسومات دراصل ان بدکردار کلبوں میں آنے والوں کے لیے تربیتی و اہلیتی کورسز ہیں، جن میں ان کے اذہان اور ضمیروں کو از سرِ نو ڈھالا جاتا ہے، جن میں استبداد کی فطرتوں کو ایک خبیث شیطانی انداز میں مُشکّل کیا جاتا ہے اور مجموعی طور پر یہ سب کچھ ان کے معبود شیطانِ رجیم کو خوش کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہم سمجھیں کہ ایپسٹین کا معاملہ اب صرف ایک اخلاقی اسکینڈل اور گھناؤنا جرم نہیں رہا، بلکہ یہ مکمل طور پر مغربی نظام، صہیونی صلیبی اتحاد اور دنیا میں اس کے اتحادیوں کی فطرت و حقیقت کو ظاہر کرنے والا ایک آئینہ بن چکا ہے۔ اس نظام نے گزشتہ ایک صدی تک مشترکہ اخلاقی اقدار اور انسانی حقوق کے نعرے بلند کیے اور پھر یہی نظام انسان کی عصمت دری کرتا ہے، اسے اذیت دیتا ہے، پھر اسے ذبح کرتا ہے اور اس کے جسم کے ٹکڑے کر کے پکاتا اور کھاتا ہے!

یہ دنیا کے (نام نہاد) لیڈر ہیں جن کا کوئی دین نہیں ہے جو انہیں قابو کرتا ہو، کوئی اخلاقی اقدار نہیں ہے جو انہیں روکے، نہ وہ کسی عادل خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی جامع دستور و آئین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تو شیطان پرستی ہے اور شیطان کی سلطنت میں، مسیح دجال کے جزیرے پر اس کی دہشت ناک خدائی کا اظہار ہے، اس کے سوا کچھ نہیں!

یہی وہ وحشی صہیونی صلیبی نظریہ ہے جس سے مجاہدین اپنی امت اور پوری انسانیت کو خبر دار کرتے رہے ہیں اور اس کے گھناؤنے مجرمانہ اعمال سے بھی آگاہ کرتے رہے ہیں۔ ان دستاویزات نے جو کچھ بے نقاب کیا ہے وہ محض ناموں، شخصیات اور اسکینڈلز سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، یہ دستاویزات دنیا کے سامنے اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں کہ اقدار اور اخلاق کس طرح سی آئی اے اور موساد کے خسیس اہلکاروں ہاتھوں بلیک میلنگ کے ذرائع بن جاتے ہیں اور اسکینڈلز کو کیسے ایک انٹیلی جنس ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، جس کے ذریعے دنیا کے لیڈروں اور بڑی کمپنیوں کے سربراہوں کو دباؤ میں لایا جاتا ہے اور کیسے قحبہ گری و جسم فروشی کو اسٹیبلشمنٹ اور ڈیپ سٹیٹ (Centers of Decision Making and Deep State) کے اندرونی تنازع میں ایک مؤثر آلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور کیسے عالمی سیاست میں صہیونی صلیبی عناصر دنیا کو اس شیطانی نظام کے ذریعے کامیابی سے چلاتے ہیں؟!

یہ بات بھی یقینی ہے کہ آج ہم افشاشدہ معلومات کی فائلوں کے ایک گہرے اور وسیع سمندر میں غوطہ زن ہیں، جس میں بے شمار دستاویزات اور بے شمار معلومات سامنے آئی ہیں اور جتنا ہم مزید گہرائی میں جاتے ہیں، اتنے ہی بڑے سوالات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ تاہم، یہ سوالات اب ان ملوث افراد کے ناموں تک محدود نہیں رہے، بلکہ زیادہ اہم سوالات کی طرف منتقل ہو چکے ہیں جیسے کہ یہ فائلیں اسی مخصوص وقت پر ہی کیوں لیک کی گئیں؟ اور اس کا دنیا کے مستقبل، خصوصاً مغرب کے مستقبل کے لیے کیا مطلب ہے؟! اور عالمی طاقت کے ڈھانچے اور ہماری اسلامی دنیا کے خلاف جاری صلیبی جنگوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟!

یہاں ایک اور بڑا سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان سے حقیقی فائدہ اٹھانے والے کون ہیں، جن کا مفاد ان تمام ہولناک جرائم کے ساتھ جڑا ہے، جنہیں اپسٹین اور اس کے ساتھیوں نے برسوں تک چھپائے رکھا؟!

ان سوالات کو سمجھنے اور ان کے جوابات کو جاننے کا راستہ کچھ لوگوں کے لیے بہت طویل اور محنت طلب ہو سکتا ہے، لیکن یہ ان لوگوں کے لیے آسان ہے جو صہیونی صلیبی دشمن کی فطرت اور اس کے جرائم اور ان جرائم کے پہلوؤں، مقاصد، وسائل اور ان کے انکشاف پر ردعمل کو سمجھ چکے ہیں، اسی طرح یہ ان لوگوں کے لیے بھی آسان ہے جنہوں نے ابوغریب، گوانتانامو اور ان جیسی جگہوں پر اس طرح کے واقعات دیکھے ہیں، کیونکہ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہ مرکب جرائم اغوا سے شروع ہو کر انسانوں کی خرید و فروخت تک پہنچتے ہیں۔ کم عمر لڑکیوں کے ساتھ زیادتی اور تشدد کرتے ہوئے، پھر ان کو ذبح کر کے ان کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور ان کا گوشت پکانا، پھر ان کو سیاسی اشرافیہ (اسٹیبلشمنٹ) اور ممالک کے لیڈروں کی ضیافت کی میزوں پر پیش کرنے پر ختم ہوتے ہیں تاکہ وہ ان کے استعمال سے لطف اندوز ہو سکیں۔ لیکن آج ہمیں ان جرائم کی خصوصیات کو سمجھنے سے زیادہ ان واقعات کے دائرہ کار کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور یہ کہ یہ جرائم اس اشرافیہ (اسٹیبلشمنٹ) کے لیے تیار اور تخلیق کیے جاتے ہیں تاکہ یہ ان کے لیے تربیتی کورسز کا کام کریں جنہیں مستقبل میں ان کے محکوم عوام پر نافذ کیا جائے، اور اس کے ساتھ ساتھ اس اشرافیہ (اسٹیبلشمنٹ) کو غیر اخلاقی اسکینڈلز کے جال میں پھنسایا جائے تاکہ ان کے مستقبل کے فیصلوں کو کنٹرول میں رکھا جا سکے۔ لیکن اس سب کا ہدف ابتدا اور انتہا دونوں میں، وہ عام انسان اور سادہ لوح عوام ہیں جو فیصلہ سازی سے دور ہیں اور جنہیں جدید ریاست اپنے اداروں اور وسائل کے ذریعے غلام بنا لیتی ہے۔ ہم پورے یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ انسانی ذہن ان میں سے بہت سے گھناؤنے جرائم کا تصور بھی نہیں کر سکتا، لیکن جہاد کے راستے پر نکلنے والے، جو ظلم کے خلاف کھڑے ہوئے اور جلاوطن کیے گئے، انہیں اس حقیقت کا مکمل ادراک ہے اور اس کے علاوہ دنیا بھر میں ظالموں کی جیلوں میں ظلم و ستم کا شکار وہ کمزور لوگ جن پر وحشیانہ مظالم ڈھائے گئے، وہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے ممالک کے بہت سے حکمرانوں کو کرائے گئے ان اپسٹینی تربیتی کورسز کا ایک عظیم اثر عوامی آزادی اور تبدیلی کی جدوجہد پر پڑتا ہے۔ مصر میں رابعہ کا میدان، سوڈان کا شہر الفاشر، شام کی جیل صیدنایا اور غزہ میں ہونے والی حالیہ نسل کشی، جن میں نہ صرف ہسپتالوں میں دودھ پیتے بچے کو شہید کیا گیا، بلکہ ماؤں کے پیٹ میں موجود بچوں کو بھی شہید کیا گیا۔ یہ تمام ان جیسے دیگر واقعات، یہ سب کچھ ان اپسٹینی تربیتی کورسز کے عملی مظاہر ہیں۔

یہاں جن امور پر بہت زیادہ توجہ دینا، نہایت باریکی سے غور کرنا اور گہرائی سے فکر کرنا ضروری ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپسٹین کی دستاویزات میں آنے والے زیادہ تر نام اس اشرافیہ (اسٹیبلشمنٹ) سے تعلق رکھتے ہیں جو دنیا بھر کے بہت سے ممالک اور اقوام پر بے پناہ اثر و رسوخ اور بڑی طاقت رکھتے ہیں۔ بطور مثال صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ایک بدکار شیطان ٹام باراک (Tom Barrack) کے پاس پورے بلادِ شام پر زبردست اثر و رسوخ اور اختیار ہے اور اس کے ہاتھ میں خطے کے کئی ممالک جیسے شام، لبنان اور عراق اور ان کے عوام کی سمت اور تقدیر کا تعین ہے، وہی ان کا اصل حاکم ہے اور ان کی پالیسیوں کی تشکیل اور فیصلوں پر کنٹرول کرنے والی سب سے بااثر شخصیت ہے۔ یہ شیطان ٹام باراک (Tom Barrack) ہلاک شدہ جیفری اپسٹین کے قریب ترین دوستوں میں سے تھا اور اس کے انتہائی قریبی حلقے میں شامل تھا، جیسا کہ لیک شدہ دستاویزات ہمیں بتاتی ہیں کہ وہ اس کا گہرا دوست تھا۔ یہ حقیقت ہمیں پچھلی دہائی کے دوران شام میں ہماری سینکڑوں معصوم کمسن بیٹیوں کے لاپتہ ہونے کے کچھ راز سمجھا سکتی ہے۔ آج تک ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ انہیں کس نے اغوا کیا تھا؟ شاید یہ دستاویزات ہمیں اور ان کے مصیبت زدہ خاندانوں کو ان کے انجام کے بارے میں کچھ بتا سکیں۔ حال ہی میں اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کی تنظیموں کی رپورٹس نے اشارہ دیا ہے کہ اغواشدہ بہت سی کم عمر لڑکیوں کو شمالی شام سے لاجسٹکس کمپنی دبئی پورٹس ورلڈ کے ذریعے نامعلوم مقامات پر منتقل کیا گیا اور اپسٹین فائلز اس کمپنی کے ڈائریکٹر اور ہلاک شدہ جیفری اپسٹین کے درمیان گہرے تعلق کو بے نقاب کرتی ہیں۔ لہٰذا آج ہم پر لازم ہے کہ ہم اور شام میں ہمارے بھائی اس معاملے پر نہایت گہری تحقیقات کریں اور ان عناصر کے بارے میں تحقیق کریں جو ہماری شامی بیٹیوں

کی جاری انسانی اسمگلنگ اور خرید و فروخت میں ملوث ہیں، اور ہم صرف اللہ ہی سے فریاد کرتے ہیں۔

ہم مخلصانہ نصیحت کرنے کے فریضے کے تحت اپنی امت اور دنیا بھر کی اقوام کو اجتماعی طور پر کہتے ہیں کہ ہم سب آج ایک ایسے سیارے پر زندگی گزار رہے ہیں جو اپنی اصل حقیقت میں ایک بڑا ایپسٹین جزیرہ ہے، لہٰذا ہر غیرت مند مسلمان کو بلکہ ہر اس انسان کو جسے اپنی جان، اپنے اہل و عیال اور اپنے خاندان کی فکر ہے، اسے اپنے انجام اور اپنے خاندان کے انجام بلکہ پوری انسانیت کے انجام پر خطرے اور تشویش کا احساس ہونا چاہیے، خاص طور پر اس عالمی ایپسٹینی نظام کی بالادستی کے سائے میں اور بیمار و پست قسم کے شیطانی لیڈروں کی حکمرانی کے تحت جو اس پر اور اس کی جنسِ انسانی پر مسلط ہے اور جدید دنیا پر قابض ہیں۔

بے شک عالمی ایپسٹینی نظام، اپنے انتہائی پست، گرے ہوئے اور انسانی اقدار کے لحاظ سے سب سے زیادہ سنگ دل نمونوں کے ساتھ، طغیان و معصیت کی سب سے بڑی مثال اور طاغوت کی سب سے مشہور تعریف ہے۔ اس بین الاقوامی ایپسٹینی نظام کے لیڈر اور اس شیطانی گروہ کے چہرے اپنی شیطانی رسومات کی حقیقت میں اس مصیبت زدہ سیارے پر انسانیت کے خلاف نسل کشی کا عمل انجام دیتے رہے ہیں اور اب بھی دے رہے ہیں۔ ان کا مطلوبہ ہدف انسانی معاشروں کو انسانی شناخت، فطرت، اخلاقی اقدار اور ترقیاتی صلاحیتوں سے خالی کرنا اور انسانی مجموعے کو ایسے حیوانی درندوں کے گروہ میں تبدیل کرنا ہے جو اپنی شہوانی لذتوں کی تسکین کے پیاسے ہوں، خون بہانے اور انسانوں کا گوشت تک کھانے پر آمادہ ہوں، یہاں تک کہ وہ پوری طرح شیطانِ رجیم کی غلامی میں داخل ہو جائیں۔

ہمیں امریکی محکمۂ انصاف کی جانب سے ایپسٹین فائلوں کے انکشاف کے ایک اہم مقصد کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، یہ مقصد ان لوگوں کے ارادے کو توڑنا ہے جو آزادی اور تبدیلی چاہتے ہیں اور ان کے انسانی جذبات کو صدمے (Shock) کی اسٹریٹجی کے ذریعے تباہ کرنا ہے تاکہ دنیا کے لوگوں کو ڈرا کر کسی بھی تبدیلی کی کوشش سے خوفزدہ اور دہشت زدہ کیا جا سکے، خاص طور پر اس وقت جب ان میں سے بہت سے لوگ عزت کی سرزمین غزہ میں خواتین اور بچوں کے خلاف مظالم کی ویڈیوز کے نتیجے میں فلسطینی مقصد کی حمایت میں سامنے آئے ہیں، اور اس کے باعث، ہم عالمی صہیونی-صلیبی نظام کا گھناؤنا چہرہ مکمل بے نقاب ہو گیا ہے جو بربریت اور نازی ازم سے کہیں زیادہ وحشیانہ ہے، بلکہ اس نوع کا گھناؤنا پن ہے جس کا ہم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا، ایسا کچھ نہیں دیکھا تھا جو کرۂ ارض پر اس قسم کے انحطاط کا عکاس ہو اور جس میں انسانیت کے خلاف اتنے سنگین جرائم کا ارتکاب کیا گیا ہو کہ انسان تو چھوڑیے مصنوعی ذہانت بھی ان جرائم کا تصور نہیں کر سکتی۔ اس لیے، مستقبل قریب میں ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ دنیا کی جغرافیائی سیاست میں ایک شدید زلزلہ آئے گا اور اس سے کہیں زیادہ شدید معاشی ابتری بھی پیدا ہو گی جس کا ہم آج مشاہدہ کر رہے ہیں، جو ساری دنیا کو عدم استحکام اور افراتفری کی حالت میں دھکیل دے گی۔ یہ بھی غیر حقیقی نہیں کہ ہم اس فرسودہ بین الاقوامی نظام کے لیڈروں کے خلاف بڑے پیمانے پر ایک عالمی بغاوت دیکھیں اور اُس وقت دنیا کی کوئی فوج عوام کی بغاوتوں کو کسی بھی اسلحے اور کسی بھی طریقے سے روک نہیں سکے گی۔ پس ان جرائم کا اصلی مجرم امریکہ اور اسرائیل کی قیادت میں صہیونی صلیبی اتحاد ہے۔ لہٰذا یہ فرض ہم پر اور کرہ ارض کے تمام باشندوں پر عائد ہوتا ہے کہ ہم اس سفاک ایپسٹینی درندے کے خلاف لڑیں جو صہیونی صلیبی عالمی اتحاد کی شکل میں موجود ہے، ان زوال پذیر پست انسانوں کے خلاف جہاد کرنا ہی انسانیت کے تقدس کی حفاظت اور مظلوموں کی حمایت کا واحد راستہ ہے۔ ہم یہ بات پورے اعتماد و یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں اسلامی جہادی ہراول دستے ہی تہذیب کا پرچم اٹھائے ہوئے ہیں اور ان جہادی تحریکوں کے ابطال، ایپسٹین فائلوں میں آنے والے انکشافات سے نہ تو حیران ہیں اور نہ ہی صدمے کا شکار ہیں، کیونکہ وہ یقین رکھتے ہیں اور انہیں اس بات کا پختہ علم ہے کہ یہ عالمی ایپسٹینی نظام اخلاقی طور پر فاسد اور اقدار کے لحاظ سے تباہ ہو چکا ہے اور ان دستاویزات کا انکشاف اور ان کی رازداری کا خاتمہ اس زوال پذیر حیوانی نظام کے بہت سے پردوں میں سے صرف ایک پردہ تھا۔

باخبر اور بیدار رہنے والا چاہے جتنا بھی پڑھے اور مطالعہ کرے، وہ ایپسٹینی لوگوں اور اس کی قوم کی اس سے زیادہ سچی تصویر نہیں پائے گا جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝ (سورة الفرقان: ۴۴)

”یا تمہارا خیال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ نہیں! ان کی مثال تو بس چوپائیوں کی سی ہے، بلکہ یہ ان سے زیادہ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔“

لہٰذا آج یہ کہنا اور اس پر زور دینا ضروری ہے کہ مغربی تہذیب حقیقتاً اسی وقت تباہ ہو گئی تھی جب اس کے اندر اخلاقی اقدار اور انسانی اصول منہدم ہو گئے تھے، کیونکہ اقوام کی زندگی کا معیار ان کے اخلاق سے ہوتا ہے، امیر الشعراء شوقی نے سچ کہا ہے:

قومیں تو اخلاق سے باقی رہتی ہیں
اگر ان کے اخلاق مٹ جائیں تو وہ بھی مٹ جاتی ہیں

بلاشبہ مغربی تہذیب کی باطل اور جعلی اقدار منہدم ہو چکی ہیں اور جلد ہی ان کے تمام مغربی نظریات جیسے جمہوریت، سیکولرازم، لبرل ازم اور گلوبلائزیشن بھی اسی زوال کا شکار ہوں گے اور اہلِ مغرب (Westerners) خود کو وجودی بحرانوں (Existential Crisis) کی ایک چونکا دینے والی اور گھٹن زدہ بھول بھلیوں میں پائیں گے، خصوصاً اس لیے کہ وہ آج نہ صرف غزہ کی سرزمین میں ہونے والے ہمارے معزز لوگوں کا قتلِ عام دیکھ رہے ہیں، بلکہ وہ اپنی ہی کم عمر لڑکیوں کی عصمت دری اور اپنے ہی بچوں کے گوشت کو اپنے لیڈروں کی میزوں پر پکائے جانے کے مناظر بھی دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے ہم بعید نہیں سمجھتے کہ اہلِ مغرب پر ایپسٹین فائلوں کے نتائج و اثرات ایک ایسے عظیم سیلاب کی صورت اختیار کریں

جو اپنے پھیلاؤ اور اپنے بہاؤ میں سیاسی اور سماجی تمام سطحوں پر، طوفان الاقصیٰ سے بھی زیادہ شدید ہو۔ اہلِ مغرب بالخصوص امریکیوں میں لامحالہ ایک گہرا شناختی بحران جنم لے گا جس سے نجات آسمانی وحی کی پیروی کے سوا ممکن نہ ہو گی۔

یقیناً ایپسٹین فائلز کی وجہ سے مغربی و عالمی نفرت اور انسانیت کا اضطراب عالمی شعور میں اتنی گہری سطح تک پہنچ چکا ہے کہ یہ ہر اس انسان کو متاثر کرتا ہے جس کی فطرت اور ضمیر زندہ ہے۔ اس لئے اہلِ مغرب کو سمجھنا چاہیے کہ ان کے لیڈروں کی حقیقت صرف جھوٹے نبیوں کی سی ہے جن کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہیں قتل اور ذبح کیا جائے جیسا کہ یوحنا کی انجیل اور عہد نامۂ قدیم میں آیا ہے۔ اہلِ مغرب امریکی جمہوریت کے شیطانی درخت کے سڑے ہوئے پھل کا سامنا کر رہے ہیں، اور اللہ سے سچا کون ہے جو فرماتا ہے:

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ ۝ (سورۃ ابراہیم:۲۶)

”اور ناپاک کلمے کی مثال ایک خراب درخت کی طرح ہے جسے زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے، اس میں ذرا بھی جماؤ نہ ہو۔“

یقیناً اللہ تعالیٰ پر ایمان، اہلِ ایمان کے نفس پر حکمرانی کرتا ہے، کیونکہ ایمان ان میں وہ اقدار پیدا کرتا ہے جو نفس اور ذہن پر قابو پانے اور اصولوں کو نافذ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ لہٰذا ایمان، انسانی تعامل اور رویے کو قابو میں رکھتا ہے تاکہ وہ حیوانیت اور لامتناہی خواہشات کے اندھے گڑھے میں نہ جا گرے۔ پس اہلِ ایمان کے یہاں شیطان مردود کی عبادت و غلامی کا تو تصور ہی محال ہے۔ اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کی تقدیس بیان کرنے اور اللہ پر پختہ ایمان رکھنے پر زور دیتے ہیں، انسانیت کا احترام کرتے ہیں، آسمانی اخلاقی اقدار کی پاسداری کرتے ہیں، شجاعت، سخاوت اور مردانگی کی اہمیت پر زور دیتے ہیں تاکہ انسان کو گہرے عذاب کے گڑھوں میں گرنے سے روکا جاسکے۔ مجاہدین غیبی وحی کی طرف رجوع اور اللہ کی حدود پر عمل کرنے اور اس پر قائم رہنے کی تاکید کرتے ہیں جس کا احترام، انسان تو کجا، درختوں اور پتھروں تک کے معاملے میں ہونا چاہیے۔

بے شک اہلِ جہاد ہی انسانیت و بشریت کا وہ ہراول دستہ ہیں جو اس پستی و زوال سے انسانی شرافت کی حفاظت کے لیے لڑتے اور مزاحمت کرتے ہیں اور بلا مبالغہ وہی انسانیت کی آخری امید ہیں کہ اسے اس شیطانی انحطاط سے نجات دلائیں۔ مجاہدین اب بھی کائنات کی حفاظت اور اس کی انسانیت اور اخلاقی اقدار کی بقا کے لیے لڑ رہے ہیں، وہ امن اور جنگ دونوں میں مستقل اعلیٰ اقدار کے حامل ہیں، اور وہی اس غلیظ جمہوریت اور صہیونی صلیبی انحطاط و زوال سے انسانیت اور تمام بنی نوع انسان کے ضامن و محافظ ہیں۔ آج وہ یہاں اعلان کر رہے ہیں جبکہ وہ قریبی جگہ سے پس پردہ پکارتے رہے ہیں کہ مغرب مکمل طور پر سقوط کر چکا ہے، نہ تو ٹرمپ اور اس کے انجیلی (Evangelical) ریپبلکن پیروکاروں پر کوئی اعتماد باقی رہا ہے، نہ ہی ڈیموکریٹس کے شیطانی سرداروں پر۔ یہ صہیونی صلیبی مغرب ایک اور بحران میں مبتلا ہے جو شدت اور پیچیدگی کی انتہا کو پہنچ چکا ہے، اس وقت جب زیادہ تر امریکی بیڑے اور اس کی ضرب لگانے والی قوت ہماری اسلامی دنیا کا محاصرہ کیے ہوئے ہے، اس کا داخلی مرکز اور اندرونی عوامی حمایت سب کے سامنے بے نقاب ہو چکی ہے اور اپنے ہی اندر یکسر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ پس امریکہ کے پاس اپنے اندرونی بحرانوں سے نمٹنے کا کوئی راستہ نہیں بچا سوائے اُس پرانے طریقے کے جو امریکہ کی تاریخ میں کامیاب رہا ہے کہ وہ اندرونی بحران کے مواقع پر اپنی جنگوں کو بیرون ملک برآمد کرتا ہے۔ بلا مبالغہ یہ سب سے بڑا شناختی بحران ہے جس کا سامنا امریکہ کر رہا ہے، جہاں وہ اپنی آنکھوں سے اپنی اقدار کا انہدام، اپنے لیڈروں کی بدعنوانی، اپنے نظریات کا زوال، اپنی پست مکروہ حقیقت اور گندے واقعے کا پوری دنیا کے سامنے انکشاف دیکھ رہا ہے، علاوہ ازیں بچوں کی عصمت دری اور اپنے ہی بچوں کا گوشت کاٹنا اور کھانا وغیرہ۔ حقیقتاً اب انہیں کوئی راستہ نہیں ملے گا مگر یہ کہ وہ اپنے نفوس میں فطرت کو دوبارہ بحال کریں، اور اللہ کی رسی کو پکڑ لیں، کیونکہ جو بھی اللہ کی رسی کو پکڑ لیتا ہے وہ اس کی حفاظت، امان اور اس کے قلعے میں ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی نہیں چھوڑتا، چاہے وہ مومن ہوں یا کافر۔ وہی ہے جس نے انہیں وحی کے ذریعے ہدایت دی اور اب بھی انہیں بلاتا اور عزیز و حمید کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (سورۃ الکہف:۲۹)

”اب جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔“

لہٰذا ہم مغرب سے یہ بات بالکل صاف صاف الفاظ میں کہتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ (سورۃ الذاریات:۵۰،۵۱)

لہٰذا دوڑو اللہ کی طرف، یقین جانو، میں اس کی طرف سے تمہارے لیے صاف صاف خبردار کرنے والا (بن کر آیا) ہوں۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بناؤ۔ یقین جانو میں اس کی طرف سے تمہارے لیے صاف صاف خبردار کرنے والا (بن کر آیا) ہوں۔

اور جہاں تک ہماری امتِ مسلمہ کا تعلق ہے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ آج مغربی اقدار کی حقیقت، مغربی تہذیب کے مستقبل اور زوال پذیر عالمی نظام کے بارے میں ایک مکمل، جامع اور درست تصور اپنائے۔ اور اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ وہ دنیا بھر کے لیڈروں اور اسلامی دنیا کے نام نہاد حکمرانوں کی حقیقت کو سمجھے، کیونکہ ان میں سے اکثر لیڈر اور حکمران ہلاک شدہ ایپسٹین کے دوست ہیں۔ ہم نے گزشتہ دہائیوں میں امتِ مسلمہ کے خلاف ان ظالم مجرم حکمرانوں کی جنگوں کا مشاہدہ کیا ہے، جو کچھ ہم نے امتِ مسلمہ کی عرب بہار کے خلاف ردِ انقلاب میں دیکھا، اور جو کچھ ہم اب بھی سوڈان، فلسطین، مصر، امارات، سعودیہ، یمن اور دیگر مقامات پر اپنے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ قتل، خرابی، عصمت دری اور غارت گری کے حوالے سے دیکھ رہے ہیں، یہ سب ایپسٹین کے جزیرے پر بنائے گئے

منصوبوں اور حاصل کی گئی تربیت کے تحت ہوا ہے، جہاں لیڈروں کو اکٹھا کیا گیا، اتحاد بنائے گئے، ان کی کوششوں کو یکجا کیا گیا اور ان کے مشترکہ دشمن یعنی اسلام کے ہر پہلو اور ہر شکل کے خلاف ان کے مشن تقسیم کیے گئے۔

اور بلاشبہ ان رسوا کن ایپسٹین فائلوں کے طوفان کا مقابلہ ان شاء اللہ طوفان الاقصیٰ کے ساتھ ہو گا، جو "لوگوں کی اُس رسی" (حبل الناس) کو کاٹ دے گا جس سے ابھی تک صہیونی اور ان کے اتحادی خوراک لیتے رہے ہیں اور قوت حاصل کرتے آئے ہیں۔ اس وقت صہیونی خود کو امتِ مسلمہ بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ ایک بڑے تصادم میں پائیں گے، کیونکہ ان فائلوں کا انکشاف دراصل اُس آخری پردے کے ہٹنے کے مترادف ہے جس کے پیچھے عالمی ایپسٹینی نظام اور اس کے مغربی، مشرقی اور علاقائی تمام پہلوؤں نے خود کو چھپایا ہوا تھا۔ ان نظاموں میں آنے والا عدم استحکام، زمین کی ساخت میں ایک عظیم بنیادی انقلاب اور گہری تبدیلیوں کا باعث بنے گا، اور ان شاء اللہ آنے والے خلا کو صرف اسلام اور آسمانی وحی ہی پُر کرے گی، جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا:

لَيَبْلُغَنَّ هَذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ، وَلَا يَتْرُكُ اللهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ هَذَا الدِّينَ بِعِزِّ عَزِيزٍ، أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ، عِزًّا يُعِزُّ اللهُ بِهِ الْإِسْلَامَ، وَذُلًّا يُذِلُّ اللهُ بِهِ الْكُفْرَ۔

"یہ معاملہ (اسلام) وہاں تک پہنچے گا جہاں دن اور رات پہنچتے ہیں اور اللہ نہ کسی کچے گھر کو چھوڑے گا نہ کسی خیمے کو مگر اللہ اسے اس دین میں داخل کرے گا، یا تو عزت والے کی عزت کے ساتھ یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ۔ عزت، جس کے ذریعے اللہ اسلام کے ساتھ عزت دیتا ہے، اور ذلت، جس کے ذریعے اللہ کفر کے ساتھ ذلیل کرتا ہے۔"

لوگوں نے دنیا کے ان ذلیل لیڈروں پر اعتماد کیا لیکن انسانیت اور پوری بشریت کو اس وقت شدید صدمہ پہنچا جب شیطانی ایپسٹین فائلوں کا انکشاف ہوا، یہ لوگوں کی خام خیالی تھی کہ ہمارے لیڈر اگر بدتر بھی ہوں تو ملک و قوم کے خیر خواہ ضرور ہیں اور کم از کم انسانی برادری کا حصہ ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ وہ تو دراصل ایپسٹینی قوم کے وفادار ہیں اور شیطانوں کے سربراہوں کا حصہ ہیں!

بے شک صاحبانِ بصیرت کو یہ انکشافات اس تناظر میں پڑھنے چاہییں کہ یہ قرآن میں ذکر شدہ مستقبل کے راستے کا حصہ ہیں:

لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ (الاسراء:۸)

"تمہارے چہروں کو بگاڑنے کے لیے۔"

پس یہ آنے والا مستقبل ہے جو لازماً صہیونیوں صلیبیوں کے پیچھے آئے گا۔ کیونکہ یہ انکشافات اعتقادات میں بدل جائیں گے، پھر اعتقادات افکار میں، اور افکار ایک بھڑکتے ہوئے انقلاب اور بے رحم طوفانی رویّے میں تبدیل ہو جائیں گے جو ایپسٹین کی قوم، اس کے لوگوں اور اس کی سرزمین کے ساتھ کوئی نرمی نہیں برتیں گے۔ کیونکہ آج مغرب کی قوموں نے فطرت کے مطابق بات کی ہے اور جب فطرت بولتی ہے تو وہ کھلی سچائی ہی بولتی ہے، کیونکہ مضبوط معرفت اور صحیح علم وحی سے پیدا ہوتا ہے اور وہ فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کے موافق ہوتا ہے۔

امتِ مسلمہ پر لازم ہے کہ وہ قرآن اور ایپسٹینی قوم کے ساتھ تنازع کی بنیاد کو یاد رکھے، امت کو شیطان کے دوستوں کے ساتھ تصادم کی نوعیت کو سمجھنا چاہیے۔ اس شیطانی قوم کے ساتھ ہماری جنگ اور جھگڑے کی اصل غیب پر مبنی (یعنی روحانی) ہے نہ کہ دنیاوی، اس لیے ہمیں آسمان سے اسٹریٹیجک جہاد کی ہدایت ملی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ (سورۃ فاطر:۶)

"یقین جانو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس لیے اس کو دشمن ہی سمجھتے رہو۔"

یہ ربانی عسکری ہدایت نہ تو بھولنی چاہیے اور نہ ہی نظر انداز کرنی چاہیے، کیونکہ یہ اس ناپاک شیطانی قوم کے ساتھ ہماری کائناتی اور وجودی جنگ کی بنیاد اور اصل ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم میں سے کچھ لوگ جو کبھی اللہ کی راہ میں جہاد کے میدان میں تھے، آج وہ صراطِ مستقیم سے منحرف ہو چکے ہیں اور اپنے تعلقات کو شیطان کے ساتھ اتحاد اور مضبوط اسٹریٹیجک شراکت داری میں بدل چکے ہیں۔ جہاں شیطان چودہ سو سال قبل دہشت گردی کے خلاف جنگ کی پہلی کانفرنس میں ایک نجدی شیخ کے روپ میں نمودار ہوا تھا، آج شیطان ہر ہفتے ایک مغربی شیخ کی صورت میں خطے کا دورہ کرتا ہے جس کا نام "ٹام باراک" ہے۔ تو کیا ہم اس سے بچ کر نکل سکتے ہیں؟!

اے اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو فتح دے، اور اپنے مومنین دوستوں کو عزت عطا فرما۔ آمین آمین، والحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: کفار کا معاشی بائیکاٹ

صنعتی ٹیکنالوجی پر کم انحصار کرنا ماحول کے لیے بھی فائدہ مند ہے، کیونکہ یہ ہوا اور زیرِ زمین پانی کے ذخائر میں داخل ہونے والے زہریلے مادوں کی مقدار کو کم کرتا ہے۔ مغربی ادویات کے استعمال میں کمی بھی بالعموم معاشرے کے لیے فائدہ مند ہے، کیونکہ ڈپریشن اور مانع حمل ادویات جیسی دوائیں مغربی اور مغربیت زدہ ممالک میں پانی کے ذخائر تک جا پہنچتی ہیں۔

ان تمام فوائد کو اس وقت مدِ نظر رکھنا چاہیے جب ہمیں صہیونیت زدہ عالمی اقتصادی نظام میں شرکت کم کرنے کے مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

قسط ۱۲

مدرسہ ومبارزہ

مدارس اور دینی جدوجہد کی تحریک

مولوی عبدالهادی مجاهد

زیرِ نظر تحریر افغانستان سے تعلق رکھنے والے عالم، داعی اور فکری جنگ پر دقیق نظر رکھنے والے مفکر فضیلۃ الشیخ مولوی عبد الہادی مجاہد (دامت برکاتہم) کی پشتو تصنیف 'مدرسه او مبارزه' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر افغانستان میں مدارس اور دینی تعلیم کے نظام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے، لیکن کتاب میں بیان کی گئی امت مسلمہ کی حالت اور اس حوالے سے جو مطالبہ ایک افغان عالم اور مدرسے سے کیا گیا ہے وہ در حقیقت باقی عالمِ اسلام کے علماء اور مدارس سے زیادہ مطلوب ہے۔ اس لیے کہ افغانستان میں تو آج ایک شرعی و اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے جبکہ باقی عالَمِ اسلام اس سے کہیں پیچھے ہے۔ اس کتاب کے اصل مخاطبین علماء و طلبہ ہیں جن کی تاریخ بالاکوٹ، شاملی، صادق پور اور دیوبند کے پہاڑوں، دروں، میدانوں اور مساجد و مدارس کے در و دیوار پر نوشتہ ہے! ومن الله التوفيق! (ادارہ)

باب ہفتم: دینی تعلیم و تدریس کے بنیادی و حقیقی مقاصد

دینی تعلیم کس لیے؟

اگر مدارس میں عالم اور طالبِ علم کے سامنے دینی علم حاصل کرنے کے حقیقی مقاصد واضح نہ کیے جائیں تو اندیشہ ہے کہ یہ عظیم اور بابرکت علم جو اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے، بہت معمولی اور سطحی مقاصد کے حصول کے لیے استعمال ہونے لگے، اور اس کے حامل افراد بھی معمولی کاموں میں مشغول ہو کر چھوٹے اہداف اور محدود کامیابیوں پر ہی قناعت کر لیں۔

اسی لیے، اس غرض سے کہ اہلِ مدارس کو دینی تعلیم و تدریس کے بلند مقاصد اور اس کے صحیح استعمال کی طرف مزید متوجہ کیا جائے، میں اس موضوع پر چند اہم اور اسٹریٹجک نکات پیش کرتا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ ہم سب اس فکر میں لگ جائیں کہ دینی تعلیم کو کس طرح اس انداز میں منظم اور فعال بنایا جائے کہ اس کا نتیجہ حقیقی معنوں میں ایسے باعلم علماء کی تیاری کی صورت میں نکلے جو اسلام کو صحیح طور پر سمجھتے ہوں، معاشرے میں دینِ الٰہی کی اشاعت کریں، ایک حقیقی، خود کفیل اسلامی معاشرہ قائم کریں، اسلامی نظام کے قیام اور اس کے دوام میں کردار ادا کریں، اور نفاذِ شریعت کو موجودہ حالات میں ممکن بنائیں۔

علم اور تعلیم کے بارے میں گفتگو دو طرح کی ہوتی ہے:

۱. تکنیکی اور وسائل سے متعلق گفتگو
۲. اسٹریٹجک اور بامقصد گفتگو

تکنیکی گفتگو سے مراد یہ ہے کہ تعلیم کا معیار کیسا ہو گا؟ نصاب، نظامِ تدریس اور اس کے طریقہ کار کیا ہوں گے؟ امتحانات اور جانچ کا نظام کس طرح ہو گا؟ طلبہ کو سمجھانے کے لیے کن وسائل اور طریقوں کا استعمال کیا جائے گا؟ تعلیمی عمل میں پیش آنے والی مشکلات کو کیسے حل کیا جائے گا؟ وغیرہ۔

جبکہ اسٹریٹجک گفتگو سے یہاں مراد یہ ہے کہ ہم تعلیم کے ذریعے ایسا کیا کچھ کر سکتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں ایک مضبوط اور بامقصد نظام تشکیل پا سکے، اپنے جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کا تحفظ اسی کے ذریعے یقینی بنائیں، دشمن پر غلبہ اسی کے ذریعے حاصل کریں، اسی کے ذریعے معاشرے میں مثبت تبدیلی لائیں، دشمن کے ان منفی اثرات کا سدِّباب کریں جو افراد اور مجموعی طور پر معاشرے پر پڑ رہے ہیں۔ اسلامی نظام کا قیام اسی کے ذریعے عمل میں لائیں، اسی کے وسیلے سے آزادی حاصل کریں اور پھر اسے برقرار بھی رکھیں، اپنی دینی و ملی شناخت کو اسی کے ذریعے محفوظ رکھیں، اور بالآخر اس کی برکت سے اغیار کی تہذیبوں اور ثقافتوں میں ضم ہونے سے بچ جائیں۔

ہم سب کو اس بارے میں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ ہم تعلیم کے ساتھ ایسا کیا طرزِ عمل اختیار کریں جو ہمیں ضعفِ علم و عمل سے محفوظ رکھے، اور ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم نہ صرف معاشرے کو زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی بنا سکیں بلکہ اسے امت اور اپنی ملت کی قوت کا ذریعہ بھی بنائیں، اور ان کمزوریوں کا ازالہ بھی کریں جن کی وجہ سے اکثر منبر و محراب، قیادت اور سیادت کے اہل افراد کو زندانوں، غاروں، جنگلوں، پہاڑوں یا جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سورۃ الجمعہ کی دوسری آیت میں رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت اور رسالت کے مقاصد کو بیان فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کو ایک ایسی امی (ناخواندہ) قوم کی طرف بھیجا گیا جو دیگر اقوام کی طرح مہذب نہ تھی، تاکہ آپ انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنائیں، دین اور اس کے احکام سکھائیں، اور ان کے نفوس کا تزکیہ کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ ٭ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۝ (سورة الجمعة:۲)

”وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں اور ان کو پاکیزہ بنائیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔“

ان مقاصد پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی ہدف معاشروں میں خیر کی تبدیلی لانا ہے۔ جتنے بھی انبیاء علیہم السلام، اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے، وہ صرف صالح افراد کے طور پر نہیں بلکہ صالح اور مصلح دونوں حیثیتوں سے بھیجے گئے۔

باطل کے پیروکاروں کی دشمنی صالح لوگوں کے ساتھ زیادہ شدید نہیں ہوتی، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح افراد زیادہ تر اپنی ذاتی اصلاح تک محدود رہتے ہیں اور دوسروں پر زیادہ اثرانداز نہیں ہوتے۔ لیکن جب یہی صالح افراد مصلح بن جاتے ہیں تو باطل کے علمبردار ان کے مقابلے میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر، اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ بعثت سے پہلے ایک نہایت صالح شخصیت تھے۔ مکہ کے مشرکین آپ کی دیانت و صداقت کے معترف تھے، آپ کو ”صادق“ اور ”امین“ کے القابات سے یاد کرتے اور آپ کے اعلیٰ اخلاق کی گواہی دیتے تھے۔ لیکن جب آپ ﷺ نے نبوت کے بعد اللہ کے حکم سے اصلاحِ معاشرہ کا کام شروع کیا اور عقائد و اخلاق کی ہر قسم کی خرابی کا مقابلہ کیا، تو وہی لوگ جو پہلے آپ کی تعریف کرتے تھے، آپ کے سخت ترین دشمن بن کر سامنے آگئے۔

باطل کے پیروکار ایک مصلح انسان سے اس لیے خوف زدہ رہتے ہیں اور اس کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں کہ اس کی فکر، دعوت، عمل اور اجتماعی تحریک سے ان کا جابرانہ اقتدار متاثر ہوتا ہے۔ ان کا وہ باطل دین اور ثقافت، جس کے ذریعے وہ لوگوں کو مصروف رکھتے ہیں، ختم ہونے لگتی ہے، اور وہ اقوام جنہیں انہوں نے اپنے لیے لشکر اور رعیت بنا رکھا ہوتا ہے، اب ان کے احکام ماننے سے انکار کر دیتی ہیں۔ بلکہ وہ حق کی پیروی شروع کر دیتی ہیں اور ان کے خلاف صف آراء ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مصلح کی سرگرمیاں باطل کے پیروکاروں پر نہایت گراں گزرتی ہیں اور وہ ہر سطح پر اس کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام، علماء اور داعیانِ دین کا کام صرف یہ نہیں کہ وہ خود صالح ہوں، بلکہ ان کا منصب یہ ہے کہ وہ صالح بھی ہوں اور مصلح بھی، اور معاشرے میں اصلاح کا فریضہ انجام دیں۔ وہ نہ صرف انسانوں کو باطل اور شیطان کی پیروی سے روکتے ہیں بلکہ انہیں حق کی حمایت کے لیے تیار کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ایک ایسی داعی امت اور مضبوط جماعت تشکیل دیتے ہیں جو ایک طرف اسلام کی دعوت کو عام کرے اور دوسری طرف میدانِ عمل میں باطل کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ بھی کرے۔

علماء کی ذمہ داری کا وسیع دائرہ

رسول اللہ ﷺ کی بعثت پر جب انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ ختم ہو گیا تو لوگوں کی اصلاح، باطل کی روک تھام، امت کی اجتماعی، فکری، سیاسی، دینی اور اخلاقی رہنمائی، اور مسلمانوں کی دینی شناخت کے تحفظ کی ذمہ داری علمائے کرام کے سپرد ہو گئی۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ العُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا العِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَ بِهِ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ[1]

”بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء نے نہ دینار وراثت میں چھوڑے ہیں نہ درہم، بلکہ انہوں نے اپنی میراث میں علم چھوڑا ہے، پس جس نے اسے حاصل کیا اس نے بڑا حصہ پایا۔“

علماء کا انبیاء علیہم السلام کا وارث ہونا صرف نماز کی امامت یا دینی تعلیم تک محدود نہیں، بلکہ نبوت کے درجے کے سوا امت کی تمام قائدانہ ذمہ داریوں میں وہ انبیاء کے جانشین ہیں۔ اور جس طرح انبیاء علیہم السلام اشرف المخلوقات ہیں، اسی نسبت سے علماء کو بھی اپنے اندر اعلیٰ صلاحیتیں اور بہترین اوصاف پیدا کرنے چاہئیں، تاکہ وہ اپنی معاشرت میں ایسا اثر رکھ سکیں کہ انہیں اپنے معاشرے کے بہترین افراد میں شمار کیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام کی زندگی، طریقِ کار اور ذمہ داریوں پر غور کرنے کے بعد انسان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ حضرات صرف اللہ کے پیغام کی تبلیغ اور وضاحت ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ ایسے عملی اقدامات بھی کرتے تھے جن کے ذریعے آسمان سے نازل ہونے والے احکام اور مفاہیم محض نظریات کی حد تک محدود نہ رہیں، بلکہ عملی صورت اختیار کریں اور ایک مکمل نظام کی شکل میں ظاہر ہوں۔ یعنی وہ علم کو عمل میں ڈھالتے، عمل کے ذریعے نظام قائم کرتے، اور وہ نظام لوگوں کی زندگیوں کو منظم کرتا، دین کو نافذ کرتا، دعوت کے لیے فضا ہموار کرتا اور فساد کا سدِّباب کرتا تھا۔

مدارس اور مساجد میں علمی سرگرمیوں سے وابستہ افراد اگر انبیاء علیہم السلام کے اس طرزِ عمل کو سمجھ لیں کہ وہ اپنے علم کو کس طرح بروئے کار لاتے تھے، تو اس ادراک سے ان کے اندر یہ شعور پیدا ہو گا کہ محض کتاب پڑھنا اور پڑھانا ہی علماء کی ذمہ داری نہیں، بلکہ دعوت، جدوجہد، جہاد، شرعی و سیاسی سرگرمی، معاشرتی اصلاح، اپنے زمانے کے مسائل کا فہم، اور

---

[1] حديث صحيح أخرجه أبو داود(٣٦٤١) والترمذي (٢٦٨٢) وابن ماجة (٢٢٣) واللفظ له و أحمد (٢١٧١٥).

پھر ان کا حل شریعت کے اصولوں کی روشنی میں پیش کرنا بھی علماء کے فرائض میں شامل ہے۔

چونکہ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ انسانوں کے مسائل بھی نئے اور متنوع انداز میں پیدا ہوتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ان کے حل کے لیے دینی رہنمائی کی روشنی میں نئی اور مؤثر راہیں تلاش کی جائیں۔

دینی تعلیم کے اساسی مقاصد

دینی تعلیم کے اپنے بنیادی اور اساسی مقاصد ہوتے ہیں، جن کا تعلیم کے ذریعے حاصل ہونا ضروری ہے۔ یہ مقاصد اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب طالبِ علم ان سے اچھی طرح آگاہ ہو، تاکہ وہ دینی علم کو انہی مقاصد کے حصول کے لیے حاصل کرے۔ ان اہم مقاصد میں سے چند درج ذیل ہیں:

پہلا مقصد: اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت کو معاشرے میں عام کرنا

دینی مدارس اور علماء کی سب سے بنیادی اور اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ معاشرے میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام و ہدایت کو پھیلائیں اور مؤثر انداز میں لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیں۔ یہی کام انبیاء علیہم السلام کا سب سے اہم مشن تھا، اور انہوں نے اپنی زندگی کا سب سے زیادہ وقت اور توجہ اسی کام پر صرف کی تھی۔

معاشرے کے افراد کو اسلام کی طرف دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو عام کرنا اسی وقت ممکن ہے جب درج ذیل اقدامات کیے جائیں:

۱. سب سے پہلے طلبہ اور علماء کے دلوں میں اس کام کی اہمیت اور ضرورت کا پختہ یقین پیدا کیا جائے۔ ان کی ذہن سازی کی جائے کہ شرعی علم دیگر علوم کی طرح محض ایک علمی متاع یا ذریعہ نہیں ہے جسے صرف دنیاوی زندگی سنوارنے یا کسی عہدے اور منصب کے حصول کے لیے استعمال کیا جائے، بلکہ یہ ایک عظیم امانت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہے، اور علماء اسے لوگوں تک پہنچانے کے مکلف ہیں۔
ان کے ذہن اور روح میں یہ بات راسخ کی جائے کہ اس راستے میں پختہ عزم، لوگوں کو سمجھانے میں صبر، گہری بصیرت، مشکلات کو برداشت کرنے کی صلاحیت، باطل کے خلاف ہمہ جہت جدوجہد اور قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہی ہدایت کو عام کرنا اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا وہ عظیم عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سب سے بہترین کام قرار دیا ہے۔

۲. طلبہ اور علماء کو ایسے دینی نصاب کے تحت تربیت دی جانی چاہیے جس میں درج ذیل خصوصیات پائی جائیں:

اَ. نصاب میں خالص شرعی علوم (یعنی دین کے بنیادی اصول) کا حصہ لغوی، ادبی اور دیگر ضمنی علوم کے مقابلے میں زیادہ نمایاں اور غالب ہو۔

ب. نصاب میں عصرِ حاضر کے فکری، تہذیبی اور دینی مسائل کا حقیقی اور مؤثر حل موجود ہو۔

ج. نصاب طلبہ اور علماء کو اپنے زمانے کی جدید جاہلیتوں، اور اغیار کی جانب سے پھیلائے جانے والے نظریات و افکار سے باخبر رکھے، نیز ان سیاسی اور فکری تحریکوں کے خطرات اور اثرات سے آگاہ کرے جنھوں نے عالمی سطح پر خصوصاً مسلمانوں کو متاثر کیا ہے۔

د. نصاب اپنے طلبہ کو دعوت کے اسالیب سے آشنا کرے، دین کی اشاعت کے جدید ذرائع کے استعمال کے قابل بنائے، اور کفر و ضلالت کے معاصر مظاہر، تصورات اور نظاموں کے مقابلے کے لیے علمی و فکری صلاحیت پیدا کرے۔

۳. مدرسے میں طالبِ علم کو ابتدا ہی سے یہ شعور دیا جائے کہ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لیے نازل ہوا ہے تاکہ عقیدہ توحید کی بنیاد پر انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اس طریقے سے منظم کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔
طالبِ علم کے ذہن میں یہ بات پختہ کی جائے کہ اس کے اثر کا دائرہ پورا معاشرہ ہے، اور اس کی ذمہ داری دینی، سیاسی اور سماجی قیادت ہے، جس کے لیے اسے ذہنی، علمی اور عملی طور پر خود کو تیار کرنا چاہیے۔

عملاً دیکھا جا رہا ہے کہ مدارس کے موجودہ نصاب میں ایسے علوم شامل نہیں جو طالبِ علم کو دینی نقطۂ نظر سے سیاسی، سماجی، تہذیبی اور فکری شعور عطا کریں، اور اس کے اندر دینی، سماجی اور سیاسی قیادت کی صلاحیتیں پیدا کریں۔ اس کے برعکس، طلبہ کے اکثر اوقات ایسے صرفی، نحوی اور ادبی علوم کی کتب میں صرف ہو جاتا ہے جن کے ذریعے نہ دین کو مکمل طور پر سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی موجودہ دور کے فکری و سیاسی چیلنجز کا مؤثر مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

نصاب میں علمی جمود کے ساتھ ساتھ افسوسناک طور پر مدارس میں ایک نفسیاتی گوشہ نشینی بھی پائی جاتی ہے، جہاں استاد اور طالبِ علم دونوں زیادہ تر معاشرے سے الگ تھلگ رہنے اور صرف درس و تدریس میں مشغول رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ معاشرے کے فکری، سیاسی، سماجی اور اخلاقی مسائل سے بے خبر یا لاتعلق ہو جاتے ہیں۔

اس گوشہ نشینی اور دوری کے نتیجے میں معاشرے کی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے جو دینی پس منظر نہیں رکھتے، اور وہ اس حد تک بااثر ہو جاتے ہیں کہ دینی علماء خود محکومی اور محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سیکولر، کمیونسٹ، قوم پرست، لبرل، فوجی آمر اور دیگر غیر اسلامی نظریات کے حامل افراد نہ صرف علماء کو کمزور کرتے ہیں بلکہ انہیں معاشرے سے الگ کرنے اور ان کے اثر کو ختم کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔

جب دینی قیادت ان اسباب اور غیر اسلامی قوتوں کی منظم فکری، سیاسی اور عسکری سرگرمیوں کے باعث کمزور ہو جاتی ہے تو یہی غیر اسلامی عناصر معاشرے کی رہنمائی سنبھال لیتے ہیں، اور ایسے نظریات، نعرے اور ثقافتیں فروغ دیتے ہیں کہ کچھ عرصے بعد

لوگ خود ہی ان کے پیروکار بن جاتے ہیں۔ اس وقت علماء کی طرف رجوع صرف محدود فقہی مسائل جیسے طلاق، لعان، رضاعت یا میراث تک رہ جاتا ہے۔

ایسے حالات میں بہت سے علماء بھی اپنی اس قائدانہ ذمہ داری کو ادا نہیں کر پاتے جو انہیں انبیاء علیہم السلام سے وراثت میں ملی ہے۔ نتیجتاً یا تو وہ سیکولر اور غیر دینی حکمرانوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتے ہیں، یا پھر حاشیے میں رہ کر خاموشی اختیار کرتے ہیں تاکہ ٹکراؤ سے بچ سکیں۔ بدقسمتی سے یہ صورتحال بارہا افغانستان اور دیگر اسلامی ممالک میں دیکھی جا چکی ہے۔

دوسرا مقصد: معاشرے میں ہمہ جہت اصلاح کا قیام

معاشرے میں ہمہ جہت اصلاح کرنا بھی دینی علم کے بنیادی مقاصد میں سے ہے اور یہ علماء کی اہم ذمہ داریوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عالم کا اثر صرف روحانی اور معنوی امور تک محدود نہ رہے، بلکہ وہ سیاست، قیادت، معیشت، حلال و حرام کی وضاحت، افراد سے ایک صالح معاشرے کی تشکیل، اور معاشرے کو صحیح راہ پر گامزن کرنے میں بھی فعال کردار ادا کرے۔ اسی طرح اخلاقی، فکری، عسکری اور سماجی میدانوں میں اصلاح لانے میں بھی اس کی بھرپور شرکت ہونی چاہیے۔

یہ دین کا ایک ناقص فہم ہوگا اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ معاشرے کی اصلاح صرف روحانی اور معنوی امور تک محدود ہے، اور علماء کو زندگی کے دیگر معاملات میں کوئی کردار ادا نہیں کرنا چاہیے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اور ہر پہلو کے لیے واضح رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ان ہدایات کی طرف لوگوں کو دعوت دینا علمائے کرام کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ اگر علماء اس فریضے کو ادا نہ کریں تو گویا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ورثے میں ملنے والے علم کو بہت محدود کر دیا، اسے صرف بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق کا ذریعہ سمجھا، اور انسانیت کی اصلاح، قیادت، اور اسے شیطان اور ہر قسم کی برائی سے بچانا انبیا علیہم السلام کے فرائض میں شمار نہ کیا۔

تیسرا مقصد: ہر قسم کے فکری، دینی، اخلاقی، سیاسی اور سماجی باطل کا مقابلہ

معاشرے میں ہر نوع کے فکری، دینی، اخلاقی، سیاسی اور سماجی باطل کا مقابلہ کرنا بھی شرعی علم کا ایک اہم مقصد اور دینی علماء کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر باطل اخلاقی میدان میں ظاہر ہو تو علماء کو اس کے مقابلے کے لیے کھڑا ہونا چاہیے۔ اسی طرح اگر باطل عقیدے کی صورت میں سامنے آئے اور معاشرے یا افراد کے عقائد و تصورات کو تبدیل کرنے لگے، تو علماء پر لازم ہے کہ اس کا سدِّباب کریں اور درست دینی مفاہیم کے ذریعے اس کا رد کریں۔

اگر حالات اس نہج پر پہنچ جائیں کہ مسلمانوں کی عسکری قوت اور وسائل کفار کی مدد و حمایت میں استعمال ہونے لگیں، تو ایسے موقع پر بھی علماء کو یہ کہہ کر خود کو بری الذمہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم تو تدریس، کتاب اور وعظ کے لوگ ہیں اور عسکری معاملات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس میدان میں انحراف کے سدباب اور باطل کے مقابلے کی ذمہ داری کسی اور پر ڈال دینا درست نہیں۔ بلکہ علماء کو خود اس میدان کے رہنما اور پیشوا ہونا چاہیے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایک ہی وقت میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے امام بھی تھے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی، امت کے سیاسی قائد بھی، جو امت کے بارے میں فیصلے فرمایا کرتے تھے اور عسکری رہنما اور سپہ سالار بھی، جو باطل کے مقابلے کے لیے لشکر بھیجتے اور حالات کے مطابق حکمتِ عملی اختیار فرماتے تھے۔

اسی جامع قیادت اور دینی علم کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلام کو غلبہ حاصل ہوا، مسلمان کفار کے شر سے محفوظ رہے، اور عزت و استقلال کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ ہر دور کے مسائل اور باطل کے اثرات کو سمجھنا اور ان کا مناسب انداز میں مقابلہ کرنا شرعی علم اور دینی عالم کے فرائض میں شامل ہے۔

چوتھا مقصد: دینی بنیادوں پر قائم سیاسی و عسکری نظام کا قیام

دینی علم کے اہم مقاصد میں سے ایک عظیم مقصد یہ بھی ہے کہ ایسا سیاسی اور عسکری نظام قائم کیا جائے جو خالص دینی بنیادوں پر استوار ہو اور دینی احکام کے مطابق چلایا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عالم صرف اس بات پر اکتفا نہ کرے کہ وہ دعوت و تدریس کا فریضہ انجام دے رہا ہے یا فتوے جاری کر رہا ہے، اور نظام، سیاست، حکومت اور معاشرتی نظم و نسق کے امور کو اپنے دائرہ کار سے باہر سمجھے۔ بلکہ یہ تصور کہ یہ امور صرف سیاست دانوں سے متعلق ہیں، اسلام کے ناقص فہم کی علامت ہے۔

اگر علماء خود اس میدان میں پیش قدمی نہ کریں، یا کسی ایسے صالح اور نفاذِ شریعت کے لیے اہل فرد کو آگے نہ لائیں، اور اس کی پشت پناہی کرتے ہوئے ملت کو اس کے ساتھ کھڑا نہ کریں، تو نتیجتاً وہ صرف روحانیت کے محدود دائرے میں محصور ہو کر رہ جائیں گے۔ پھر کوئی اور ایسا نظام معاشرے پر مسلط کر دے گا جو علماء اور شریعت کے نفاذ کے ساتھ شدید دشمنی رکھتا ہوگا، اور شرعی علم کو محض کتابوں تک محدود کر دے گا۔ عدالتوں میں فیصلے شریعت کے بجائے غیر اسلامی قوانین کے مطابق ہوں گے، اور بین الاقوامی تعلقات بھی غیر دینی اصولوں کے تابع ہوں گے، جس کے نتیجے میں منفی اثرات دین اور اہلِ دین پر ہی مرتب ہوں گے۔

لہٰذا علماء کو یہ شعور حاصل ہونا چاہیے بلکہ اس کا عزم مصمم ہونا چاہیے کہ نظام کا قیام بھی ان کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسا نہیں تھا کہ آپ ﷺ صرف نبی ہوں اور حکومت و اقتدار کسی اور کے پاس ہو۔

رسول اللہ ﷺ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتِ مسلمہ کے لیے مکمل اور واجب الاتباع نمونہ بنا کر بھیجے گئے، وہ بیک وقت دین کے مبلغ بھی تھے، اور امت کے سیاسی و عسکری قائد بھی۔ اسی طرح آپ ﷺ کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مسجدِ نبوی کے امام، دینی

رہنما، اور ساتھ ہی مسلمانوں کے سیاسی قائد اور عسکری امیر تھے۔ انہوں نے فتنہ ارتداد کے خاتمے کے لیے بیک وقت جزیرۂ عرب کے مختلف علاقوں میں متعدد لشکر روانہ کیے۔

اسی طرح عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے دور میں دینی پیشوا بھی تھے، مسجدِ نبوی کے امام بھی، اور مسلمانوں کے سیاسی و عسکری قائد اور سپہ سالار بھی۔ یہی تسلسل خلافتِ راشدہ کے پورے دور میں جاری رہا، جو اسلام کے غلبے اور شریعت کے نفاذ کا مثالی زمانہ تھا۔

اسلامی سیاسی فقہ کے مطابق یہ عظیم وراثت مجموعی طور پر امت کے ان صالح اور اہل افراد کو منتقل ہوتی ہے جو قیادت کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اگرچہ بعض ادوار میں طاقتور افراد نے زبردستی یا فریب کے ذریعے یہ حق علماء سے چھین لیا، یا بعض مواقع پر علماء نے حالات کو سازگار سمجھا کہ قیادت صالح افراد کے ہاتھ میں ہے، اور انہیں اب اس میدان میں اترنے کی ضرورت نہیں تو انہوں نے خود کو علمی خدمات تک محدود رکھا، اس صورت میں انہوں نے براہِ راست قیادت کا منصب سنبھالنے کے بجائے علم و تحقیق میں مشغول رہنا مناسب سمجھا۔

لیکن اگر حالات ایسے نہ ہوں اور قیادت صالح افراد کے ہاتھ میں نہ ہو، تو علماء پر لازم ہے کہ وہ ایسے نظام کے قیام کے لیے عملی اقدام کریں جس میں دین، اہل دین، معاشرہ، عقائد اور اخلاق محفوظ رہیں۔ کیونکہ اگر نظام فاسد لوگوں کے ہاتھ میں چلا جائے تو وہ اپنی خواہشات کے مطابق قوانین بنائیں گے اور نافذ کریں گے، اور جو ان کو تسلیم نہ کرے گا، اسے مجرم قرار دے کر سزا دیں گے، خواہ حقیقت میں وہ خود مفسد ہوں اور مخالف فریق مصلح افراد ہوں۔

لہٰذا یہ علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ نظامِ اسلامی کے قیام کو اپنی بنیادی ذمہ داری سمجھیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو یہ میدان مفسدین کے لیے خالی چھوڑ دیا جائے گا، اور وہ اسے دین کے غلبے کے خلاف استعمال کریں گے۔

عالم اسلام نے گزشتہ دو صدیوں میں یہ منظر بارہا دیکھا کہ جب سیاسی اور عسکری قیادت اور اس کے اہم امور فاسد و مفسد قوتوں کے ہاتھ میں چلے گئے اور وہ مسلم معاشروں پر مسلط ہوئیں، تو ایسے ہولناک جرائم وقوع پذیر ہوئے جن کی مثال انسانیت نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ یہ میدان دینی قیادت سے خالی ہو گیا اور اسے دوسروں نے پُر کر لیا۔ لیکن جب دوبارہ ایک دینی رہنما (ملا محمد عمر) میدان میں آئے اور اس ذمہ داری کو اپنا فرض سمجھا، تو مختصر عرصے میں ایسی تبدیلی رونما ہوئی کہ معاشرے اور نظام سے متعلق امر و نہی کا محور ایک دینی قیادت بن گئی۔

آج اگر ہم عالمِ اسلام کے ممالک کا جائزہ لیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا دین کی طرف رجحان اور وابستگی کی لہر زیادہ طاقتور ہے یا دین سے دوری اور انحراف کی؟ نیز یہ کہ مسلمانوں کی زندگی، اس کے قانونی، سیاسی، معاشی، عسکری، سماجی اور اخلاقی میدانوں میں دینی احکام پر عمل غالب ہے یا ان سے دوری؟ واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ بدقسمتی سے آج دنیا میں دین سے دوری اور انحراف کی لہر زیادہ قوی ہے۔

اس صورتِ حال کے سدباب اور اس رخ کو بدلنے کے لیے ایسے علماء کی ایک نسل تیار کرنا ناگزیر ہے جو مسلمانوں کو دوبارہ دین کی طرف لوٹا سکے۔ آج افغانستان اور پورے عالمِ اسلام کو ایسے علماء کی ضرورت ہے جو دین کے بارے میں پھیلائے گئے جدید شبہات کا مؤثر جواب دے سکیں، لوگوں کو فکری انحراف سے نکال سکیں، رسول اللہ ﷺ کی حقیقی وراثت کے نمائندہ بن سکیں، اور ہر میدان میں امت کو دین کی طرف واپس لے آئیں۔ ان میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ لوگوں کی رہنمائی کریں اور ان کے اندر دین کی طرف رجوع کا شعور اور جذبہ دوبارہ بیدار کریں خصوصاً ان افراد میں جو کمیونزم، سیکولرزم، لبرلزم، جمہوریت، ہیومینزم، نیشنلزم اور دیگر باطل نظریات کے زیرِ اثر شکوک و شبہات کا شکار ہو چکے ہیں۔

ایسی نسل کی تشکیل کے لیے ایک ایسے نصاب کی ضرورت ہے جو اپنے اندر بصیرت، مضبوط فکری بنیادیں، اسٹریٹیجک سوچ اور معاصر چیلنجز کے مؤثر جوابات اور مسائل کے عملی حل رکھتا ہو، تاکہ طلبہ موجودہ حالات کو بدلنے کی صلاحیت حاصل کر سکیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے موجودہ دینی مدارس کے نصاب میں وہ تمام ضروری دینی و معاشرتی علوم اور معاصر جدوجہد کا فکری لٹریچر موجود ہے، جن کی تدریس کے ذریعے ہم ایسے باصلاحیت قائدانہ علماء تیار کر سکیں جو عملی میدان میں اتر کر موجودہ مسائل کا حل پیش کریں؟ حقیقت یہ ہے کہ یا تو ایسا فکری لٹریچر سرے سے موجود نہیں، یا بہت کم اور غیر مؤثر شکل میں موجود ہے۔

ہمارے پاس کتب میں شرعی نصوص، عقائد، افکار اور معلومات تو موجود ہیں، لیکن بڑی حد تک یہ سب ایک علمی سرمایہ اور ثقافتی ذخیرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں اس انداز میں ترتیب نہیں دیا گیا کہ وہ عمل، نظام سازی اور تبدیلی کی ایک مؤثر تحریک کو جنم دے سکیں، اسی لیے ان کا عملی زندگی پر اثر بھی محدود ہے۔

لہٰذا اس امر کی ضرورت ہے کہ دینی علوم کو کتابوں سے نکال کر عمل کے میدان میں لایا جائے، اور ان کی بنیاد پر ایک مضبوط اور مہذب اسلامی نظام قائم کیا جائے۔ اسی طرح مدارس کے علماء کو اس انداز میں تیار کیا جائے کہ وہ معاشرے میں دینی و سیاسی قیادت کا کردار مؤثر طور پر ادا کر سکیں، اور مغرب سے آنے والے فکری و فلسفیانہ فتنوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ مدارس کے نصاب میں ایسے مضامین شامل کیے جائیں جن کی تفصیل آئندہ فصل میں بیان کی جائے گی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

کفار کا معاشی بائیکاٹ

اسلامی بائیکاٹ جدید جنگ کے تناظر میں

اسلام کے خلاف جاری عالمی صہیونی جنگ کے تناظر میں اسلامی مقاطعہ کو سمجھنا، نافذ کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا

محمد ابراہیم لڈوِک

محمد ابراہیم لڈوِک (زید مجدہ) ایک نو مسلم عالم دین ہیں جنھوں نے عالَم عرب کی کئی جامعات میں علم دین حاصل کیا۔ موصوف نے کفر کے نظام اور اس کی چالوں کو خود اسی کفری معاشرے اور نظام میں رہتے ہوئے دیکھا اور اسے باطل جانا، ثم ایمان سے مشرف ہوئے اور علم دین حاصل کیا اور حق کو علیٰ وجہ البصیرۃ جانا، سمجھا اور قبول کیا، پھر اسی حق کے داعی بن گئے اور عالَم کفر سے نبرد آزما مجاہدین کے حامی اور بھرپور دفاع کرنے والے بھی بن گئے (نحسبه كذلك والله حسيبه ولا نزكي على الله أحدا)۔ انھی کے الفاظ میں: 'میرا نام محمد ابراہیم لڈوِک ہے (پیدائشی طور پر الیگزانڈر نیکولئی لڈوک)۔ میں امریکہ میں پیدا ہوا اور میں نے علوم تاریخ، تنقیدی ادب، علم تہذیب، تقابلِ ادیان، فلسفۂ سیاست، فلسفہ بُعد از نو آبادیاتی نظام، اقتصادیات، اور سیاسی اقتصادیات امریکہ اور جرمنی میں پڑھے۔ یہ علوم پڑھنے کے دوران میں نے ان اقتصادی اور معاشرتی مسائل پر تحقیق کی جو دنیا کو متاثر کیے ہوئے ہیں اور اسی دوران اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ایک سیاسی اور اقتصادی نظام ہے جو حقیقتاً اور بہترین انداز سے ان مسائل کا حل لیے ہوئے ہے اور یوں میں رمضان ۱۴۳۳ھ میں مسلمان ہو گیا'۔ اللہ پاک ہمیں اور ہمارے بھائی محمد ابراہیم لڈوک کو استقامت علی الحق عطا فرمائے، آمین۔ جدید سرمایہ دارانہ نظام، سیکولرازم، جمہوریت، اقامتِ دین و خلافت کی اہمیت و فرضیت اور دیگر موضوعات پر آپ کی تحریرات لائق استفادہ ہیں۔ مجلہ 'نوائے غزوۂ ہند' شیخ محمد ابراہیم لڈوِک (حفظہ اللہ) کی انگریزی تالیف 'Islamic Boycotts in the Context of Modern War' کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہے۔ (ادارہ)

بائیکاٹ کے فوائد

اب تک، قارئین پر یہ واضح ہو چکا ہو گا کہ صہیونی تسلط والے عالمی نظام سے خود کو الگ کرنا ایک نہایت مشکل منصوبہ ہے۔ ان مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے مضبوط عزم اور ارادے کا ہونا ضروری ہے۔

کسی بھی عمل کا اصل مقصد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت ہونا چاہیے۔ البتہ جو حکم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، بشمول کفار کے خلاف اپنی جان و مال سے جدوجہد کرنا، وہ بہتر اور فائدہ مند ہے۔ اس منفعت سے آگاہی ہمیں مطلوبہ قربانیاں دینے اور ضروری کاموں کو سرانجام دینے کے لیے پختہ کر سکتی ہے۔

ثقافتی استعمار کا مقابلہ

مغرب کے پاس اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو کنٹرول کر سکے۔ حتیٰ کہ عراق اور شام میں داعش کے خلاف اپنی جنگ میں، امریکہ اپنی بموں کی سپلائی تقریباً ختم کر بیٹھا تھا، حالانکہ اس گروہ نے کبھی ۲ لاکھ سے زیادہ جنگجوؤں کو میدان میں اتارا ہی نہیں۔ غزہ میں آپریشن طوفان الاقصیٰ کے بعد، صہیونی قابض ایک ماہ بعد آئرن ڈوم سسٹم کے لیے اپنے میزائلوں کی سپلائی تقریباً ختم کر چکا تھا اور امریکہ سے مزید منگوانے پر مجبور ہوا۔

مغرب زیر قبضہ لوگوں کی جانب سے وسیع قبولیت کی وجہ سے ہی مسلم سرزمینوں پر اپنا تسلط اور ان کو کنٹرول کرنے کے قابل ہے۔ اس قبولیت کی بڑی وجہ الولاء والبراء کے اصول کو نہ سمجھنا اور اس پر عمل نہ کرنا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوْثَقَ عُرَى الْإِيمَانِ الْمُوَالَاةُ فِي اللهِ وَالْمُعَادَاةُ فِي اللهِ وَالْحُبُّ فِي اللهِ وَالْبُغْضُ فِي اللهِ[1]

”حضرت ابن عباس ﷠ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک ایمان کی سب سے مضبوط شاخ اللہ کی خاطر دوستی و موالات کرنا اور اللہ ہی کی خاطر دشمنی رکھنا، اللہ کی خاطر محبت کرنا اور اللہ کی ہی خاطر نفرت کرنا ہے۔“

مزید برآں، کفار سے اختلاف کرنا اور ان کی مشابہت اختیار نہ کرنا شریعت کا ایک بنیادی اصول ہے، جو اس قول میں بیان ہوا ہے:

مخالفة الكفار مشروعة

”کفار کی مخالفت اختیار کرنا مباح عمل ہے۔“

اس کی تائید کئی احادیث سے ہوتی ہے، جیسے:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ[2]

سیدنا ابن عمر ﷠ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ انہی میں سے ہوا۔“

مسلم سرزمین میں مغربی ثقافت کی دراندازی امت کی کمزوری کی ایک بڑی وجہ ہے۔ امریکی ثقافت جو یہودی، عیسائی، اور مشرکانہ اقدار سے متاثر ہے، بہت سے شعبوں میں بااثر مقام رکھتی ہے، خصوصاً فیشن، تفریح، خوراک اور تعلیم، ان شعبوں میں کفار کی تقلید ان کے

[1] المعجم الكبير للطبراني ۱۱۵۳۷

[2] سنن أبو داود: ۴۰۳۱

ساتھ قربت یا دوستی کے احساس کے ساتھ ساتھ احساسِ کمتری کا باعث بنتی ہے۔ کفار سے لگاؤ اور ان کے مقابلے میں احساسِ کمتری دونوں ہی ان سے مؤثر طریقے سے مقابلہ کرنے کو ناممکن بنا دیتے ہیں۔

خوراک، لباس، اور ابلاغ شناخت کا ایک بڑا حصہ ہوتے ہیں۔ ہم جتنا زیادہ ان میں تقلید کریں گے، اتنا ہی زیادہ ہماری شناخت میں ان کے ساتھ مماثلت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ مشترکہ شناخت کا یہ احساس ہمارے اندر ان سے لڑنے سے ہچکچاہٹ پیدا کرتا ہے، کیونکہ اس سے ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی ایسے گروہ کو نقصان پہنچا رہے ہیں جس سے ہم خود تعلق رکھتے ہیں۔

ان کی ثقافت کے بعض پہلوؤں کو اپنانا احساسِ کمتری کا باعث بنتا ہے، کیونکہ اگر ہم کسی بھی چیز میں ان کی تقلید کرتے ہیں، تو وہ ہم سے پہلے ہی اس کو بہت طویل عرصے سے کر رہے ہیں۔ ان کا فیشن، موسیقی اور فلمیں بہتر ہوں گی، کیونکہ ان کے پاس کئی نسلوں کا تجربہ ہے اور وہ ان شعبوں میں اپنے طریقوں کو مسلسل بہتر کر رہے ہیں۔ برانڈنگ اور مارکیٹنگ کے طریقوں کا بھی یہی معاملہ ہے۔ انہوں نے اپنی شناخت کو نظام میں ڈھالا ہے، اور نظام کو اپنی شناخت میں ڈھالا ہے۔ یہ ان شعبوں میں بھی یکساں طور پر لاگو ہوتا ہے جہاں مسلمان کفار سے آگے ہیں، مثلاً اہلِ مغرب کی طرف سے عربی عطر بنانے کی کوششیں مسلمانوں کی کوششوں کی سطح تک نہیں پہنچتی، کیونکہ وہ اس میدان میں نسلی تجربہ نہیں رکھتے۔

بائیکاٹ مغربی طرزِ زندگی سے جڑے برینڈ اور مصنوعات کو ترک کرنے کا متقاضی ہے۔ یہ مسلمانوں کو مسلمانوں کی تیار کردہ مصنوعات کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کرتا ہے، جس سے فطری طور پر اسلامی تشخص مضبوط ہو گا۔ اس سے مسلمانوں کے مابین معاشرتی یکجہتی بڑھے گی، لڑنے کے لیے ہمارا عزم اور اپنی روایات اور تاریخ پر فخر کا احساس بڑھے گا۔ ایمانی لحاظ سے بھی یہ فائدے کا باعث بن سکتا ہے، کیونکہ معاشی سرگرمیوں کے انداز کو اس طرح تبدیل کرنا کہ ہم دیندار مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کریں، ہمیں بہتر سماجی ماحول میں لے آئے گا۔

نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا فرمان ہے:

مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السَّوْئِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيرِ الْحَدَّادِ لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيهِ أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ وَكِيرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ أَوْ ثَوْبَكَ أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً[3]

"نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے عطار اور لوہار کی بھٹی کی سی ہے۔ مشک بیچنے والے کے پاس سے تم دو اچھائیوں میں سے ایک نہ ایک ضرور پا لو گے۔ یا تو مشک ہی خرید لو گے ورنہ کم از کم اس کی خوشبو تو ضرور ہی پا سکو گے۔ لیکن لوہار کی بھٹی یا تمہارے بدن اور کپڑے کو جھلسا دے گی ورنہ بدبو تو اس سے تم ضرور پا لو گے۔"

اگر ہم مسلمانوں کے تیار کردہ کپڑے، کاسمیٹکس اور ذاتی نگہداشت کی مصنوعات خریدتے ہیں، تو ہمارا ان کی دکانوں یا گھروں پر جانے کا زیادہ امکان ہے۔ ان جگہوں پر موسیقی اور غیر محرم مرد و عورتوں کے اختلاط کا امکان کم ہو گا۔ اس بات کا بھی زیادہ امکان ہے کہ خریدار اور بیچنے والا اپنے لین دین کے دوران اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو یاد رکھیں گے۔

مبنی بر سود کرنسی نظاموں کو کمزور کرنا

پچھلی اقساط میں بائیکاٹ کے ایک طاقتور طریقہ کے طور پر قومی کرنسیوں سے بچنے پر زور دیا گیا تھا۔ مرکزی بینک اور فیاٹ کرنسی[4] (Fiat Currency) نظام مسلم سرزمینوں کو قرض، محتاجی، اور دائمی بحران اور کمزوری کے گرداب میں پھنسانے کے لیے سب سے طاقتور ہتھیاروں میں سے ہیں۔ شدید مہنگائی کے ذریعے صہیونی اور ان کے اتحادی پورے ملک کی دولت نچوڑ لیتے ہیں۔ لوگ محنت، زرعی مصنوعات، معدنی وسائل، اور فوجی اڈوں کے لیے لیز (lease) لینے جیسے اسٹریٹیجک فوجی معاہدوں جیسی حقیقی قدر والی اشیاء کے بدلے کاغذی کرنسی وصول کرتے ہیں۔ حقیقی دولت کی قدر مستحکم ہوتی ہے، جبکہ قومی کرنسیوں کی قدر مسلسل گھٹتی رہتی ہے۔

اوسطاً، مسلم ممالک میں مہنگائی عالمی اوسط سے دوگنا سے بھی زیادہ ہے۔ یہ مہنگائی ایک ایسے سیفون (siphon) کی طرح کام کرتی ہے جو حقیقی دولت کو نچوڑ لیتی ہے اور غریبوں کو (جو مقامی کرنسی کا استعمال کرتے ہیں) آہستہ آہستہ غربت کی مزید گہرائیوں میں دھکیل دیتی ہے جبکہ اشرافیہ کے ایک محدود طبقے کو فائدہ پہنچاتی ہے، جو اپنی دولت کو ڈالر اور یورو جیسی غیر ملکی کرنسیوں کی صورت میں رکھتے ہیں۔ اشرافیہ شدید مہنگائی والی مقامی کرنسیاں غریبوں میں تقسیم کرتی ہیں، اس عمل کے دوران مزید زمین اور مزدوری حاصل کرتی ہیں، اور پھر اس دولت کو برآمد کر کے اس کے بدلے کم افراطِ زر والی مغربی کرنسیوں اور اثاثوں کو حاصل کرتی ہیں۔

عالمی منڈیوں میں قومی کرنسیوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور یہ بالواسطہ کنٹرول کا طریقہ کار ہے، جس کے ذریعے صہیونی مسلم ممالک کو جزا یا سزا دیتے ہیں۔ بڑی مقدار میں کرنسی کی خرید و فروخت اور قیمتوں کی ہیرا پھیری کے ذریعے، صہیونی کرنسی کے زوال کی دھمکی

---

[3] صحیح البخاری: ۲۰۲۱

[4] Fiat Currency: موجودہ کرنسی نظام کی کرنسی جس کی کوئی جسمانی مالیت (جیسے سونا، چاندی وغیرہ) نہیں ہوتی۔ اس کی مالیت صرف حکومتی قانون یا لوگوں کے اعتماد کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس سے قبل کرنسی گولڈ سٹینڈرڈ (Gold Standard) پر ہوتی تھی یعنی ہر نوٹ کے پیچھے حکومت کے پاس اتنا ہی سونا ہوا کرتا تھا۔ لیکن ۱۹۷۱ء کے بعد سے دنیا بھر میں فیاٹ کرنسی نظام چل رہا ہے۔

دے کر مسلمان ممالک کے حکمرانوں کو اطاعت پر مجبور کر سکتے ہیں۔ وہ قومی کرنسیوں کو بچانے کے لیے مشروط قرضوں کی پیشکش بھی کر سکتے ہیں، اور پھر ان قرضوں کے ذریعے پورے ملک کو غلام بنا سکتے ہیں۔

بائیکاٹ قدرتی طور پر لوگوں کو کرنسی والی معیشت سے دور اور غیر رسمی معیشت کی طرف دھکیلتا ہے۔ مثال کے طور پر، امریکی ریستوران کا بائیکاٹ کرنے والے کے پاس باہر کھانا کھانے کے متبادل محدود ہوں گے، لہٰذا وہ اس کے بجائے گھر پر ہی کھانا پکائیں گے۔ یہ قدر کا تبادلہ ہے، کیونکہ اس میں خاندان یا دوست ایک دوسرے کے لیے خدمات سر انجام دیتے ہیں، لیکن پیسے کا کوئی تبادلہ نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے رقم کی مجموعی طلب میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اسی طرح، پڑوسیوں کے ساتھ براہ راست تجارت کرنا، تحفہ جاتی معیشت پر انحصار کرنا، یا اپنا سامان خود تیار کرنا بھی سود پر مبنی حکومتی کرنسیوں کے لیے ہمارے تعاون کو کم کر دے گا۔

ڈالر یا یورو جتنا زیادہ کمزور ہوتا جائے گا، قرض کی صورت میں نئی کرنسی کے اجرا کے ذریعے مہنگائی کا دباؤ اتنا ہی بڑھتا جائے گا۔ ہماری صورتحال کے لیے یہ نہایت اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ ان کے فوجی اخراجات بشمول صہیونی قبضے کو ہتھیاروں کی ترسیل، قرض کی شکل میں ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، حکومتی کرنسی درحقیقت کریڈٹ ہے، اور کفار کے پاس یہ کریڈٹ اس لیے ہے کیونکہ لوگ وہ چیزیں چاہتے ہیں جو وہ پیش کرتے ہیں۔ جتنے کم لوگ ان چیزوں کو چاہیں گے جو کفار پیش کرتے ہیں، اتنا ہی کم کریڈٹ (اور نتیجتاً قوتِ خرید) ان کے پاس ہو گا۔

اگر یہ ان کی کرنسیوں کی مکمل ناکامی کی حد تک پہنچ جاتا ہے، تو اس کا مطلب ان اداروں کی ناکامی ہو گا جو وہ مسلم ممالک کو قابو کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، جیسے آئی ایم ایف۔ مسلمان ممالک کے حکمرانوں کو کرنسی کی قدر میں کمی کا خطرہ ہے، اور انہیں اپنی کرنسیوں اور معیشتوں کو انہدام سے بچانے کے لیے ڈالر اور یورو میں قرض لینا پڑتا ہے۔ ڈالر اور یورو کے بڑی حد تک کمزور ہونے کے باعث، مسلم ممالک میں خون چوسنے والے مرکزی بینک اور حکومتی کرنسی تیزی سے منہدم ہو جائیں گی، جو اسلام اور مسلمانوں کی بڑی فتح ہو گی۔

اس سے حاصل ہونے والے سیاسی اور معاشی فوائد سے بڑھ کر، یہ دین میں ایک عظیم فتح ہو گی، کیونکہ سود ان کرنسی نظاموں کے لیے ناگزیر ہے۔ ان کرنسیوں کی بڑی تعداد کا اجرا سودی قرضوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ ان کرنسیوں کی حمایت انسان کو دشمن کی عسکری قوت سے تعاون سے بڑھا کر، سود جیسے کبیرہ گناہ سے منسلک کر سکتی ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

الرِّبَا سَبْعُونَ حُوبًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ[5]

سود کے ستر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا گناہ اس قدر (بڑا) ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح کرے۔

مسلم خود مختاری اور اقتصادی ترقی کی حمایت

کفار کی تیار کردہ مصنوعات اور برینڈز سے بچنا مسلمانوں پر مثبت اثر ڈالنے سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر لوگ مسلمانوں سے زیادہ خریداری کریں گے تو اس سے مسلمانوں کے طرزِ زندگی میں بہتری آئے گی اور نئی صنعتوں کا قیام عمل میں آئے گا۔ یہ عمل آغاز میں مشکل ثابت ہو سکتا ہے، کیونکہ مسلمانوں کی فراہم کردہ مصنوعات اور خدمات کا معیار کمتر اور قیمت زیادہ ہو سکتی ہے۔ تاہم جیسے جیسے اسلامی معیشت میں مزید پیسہ داخل ہوتا ہے اور مقابلہ بڑھتا ہے، مصنوعات اور خدمات کا معیار بھی بڑھتا جائے گا، اور پیداوار کا حجم بڑھنے کے ساتھ ہی قیمتیں کم ہوتی جائیں گی۔

اس کے لیے سخت محنت اور صبر درکار ہو گا، لیکن یہ بے سود نہ ہو گا کیونکہ اس کے ذریعے ہم اس برتری کو کم کر سکتے ہیں جو پابندیوں کی صورت میں کفار کو ہم پر حاصل ہے۔ جتنا کم ہم ان کی مصنوعات پر انحصار کریں گے، ان مصنوعات سے محروم ہو جانے کا خطرہ اتنا ہی محدود ہوتا جائے گا۔ اس سے ہمیں اپنی سرزمینوں پر کفار کی جارحیت کو کم کرنے کا مزید موقع ملے گا، انشاء اللہ۔

طبی فوائد

مغربی کمپنیوں کی تیار کردہ مصنوعات سے پرہیز صحت کے لیے بھی بہت بہتر ہے۔ ان کمپنیوں کے تیار کردہ کھانے عموماً زیادہ چینی، نمک، مصنوعی تازگی پیدا کرنے والے اجزا، مصنوعی ذائقے اور رنگوں سے بھرے ہوتے ہیں جو جسم اور دماغ پر نقصان دہ اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ریستوران اپنے منافع کو زیادہ سے زیادہ کرنے کے لیے انتہائی ادنیٰ معیار کا تیل استعمال کرتے ہیں۔

صحت کے بہت سے مسائل ان غذاؤں سے جڑے ہیں، جن میں کینسر، ذیابیطس، موٹاپا، ہاضمے کے مسائل، اور دیگر مسائل شامل ہیں۔ مقامی پروڈیوسر سے تازہ خوراک حاصل کرنا اور اسے گھر پر تیار کرنا زیادہ صحت مند ہے۔ چاہے اس میں زیادہ وقت لگے، یہ خاندان اور برادری سے جڑنے کا موقع بھی بن سکتا ہے۔

روایتی اسلامی لباس بھی صحت کے لیے زیادہ مفید ہے۔ مغربی مشینری اور انٹرنیٹ سروس یا ایپلی کیشنز پر کم انحصار کرنے کا مطلب نقصان دہ تابکاریوں کا کم سامنا کرنا، اور زیادہ جسمانی سرگرمی اور تازہ آب و ہوا کا حصول ہے۔ حتیٰ کہ کئی صنعتی طور پر تیار کی جانے والی حفظانِ صحت کی مصنوعات میں ایسے کیمیکل موجود ہوتے ہیں جو صحت پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۲۸ پر)

[5] سنن ابن ماجہ: ۲۲۷۴

شاہراہِ محمد ﷺ

سورۂ محمد کی روشنی میں فکری و تربیتی نکات

ڈاکٹر لیلیٰ حمدان

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَاۡ اَخْبَارَكُمْ۝(سورۃ محمد:۳۱)

”اور ہم ضرور تمہیں آزمائش میں ڈالیں گے، تاکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ تم میں سے کون ہیں جو مجاہد اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور تاکہ تمہارے حالات کی جانچ پڑتال کرلیں۔“

سورہ محمد ایک عظیم سورت ہے، جس کا نام نبی کریم ﷺ کے نامِ نامی پر رکھا گیا ہے۔ یہ محض آپ ﷺ کی پہچان کے لیے نہیں ہے، کیونکہ امت تو اپنے نبی کو جانتی ہے اور ان کی تعظیم کرتی ہے، بلکہ اس لیے تاکہ آپ ﷺ کا اسم شریف اس سورت کے سیاق وسباق میں حاضر رہے جو اس عظیم ترین معرکے کی بات کرتی ہے جس کا سامنا ایک مومن اپنی زندگی میں کرتا ہے۔ یعنی حق پر ثابت قدمی اور اس سے منہ نہ موڑنے کا معرکہ۔ یہ سورت کشمکش کے دور میں ایمان کا راستہ متعین کرتی ہے، اور لوگوں کے ان رویوں کو بے نقاب کرتی ہے جب انہیں سچائی اور نفاق، اور ثابت قدمی و پسپائی کے درمیان آزمایا جاتا ہے۔

سورت کے عنوان کے طور پر ”محمد ﷺ“ کے نام کا انتخاب گہری معنویت رکھتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ ہی وہ قائد ہیں جن کی زندگی میں یہ تمام معانی مجسم ہو کر سامنے آئے۔ اذیتوں کے مقابلے میں صبر، جب لوگ کمزور پڑ جائیں تو ثابت قدمی، اور جب مفادات اور دباؤ آپس میں گتھم گتھا ہوں تو سچائی، اور کلمہ حق کی سربلندی کے لیے جہاد و قتال! گویا یہ سورت مومنین سے کہہ رہی ہے کہ جس راستے کی طرف تمہیں بلایا جا رہا ہے، یہ وہی راستہ ہے جس پر محمد ﷺ چلے، پس جو ثابت قدمی چاہتا ہے وہ آپ ﷺ کی پیروی کرے۔

سورہ محمد کا اپنے دوسرے نام ”سورہ قتال“ کے ساتھ یکجا ہونا محض اتفاقی نہیں ہے، بلکہ یہ قرآن کے خوبصورت باہمی ربط کا حصہ ہے۔ اس سورت میں نبی ﷺ کے نام کا ذکر اس کے تمام معانی کو آپ ﷺ کی شخصیت اور منہج سے جوڑ دیتا ہے۔ یہ اللہ کے ساتھ سچائی، صفوں کی تمیز، اور اس جہاد کی بات کرتی ہے جو ایمان کی حقیقت کو ظاہر کر دیتا ہے۔ گویا سورت یہ کہہ رہی ہے کہ جس راستے پر محمد ﷺ چلے، وہی حقیقی ایمان، ثابت قدمی، قربانی اور نصرتِ حق کا راستہ ہے۔

نبی ﷺ کی ذات میں کمالِ رحمت اور کمالِ قوت یکجا تھی، صحابہ کرام آپ ﷺ کو ”الضحوك القتال“ (مسکرانے والے اور قتال کرنے والے) کے طور پر بیان کرتے تھے۔ آپ ﷺ مجلسوں کو خوش مزاجی، رحمت اور لطافت سے بھر دیتے، لیکن جب اللہ کی حدود پامال ہوتیں یا باطل سے سامنا ہوتا، تو آپ ﷺ میدانِ جنگ میں سب سے زیادہ بہادر اور ثابت قدم ہوتے۔ یوں سورت کے دونوں ناموں میں اس کا گہرا مفہوم مجسم ہوتا ہے۔ ایک ایسی رحمت جو دلوں کی رہنمائی کرتی ہے، اور ایسی قوت جو حق کی حفاظت کرتی ہے، اور یہی وہ منہج ہے جس پر نبی ﷺ نے اپنی امت کی تربیت کی۔

جب ہم سورہ محمد کی آیات پر غور و فکر (تدبر) کرتے ہیں، تو ہمیں علم ہوتا ہے کہ یہ ان منافقین کی حقیقت کو فاش کرتی ہے جن پر نبی ﷺ کی پیروی گراں گزرتی ہے، اور یہ واضح کرتی ہے کہ کس طرح قرآن میں تدبر کا فقدان ارتداد (پھیر لیے جانے) کی طرف لے جاتا ہے، اور بظاہر اطاعت کس طرح حق کے دشمنوں کے ساتھ خفیہ ساز باز میں بدل جاتی ہے۔

یہیں سے یہ حکمت آشکار ہوتی ہے کہ معاملہ محض حق کی پہچان کا نہیں بلکہ محمد ﷺ کے مشن کے ساتھ وفاداری اور فتنوں اور شدید دباؤ کے وقت اس پر ثابت قدم رہنے کا ہے۔

جب بھی یہ سورت تلاوت کی جاتی ہے، نبی ﷺ کا نام دوبارہ مومنین کو یاد دلاتا ہے کہ ایمان کا راستہ سچی پیروی، اللہ کی راہ میں جہاد اور اس منہج پر ثبات ہے جو اللہ کے نبی ﷺ لے کر آئے۔ یوں دل وحی کے نور اور اس راستے سے جڑ جاتا ہے جو محمد ﷺ نے اپنی امت کے لیے کھینچا ہے۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝(سورۃ محمد:۲۴)

”بھلا کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا دلوں پر وہ تالے پڑے ہوئے ہیں جو دلوں پر پڑا کرتے ہیں؟“

سورہ محمد کی یہ آیت ایک ایسا سوال کرتی ہے جو دل کو ہلا کر رکھ دیتا ہے:

”بھلا کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا دلوں پر وہ تالے پڑے ہوئے ہیں جو دلوں پر پڑا کرتے ہیں؟“

یہ متن کی لسانی سمجھ یا محض تلاوت کے بارے میں سوال نہیں ہے، بلکہ ”تدبر“ کے بارے میں ہے، یعنی معانی پر رکنا، انجام پر غور کرنا، اور آیات کو نفس اور زندگی کی حقیقت سے جوڑنا۔ گویا قرآن ایک حقیقت آشکار کر رہا ہے کہ ہدایت کا راستہ مبہم نہیں ہے اور حق چھپا ہوا نہیں ہے، بلکہ اصل مسئلہ ان دلوں میں ہے جو نور کے لیے اپنے دروازے نہیں کھولتے۔

پس تدبر محض ایک ذہنی عمل نہیں بلکہ وحی کے لیے دل کا کھل جانا ہے۔ جب بندہ قرآن میں تدبر کرتا ہے، تو وہ اس میں خیر و شر کی وضاحت، نجات اور ہلاکت کا راستہ پاتا ہے، اور اپنے رب کو اس کے اسماء، صفات اور احسانات کے ذریعے پہچانتا ہے، جس سے اس کا دل

ایمان اور یقین سے بھر جاتا ہے۔ لیکن جب دلوں پر تالے پڑ جاتے ہیں، تو قرآن ایک بند آنکھ کے سامنے موجود نور کی طرح ہو جاتا ہے، نور موجود تو ہوتا ہے لیکن آنکھ اسے قبول نہیں کرتی۔

اسی لیے قرآنی تعبیر بہت بلیغ ہے: ”أم علی قلوب أقفالها“، گویا دل وہ دروازے ہیں جو مضبوطی سے بند کر دیے گئے ہوں، جن میں نہ کوئی خیر داخل ہو سکتی ہے اور نہ ان سے کوئی سچائی نکل سکتی ہے۔ یہ تالے کوئی بیرونی چیز نہیں ہیں، بلکہ یہ خواہشاتِ نفس، گناہوں اور حق سے بار بار منہ موڑنے کا نتیجہ ہیں، یہاں تک کہ انسان اس مرحلے پر پہنچ جاتا ہے جہاں نہ نصیحت اس پر اثر کرتی ہے اور نہ آیات اسے حرکت دیتی ہیں۔

پھر اگلی آیت اس بندش کا نتیجہ ظاہر کرتی ہے یعنی حق کی معرفت کے بعد پھر جانا۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

> إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ○ (سورۃ محمد: ۲۵)
>
> ”حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ حق بات سے پیٹھ پھیر کر مڑ گئے ہیں، باوجودیکہ ہدایت ان کے سامنے خوب واضح ہو چکی تھی، انہیں شیطان نے پٹی پڑھائی ہے اور انھیں دور دراز کی امیدیں دلائی ہیں۔“

یہاں مسئلہ جہالت کا نہیں بلکہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد اسے مسترد کرنے کا ہے۔ یہ دل کو لگنے والی سب سے خطرناک بیماری ہے کہ انسان ہدایت کو دیکھے اور پھر اس سے پیٹھ پھیر لے۔ یہاں شیطان مداخلت کرتا ہے تاکہ گمراہی کے سفر کو مکمل کرے، وہ باطل کو مزین کرتا ہے اور اسے ایک معقول انتخاب بنا کر پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”الشیطان سوّل لهم وأملی لهم“ یعنی اس نے ان کے لیے گناہ کو خوش نما بنا دیا اور انہیں لمبی امیدیں دیں، یہاں تک کہ وہ یہ گمان کرنے لگے کہ جس راستے پر وہ چل رہے ہیں اس کا کوئی برا انجام نہیں ہو گا۔

لیکن قرآن اس قدم کو بھی بے نقاب کرتا ہے جو اس زوال کی طرف لے جاتا ہے، یہ اچانک نہیں آتا بلکہ حق کے ساتھ وفاداری میں ایک چھوٹی سی رعایت (کمپرومائز) سے شروع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ○ (سورۃ محمد: ۲۶)
>
> ”یہ سب اس لیے ہوا کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں، ان (منافقوں) نے ان سے یہ کہا ہے کہ بعض معاملات میں ہم تمہاری بات مانیں گے۔ اور اللہ ان کی خفیہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔“

یہ بظاہر ایک محدود سی بات لگتی ہے، ”بعض معاملات میں“۔ لیکن حقیقت میں یہ انحراف کا دروازہ کھولنا ہے۔ جب انسان راستے کے کسی ایک حصے میں باطل کی اطاعت قبول کر لیتا ہے، تو وہ آہستہ آہستہ حق کے ساتھ اپنا تعلق کمزور کر لیتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس سے بالکل جدا ہو جاتا ہے۔

یہاں دلوں کے بارے میں اللہ کی ایک خطرناک سنت (قانون) ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ حق سے پسپائی اپنی ابتدائی حدود پر نہیں رکتی۔ جو حق کے ایک حصے پر سودے بازی کرتا ہے، وہ پورا حق کھو سکتا ہے۔ کیونکہ دل جب سودے بازی کا عادی ہو جائے تو وہ اپنا قبلہ کھو دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”والله يعلم إسرارهم“، شاید انہوں نے سوچا ہو کہ یہ خفیہ سمجھوتے کبھی بے نقاب نہیں ہوں گے، لیکن اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے اور جب چاہتا ہے انہیں ظاہر کر دیتا ہے۔

پھر آیات اچانک آخری منظر کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں، جب وہ حقیقت سامنے آتی ہے جسے انہوں نے نظر انداز کرنے کی کوشش کی تھی:

> فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ○ (سورۃ محمد: ۲۷)
>
> ”پھر اس وقت ان کا کیا حال بنے گا جب فرشتے ان کی روح اس طرح قبض کریں گے کہ ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر مارتے جاتے ہوں گے؟“

یہ موت کے لمحے کی ایک ہیبت ناک تصویر کشی ہے جب انسان اپنے انتخاب کے نتائج کا سامنا کرتا ہے۔ جس نے اپنی زندگی میں حق سے اعراض کیا اور اس سے پیٹھ پھیری، اسے موت کے وقت چہروں اور پیٹھوں پر مار ماری جاتی ہے، گویا بدلہ عمل کی جنس سے ہے، کیونکہ یہ وہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے حق سے پیٹھ پھیری تھی۔

پھر وہ خلاصہ آتا ہے جو تمام مسائل کی جڑ کو بے نقاب کرتا ہے:

> ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ○ (سورۃ محمد: ۲۸)
>
> ”یہ سب اس لیے کہ یہ اس طریقے پر چلے جس نے اللہ کو ناراض کیا، اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کو خود انہوں نے ناپسند کیا، اس لیے اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیے۔“

پس معاملہ محض اجتہادی غلطی کا نہیں بلکہ سمت کے انتخاب کا ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کی رضا کے راستے کو پسند نہیں کیا اور نہ ہی اس کے قرب کی کوئی تڑپ رکھی، بلکہ ان چیزوں کی پیروی کی جو اس کی ناراضگی کا باعث بنتی ہیں۔ اسی لیے نتیجہ یہ نکلا: ”فأحبط أعمالهم“ (پس اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے)۔

اعمال کا ضائع ہونا سب سے بڑے نقصانات میں سے ہے۔ کیونکہ انسان بہت سے کام کر سکتا ہے، لیکن جب دل کی بنیادی سمت بگڑ جائے تو وہ تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے ترازو میں اعمال محض ظاہری افعال نہیں ہیں، بلکہ وہ دل کی سچائی اور رخ سے جڑے ہوتے ہیں۔

یوں یہ آیات انحراف کے سفر کو قدم بہ قدم واضح کرتی ہیں۔ بات قرآن کے تدبر سے دل کو بند کرنے سے شروع ہوتی ہے، پھر باطل کے ساتھ سودے بازی میں بدلتی ہے، پھر ان چیزوں کی پیروی تک جا پہنچتی ہے جو اللہ کو ناراض کرتی ہیں، یہاں تک کہ آخر کار اعمال کی بربادی اور کھلے نقصان پر ختم ہوتی ہے۔

اس کے برعکس، ایک مومن ان آیات سے یہ سمجھتا ہے کہ نجات دل کو قرآن کے لیے کھولنے سے شروع ہوتی ہے۔ جس نے سچائی کے ساتھ اس میں تدبر کیا، اس نے اللہ کا راستہ پہچان لیا، اس پر ثابت قدم رہا، اور ان خفیہ ڈھلوانوں سے بچ گیا جو شروع تو چھوٹی ہوتی ہیں لیکن ان کا انجام عظیم خسارہ ہوتا ہے۔ پس تدبر محض ایک قلبی عبادت نہیں بلکہ وہ حفاظتی والو (Safety Valve) ہے جو ایمان کی حفاظت کرتا ہے اور دل کو انحراف سے روکتا ہے۔ اور کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنا ہی اس تائید اور معیت کا راستہ ہے جو اللہ کے حکم سے انحراف کو روکتی ہے۔

یہاں مجھے ابن القیم رحمہ اللہ کا ایک خوبصورت قول یاد آتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

"جب بندہ کتاب (قرآن) پر ایمان لاتا ہے، مجموعی طور پر اس سے ہدایت پاتا ہے، اس کے احکامات کو قبول کرتا ہے اور اس کی خبروں کی تصدیق کرتا ہے، تو یہ اس کے لیے ایک اور ہدایت کا سبب بن جاتا ہے جو اسے تفصیل کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ ہدایت کی کوئی انتہا نہیں ہے، بندہ اس میں جس مقام پر بھی پہنچ جائے، اس کی ہدایت کے اوپر ایک اور ہدایت ہے، اور اس کے اوپر ایک اور ہدایت، جس کی کوئی حد نہیں۔ پس بندہ جتنا اپنے رب سے ڈرتا ہے (تقویٰ اختیار کرتا ہے)، وہ ایک اور ہدایت کی طرف بلند ہوتا ہے، چنانچہ جب تک وہ تقویٰ میں بڑھتا رہتا ہے، وہ مزید ہدایت پاتا رہتا ہے، اور جب بھی وہ تقویٰ کا کوئی حصہ گنوا دیتا ہے، تو اس کے بقدر ہدایت کا حصہ بھی اس سے چھوٹ جاتا ہے۔ پس جتنا وہ تقویٰ اختیار کرے گا، اس کی ہدایت بڑھے گی، اور جتنا وہ ہدایت پائے گا، اس کا تقویٰ بڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِى بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضْوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذْنِهِۦ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (سورۃ المائدۃ: ۱۵، ۱۶)

'اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے (یہ) پیغمبر آ گئے ہیں جو کتاب (یعنی توراۃ اور انجیل) کی بہت سی ان باتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو تم چھپایا کرتے ہو، اور بہت سی باتوں سے در گزر کر جاتے ہیں، تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی آئی ہے اور ایک ایسی کتاب جو حق کو واضح کر دینے والی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی خوشنودی کے طالب ہیں اور انہیں اپنے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے، اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے'۔"

اور آغاز کتاب اللہ کی تلاوت، اس کی آیات میں تدبر اور اللہ عزوجل کے حکم پر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے لبیک کہنے سے ہوتا ہے۔

پھر یہ آیات دلوں میں جو کچھ گزرتا ہے اس کا ایک درست نقشہ کھینچتی رہتی ہیں، گویا قرآن محض ظاہری اعمال کو ظاہر کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان گہرائیوں میں اتر جاتا ہے جہاں نیتیں اور محرکات تشکیل پاتے ہیں۔

چنانچہ اللہ نے جب ان لوگوں کی حقیقت فاش کر دی جنہوں نے تدبر سے اعراض کیا اور یہ واضح کر دیا کہ شیطان کس طرح انہیں قدم بہ قدم ارتداد کی طرف لے گیا، تو قرآن نفوس کے چھپے ہوئے بھیدوں پر ایک اور کھڑکی کھولتا ہے اور فرماتا ہے:

أَمْ حَسِبَ ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَن لَّن يُخْرِجَ ٱللَّهُ أَضْغَٰنَهُمْ ۝ (سورۃ محمد: ۲۹)

"جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے چھپے ہوئے کینوں کو اللہ کبھی ظاہر نہیں کرے گا؟"

یہ ایک ایسا سوال ہے جو اپنے اندر ایک سنگین تنبیہ رکھتا ہے کہ کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے، یہ گمان کر رکھا ہے کہ جو کچھ وہ چھپا رہے ہیں وہ ہمیشہ مستور رہے گا؟ کیا انہوں نے یہ وہم پال رکھا ہے کہ وہ کینے اور پوشیدہ دشمنیاں جو وہ اللہ کے دین کے لیے سینوں میں دبائے بیٹھے ہیں، وہ وہیں قید رہیں گی؟

دل کی بیماری اکثر چھوٹی سطح سے شروع ہوتی ہے۔ کوئی شبہ جسے بغیر کسی مزاحمت کے قبول کر لیا جائے، یا کوئی خواہش جس کی توبہ کے بغیر پیروی کی جائے، یا کوئی حسد جو خوبصورت الفاظ کے پیچھے چھپا ہو۔ یا کوئی تکبر جو بغیر کسی خوف کے ضد پر اڑا رہے۔ لیکن اگر اس بیماری کا علاج توبہ اور تدبر سے نہ کیا جائے، تو یہ آہستہ آہستہ ایک گہرے کینے اور حق کے خلاف پوشیدہ دشمنی میں بدل جاتی ہے۔ یہاں الٰہی انتباہ آتی ہے: اللہ ان کینوں کو ہمیشہ دفن نہیں رہنے دیتا، بلکہ وہ انہیں نکال باہر لائے گا اور اس وقت ظاہر کر دے گا جب وہ چاہے گا۔

اسی لیے سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ (سورۃ محمد: ۳۰)

”اور اگر ہم چاہیں تو تمہیں یہ لوگ اس طرح دکھا دیں کہ تم ان کی علامت سے انہیں پہچان جاؤ۔“

یعنی اللہ اس بات پر قادر ہے کہ ان کے چہروں پر نفاق کی علامتیں ایسی واضح کر دے جیسے جانوروں پر داغ لگا کر علامت بنا دی جاتی ہے، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ معاملات آزمائش کے دائرے میں رہیں، تاکہ سچا اور جھوٹا دعویدار اپنے ارادے اور انتخاب سے الگ الگ ہو جائیں۔

تاہم، نفاق کو چھپانے کا مطلب یہ نہیں کہ اسے پہچاننا ناممکن ہے، کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ (سورۃ محمد: ۳۰)

”اور (اب بھی) تم انہیں بات کرنے کے ڈھپ سے ضرور پہچان ہی جاؤ گے۔“

زبانیں دلوں کے آئینے ہوتی ہیں۔ انسان اپنی باتوں کو کتنا ہی کیوں نہ سنوار لے، اس کی زبان سے نکلنے والے غیر ارادی الفاظ (فلتات اللسان) وہ سب ظاہر کر دیتے ہیں جو اس کے سینے میں ہوتا ہے۔ کوئی راہ چلتی بات، کوئی تمسخرانہ لہجہ، یا کوئی ایسا تاثر جس میں حق کے لیے حقارت ہو، یہ سب وہ کچھ ظاہر کر دیتا ہے جسے بیمار دل چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی لیے بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ کسی نے کوئی راز نہیں چھپایا مگر اللہ نے اسے اس کے چہرے کے تاثرات اور زبان کی لغزشوں پر ظاہر کر دیا۔

پھر سیاق و سباق ایمان کے راستے کی ایک بڑی حقیقت کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ دلوں کی حقیقت دعوؤں سے نہیں، بلکہ امتحانوں سے جانی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ○ (سورۃ محمد: ۳۱)

”اور ہم ضرور تمہیں آزمائش میں ڈالیں گے، تاکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ تم میں سے کون ہیں جو مجاہد اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور تاکہ تمہارے حالات کی جانچ پڑتال کر لیں۔“

دعویٰ تو آسان ہے، لیکن آزمائش کے وقت ثابت قدمی ہی وہ چیز ہے جو ایمان کے جوہر کو ظاہر کرتی ہے۔

اللہ ہر چیز کو وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے، لیکن یہ آزمائش اس لیے ہے تاکہ ایمان حقیقت میں ظاہر ہو جائے، اور عقیدہ محض ایک بات سے بدل کر قربانی، صبر اور جہاد کی شکل اختیار کر لے۔

اور جہاد یہاں صرف قتال ہی نہیں ہے، بلکہ یہ ہر وہ مقام ہے جہاں ایک مومن کو حق پر جمے رہنے کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ چاہے وہ قیمت اس کے آرام کی صورت میں ہو، اس کے مال، اس کے مقام و مرتبے، یا یہاں تک کہ اس کی اپنی جان کی صورت میں۔

اور اس مقام پر خوف اور لرزہ پیدا کرنے والے معانی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خود جہاد بھی امتحان کا اختتام نہیں ہے، بلکہ یہ امتحان کا ایک اور میدان ہے جس میں اللہ دلوں کی سچائی ظاہر کرتا ہے۔

پس ہر وہ شخص جو ہتھیار اٹھائے ہوئے ہے ضروری نہیں کہ وہ سچا مجاہد ہو، اور ہر وہ شخص جو میدانِ قتال میں داخل ہوا ضروری نہیں کہ اس کا دل اللہ کے لیے مخلص ہو۔ اللہ مجاہدین کو بھی اسی طرح آزماتا ہے جیسے دوسروں کو، تاکہ وہ ظاہر ہو جائے جو اس کی رضا کے لیے لڑتا ہے، اور وہ بھی جو اپنی خواہش، عصبیت یا نام و نمود کے لیے لڑتا ہے۔

اسی لیے فرمایا: ”وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ“ یعنی ہم ان باتوں کو ظاہر کر دیں گے جو سینوں میں چھپی ہوئی ہیں، چنانچہ سختی کے لمحات میں باطن کے بھید اسی طرح کھل جاتے ہیں جیسے امتحان کی آگ میں دھاتوں کی حقیقت کھلتی ہے۔

پس جہاد اپنی حقیقت میں محض دشمن کا مقابلہ نہیں ہے، بلکہ اس سے پہلے یہ نفس، نیت اور صبر کا امتحان ہے۔ پس جس نے اپنے نفس اور خواہش سے جہاد کیا اور اللہ کے حکم پر ثابت قدم رہا، چاہے لوگ ناراض ہوں، وہی سچوں میں سے ہے، اور جو پیچھے ہٹ گیا یا غیر اللہ کے لیے لڑا اس کا معاملہ تھوڑی دیر بعد ظاہر ہو کر رہے گا چاہے اس نے کتنے ہی پرکشش نعرے کیوں نہ لگا رکھے ہوں۔

اسی لیے اکیلا اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کی راہ میں حقیقی جہاد کون کر رہا ہے۔ محض ہتھیار اٹھانے یا لڑائی میں کودنے کی بنیاد پر ہر مجاہد کی پاکیزگی (تزکیہ) بیان کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ ہی نیتوں اور مقاصد کو بہتر جانتا ہے!

ہم اللہ کے سامنے کسی کی پاکیزگی کا دعویٰ نہیں کرتے اور اللہ سے ہر سچے کے لیے ثابت قدمی مانگتے ہیں۔ اور ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ایسے جہاد سے جس میں خواہشِ نفس اخلاص پر غالب آ جائے، اور جس میں خون کا نذرانہ دنیاوی مفادات کے لیے سستا کر دیا جائے!

یوں بندوں میں اللہ کی سنت پوری ہوتی ہے کہ ایمان دعوؤں سے ثابت نہیں ہوتا، بلکہ تب پہچانا جاتا ہے جب دلوں کو بلاء اور جہاد کے میدان میں ڈالا جاتا ہے۔

انہی لمحات میں اس دل کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے جو یقین سے بھرا ہوا ہو، اور اس دل کے درمیان جو تردد سے بھرا ہو۔ مومن آزمائش کو درجات کی بلندی کا راستہ دیکھتا ہے، جبکہ منافق اسے ایک بوجھ سمجھتا ہے جس سے وہ بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے اس کا بے نقاب ہونا یا ظالموں والے انجام تک پہنچنا ناگزیر ہے! ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں باطن کی برائی اور برے خاتمے سے!

پھر یہ آیات اس حصے کا اختتام ان لوگوں کے لیے سخت وعید پر کرتی ہیں جنھوں نے کفر، لوگوں کو حق سے روکنے اور رسول ﷺ کی مخالفت کو یکجا کر دیا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ○ (سورۃ محمد: ۳۲)

”یقین رکھو کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے، اور پیغمبر سے دشمنی ٹھانی ہے باوجودیکہ ان کے سامنے ہدایت واضح ہو کر آگئی تھی، وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور عنقریب اللہ ان کا سارا کیا دھرا غارت کر دے گا۔“

ان لوگوں نے صرف اپنے لیے گمراہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ وہ ہدایت کے راستے میں رکاوٹ بن گئے۔ انہوں نے نہ صرف خود گمراہی اختیار کی بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کی۔

اور یہ کتنی قبیح بات ہے کہ انسان نبی ﷺ کی ہدایت کو پہچان لے اور پھر آپ ﷺ کی مخالفت اور آپ ﷺ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دے، چاہے اس کے ذرائع اور جواز کچھ بھی ہوں!

لیکن قرآن ایک بڑی حقیقت طے کرتا ہے کہ ان کی حق سے دشمنی اللہ کی بادشاہت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کر سکتی، اور نہ ہی اس دین کے سفر کو روک سکتی ہے۔ اللہ اپنے تمام بندوں سے غنی ہے، اصل خسارے میں وہی ہے جو حق کے مقابلے میں کھڑا ہو۔

اسی لیے سزا ان کے عمل کے عین مطابق تھی: ”وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ“ یعنی ہر وہ چیز جسے وہ کارنامہ سمجھ بیٹھے تھے، وہ خلا (صفر) پر ختم ہو گی۔ باطل کی نصرت میں انہوں نے جو بھی کوشش کی، اس کا پھل سوائے ناکامی کے کچھ نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ وہ اعمال جن پر وہ ثواب کی امید رکھتے تھے، قبول نہیں کیے جائیں گے، کیونکہ ان کی بنیاد، یعنی سچا ایمان، ہی مفقود ہے۔

یہیں سے وہ جامع وصیت آتی ہے جو سورت میں ان معانی کے بعد ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو مضبوطی سے تھامنا، اور ہر اس چیز سے بچنا جو عمل کو باطل یا فاسد کر دے۔

مومن صرف عمل کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اسے اس کے ضائع ہونے کا بھی ڈر رہتا ہے۔ وہ ریاکاری سے، خود پسندی سے اور ان گناہوں سے ڈرتا ہے جو اجر کو برباد کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ سب سے بڑا نقصان عمل کی کمی نہیں بلکہ عمل کرنے کے بعد اس کا ضائع ہو جانا ہے۔

یوں یہ آیات ایک گہرے پیغام کی تکمیل کرتی ہیں:

- ایمان کا راستہ قرآن کے تدبر سے شروع ہوتا ہے،
- پھر دل کی کینوں سے سلامتی کے ذریعے محفوظ ہوتا ہے،
- اور آزمائش و جہاد میں صبر کے ذریعے ثابت ہوتا ہے،
- اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی اطاعت سے مکمل ہوتا ہے۔
- جس نے ان معانی کو جمع کر لیا وہ حقیقت میں محمد ﷺ کے راستے پر ثابت قدم رہا،
- اور جس نے انہیں نظر انداز کیا اس کا دل منحرف ہو گیا چاہے وہ ظاہر میں حق سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔

اختتام کلام یہ کہ سورہ محمد ﷺ کی یہ آیات اللہ کی طرف جانے والے راستے کی حقیقت کو آشکار کرتی ہیں اور ساتھ ہی اس سے انحراف کے اسباب کو بھی بے نقاب کرتی ہیں۔ معاملہ کھلے کفر یا اعلانیہ نفاق سے شروع نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اس لمحے سے شروع ہوتا ہے جب قرآن کے تدبر سے اعراض کیا جائے، جب دل وحی کے نور کے سامنے اپنا دروازہ بند کر لے، تو خواہشات اور شبہات آہستہ آہستہ اس میں سرایت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ تالے اس طرح جمع ہو جاتے ہیں کہ حق واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے لیکن دل اسے قبول نہیں کرتا۔

یہیں سے زوال شروع ہوتا ہے، باطل کے ساتھ پوشیدہ سودے بازی سے، اور گمراہوں کی جزوی اطاعت سے، پھر وہ کینے ظاہر ہوتے ہیں جو سینوں میں چھپے ہوئے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں باتوں اور رویوں میں فاش کر دیتا ہے۔ اور تب اللہ کی وہ سنت آتی ہے جو کبھی نہیں بدلتی: آزمائش جو سچے اور جھوٹے دعویدار میں تمیز کر دیتی ہے۔ صبر اور جہاد کے میدانوں میں ہی ایمان کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، اور واضح ہو جاتا ہے کہ کون محمد ﷺ کے راستے پر ثابت قدم تھا، اور کون اس وقت تک آپ ﷺ کے پیچھے چل رہا تھا جب تک راستہ آسان تھا۔

پھر قرآن وہ عظیم حقیقت بیان کرتا ہے کہ اس دین کی دشمنی اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی، بلکہ اس کا شر اس کے کرنے والوں پر ہی پلٹتا ہے۔ باطل کی نصرت میں کی جانے والی ہر کوشش، اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے کی ہر چال کا انجام ناکامی ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنے دین کی نصرت کا ذمہ خود لے رکھا ہے، اور خسارے کو اپنے دشمنوں کا مقدر بنا دیا ہے۔

وہ پیغام جو یہ آیات ایک مومن کے دل میں چھوڑتی ہیں وہ بالکل واضح ہے کہ نجات محض کثرتِ اعمال میں نہیں ہے، بلکہ دل کی سلامتی، سچی اتباع، اور عمل کو برباد کرنے والی چیزوں سے اس کی حفاظت میں ہے۔ مومن اپنے عمل سے ویسے ہی ڈرتا ہے جیسے وہ عمل کرنے سے پہلے اپنے دل کے بارے میں ڈرتا ہے۔ اور یہی اصل ڈر (وجل) ہے! اور یہی ایمان کی حقیقت ہے!

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۳ پر)

فساد فی الارض

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

دنیا مسلسل زیر و زبر ہوئی پڑی ہے۔ ایک ایسی دلدل جس سے نکلنے کی ہر کوشش مزید گہرائیوں میں دھکیلتی ہے۔ سورۃ التین سامنے رہتی ہے۔ اکیسویں صدی میں امریکہ، اسرائیل کا جنگی جنون اور اس میں درندگی کی انتہائیں اسی پر منطبق ہوتی ہیں۔ انبیاء کی سرزمین پر انسانیت کی عالی صفات شخصیات، جو عظمت و کاملیت کی عین ان بلندیوں پر ایستادہ تھیں کہ: ''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا''۔ صرف جسمانی طور پر حسنِ یوسفؑ نہیں، بلکہ اخلاق، کردار، اطوار، صلح و جنگ، نجی اجتماعی، بین الاقوامی حیثیت میں انبیاء کو کامل و اکمل بنایا۔ ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کی سرزمین، محمد ﷺ کا مقامِ معراج۔ یہ ہے مشرقِ وسطیٰ بالخصوص سرزمین فلسطین یا انبیاء کا خطۂ شام! (فلسطین، اردن، لبنان، شام پر مشتمل) وہی سرزمین آیت کے اگلے حصے میں آج کے حقائق دکھا رہی ہے۔ ''پھر اسے الٹا پھیر کر ہم نے سب نیچوں سے نیچ کر دیا، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، کہ ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے''۔ (التین:۶-۴)

یہی سرزمین آج اسفل السافلین کی زد میں ہے۔ اس کی ایجادات میں صرف ایٹم بم نہیں۔ جو ہیروشیما، ناگاساکی کے مناظر والے تاریخ کے سیاہ ابواب رقم کرے۔ اسرائیل نے غزہ میں وہ ہلاکت خیز تھرموبیرک بم استعمال کیے جو ۳۵۰۰ سینٹی گریڈ درجہ حرارت پر جل کر ۳ ہزار فلسطینیوں کو بھاپ بنا کر اڑا گئے۔ نشان تک اجساد کا نہ چھوڑا۔ تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو۔ جو تازہ لاشوں کو قبرستان ادھیڑ کر ان کے اعضاء 'اعلیٰ سائنسی مہارت' سے نکال کر محفوظ کر کے بین الاقوامی تجارتی منڈیوں میں ٹرانسپلانٹ کے لیے بیچ کر ڈالر کھرے کرتے ہیں! ان کی دولت کے ذرائع؟ جنگی معیشت، ایپسٹین کو بچے، نوخیز لڑکیاں بیچ کر، دنیا کے وسائل (معدنیات، تیل، قیمتی دھاتیں) لوٹ کر، دمکتے شہر، بلند و بالا بلڈنگیں کھڑی کرتے ہیں۔ ذی شان کانفرنسوں کا رعب داب، دمکتے سوٹ بوٹ، انگریزی، فرنچ، AI (مصنوعی ذہانت) اور سوشل میڈیا کے ذریعے جھوٹ سچ کا ملغوبہ بیچ کر دنیا کو مبہوت، مسحور و مجبور کیے رکھنا ہے۔ ٹرتھ سوشل، ٹرمپ کا سرکاری بھونپو۔ سماجی رابطہ کاری کے لیے گلوبل چودھری کی پھرکی کی طرح قلابازی لگاتا پالیسی بیان جاری کرنے کا موبائل! جس پر 'ٹرتھ' (Truth) کے نام پر دجل، فریب جاری ہوتے ہیں۔

پہلے امریکہ اسرائیل نے مل کر سرزمین فلسطین کو خونِ مسلم سے رنگین کیا۔ یہ ہدف کم و بیش ۱۴ لاکھ شہادتوں تک (بین الاقوامی ادارہ، Lancet) رپورٹ کرتا رہا۔ مگر اب دیکھیں تو تعداد آپ کو ۲ لاکھ سے زیادہ نہیں ملے گی۔ ورنہ پورے غزہ کے ملبہ در ملبہ اونچی رہائشی عمارات میں مقیم جو دن رات مارے گئے، اندازہ مشکل نہیں! غزہ اور مغربی کنارہ اب ٹرمپ نے اسرائیل کے حوالے کر کے اگلی منزلیں سر کرنی تھیں۔

جنوبی امریکہ، گرین لینڈ، کینیڈا کو دھمکانا، تجارتی قلابازیاں، ٹیرف کی دھونس دھمکی، 'بورڈ آف پیس' تماشوں کی طوالت اور پھر یکایک ایران، اسرائیل اس دوران گریٹر اسرائیل مشن پر لبنان، شام پر جتا رہا۔ لبنان میں غزہ کے مناظر پیدا کیے۔ آمدِ دجال کی تیاری اور سیدنا مہدی کا ظہور اور شام میں احادیث میں مذکور ان کے مرکز کی مسلمانوں کو نہ زیادہ خبر ہے نہ دلچسپی۔ حبِ دنیا، کراہیۃ الموت کے اسیر شادیوں، بیاہوں، شاپنگوں، پلازوں، ساس بہو جھگڑوں، حسن و جمال کی دنیا، موبائل کی بے پناہ مصروفیات سے فارغ کہاں! نظام تعلیم نے مولوی کی نفرت رگ و پے میں اتار رکھی ہے۔ سو جو خدشہ علاماتِ قیامت میں پاکستان، افغانستان کی لشکر کشی اور مشترکہ رخ غزوۂ ہند یا لشکر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تھا، اس کے خلاف تدابیر ہو چکیں۔ امریکہ اسرائیل بھارت ہم سے بڑھ کر ان احادیث کے حوالے سے پیش بندی کر چکے! بھارت کی اسلام دشمنی بالخصوص کشمیر میں ظلم کی انتہاؤں پر ہے۔ لازم ہے کہ پاکستان دخترانِ ملت کی (سربراہ) آسیہ اندرابی کی عمر قید، ان کی ساتھیوں ناہیدہ نسرین اور فہمیدہ صوفی کی ۳۰، ۳۰ سالہ قید کو بین الاقوامی سطح پر اٹھائے۔ ڈاکٹر عافیہ کا قرضہ قوم پر ہنوز باقی ہے۔ دنیا کے لیے ثالثی اور اپنی مظلوم بیٹیوں کے لیے دادرسی مفقود؟ پناہ بخدا؟۔

حالاتِ حاضرہ دیکھیے۔ پس منظر پر ہم نے روشنی ڈالنے کی ادنیٰ کوشش کی ہے۔ امریکہ، ایران مذاکرات اور پاکستان کا اس میں سفارتی کردار دنیا پر چھایا رہا۔ بھر بھر کر جہاز دونوں اطراف سے مہمانوں کے آئے۔ ہم نے شاندار میزبانی کی۔ مگر کئی دہائیوں کا قضیہ، ۴۰ دن کی جنگ اور صرف ۲۱ گھنٹے بات چیت؟ پوری دنیا کی نظریں اسلام آباد پر مرکوز رہیں۔ ایران، امریکہ ایک دوسرے کا عزم ناپتے تولتے رہے۔ (ایران کی جنگ امریکہ، اسرائیل کو بہت مہنگی پڑی۔) امریکی نائب صدر وینس نے ۱۲ مرتبہ صدر ٹرمپ اور ایک مرتبہ نتین یاہو کو کال کی۔ ان کا مقصود ایران کو ایٹمی عزائم، ان کی خواہشات کی تکمیل سے باز رکھنا تھا۔ ہرمز کنٹرول کا تنازع تھا۔ یہ ایران کی دکھتی رگ ہے کہ اس کی تیل کی برآمد روکی جائے۔ جس سے بقول ایرانی سفارت کاروں کے، تیل کی قیمت بڑھے گی۔ ادھر ٹرمپ کی دھمکی اتوار ہی سے تیار تھی کہ بات چیت ناکام ہوئی تو ہم فوراً ہرمز بلاک کر دیں گے۔

اسلام آباد سے واپسی پر امریکی زبان میں مزید سختی آئی ہے۔ مسائل کا حل نرم گفتاری میں تھا۔ مگر امریکہ، اسرائیلی چنگل میں گرفتار ہے۔ پہلے بھی اسرائیل نے دورانِ مذاکرات جنگ شروع کر دی تھی۔ 'دلوں کے چاک رفو سے نہیں سلا کرتے۔ وفا کی آنچ، سخن کا تپاک دوان کو!' مگر امریکی، مہذب اردو زبان اور نرم خو، انصاف پسند، صلح جو اسلامی روایت سے ناآشنا تکبر، گھمنڈ، فرعونیت میں گندھے ہیں۔ یورپ سے نکل کر ریڈ انڈین (مقامی، آبائی امریکیوں) کو روند کر قبضہ جمانے کی غنڈہ گرد تاریخ کے حامل ہیں۔ ٹرمپ کا مزید لگ چکا ہے

صہیونی اسرائیل کا۔ امریکی نژاد ویٹی کن کے پوپ لیو نے ٹرمپ کو عقل کے ناخن لینے کی نصیحت اور خود کو خدائی طاقت کے حامل ہونے کے نفسیاتی گمان سے نکلنے کی تلقین کیا کی، ٹرمپ، خبطِ عظمت کا مریض بھنا اٹھا۔ 'لیو چپ کر کے اپنے (مذہبی) کام سے کام رکھے، سیاست نہ بگھارے۔ حالانکہ ٹرمپ کی اپنی قومی، معاشی، ریپبلکن پارٹی کی ساکھ کی ضرورت ہے کہ وہ خود کو اسرائیل کی مسلط کردہ دیوانگی سے نکال کر ملکی صورتحال پر متوجہ ہو۔

ملک میں ان کی ساکھ گر رہی ہے۔ انتخابات میں ریٹنگ نیچے جارہی ہے۔ خود کانگریس میں جنگ بند کرنے کا دباؤ ہے۔ ٹرمپ کے اعصاب شکستہ حال ہیں۔ اس کے دوبارہ جیتنے کے امکانات کم ہو رہے ہیں اور یہ اتنی ہی زور آوری دکھا رہا ہے۔ یورپ ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ برطانوی وزیراعظم پر سوموار کو جب دباؤ ڈالا گیا تو اس نے صاف جواب دے دیا۔ (ہم اس جنگ میں گھسیٹے جانے پر تیار نہیں۔ برطانیہ اپنے مفادات اور اپنے شہریوں کی سلامتی کو ترجیح دے گا خواہ ہم پر کتنا ہی دباؤ (امریکی) کیوں نہ ہو'۔ نیز ہرمز کی بندش کو بھی سٹارمر نے سختی سے رد کیا۔

امریکہ نے ہرمز کی بندش کر ڈالی۔ ٹرمپ نے کہا، امریکہ ہر اس جہاز کو بین الاقوامی پانیوں میں روکے گا جس نے ایران کو راہداری ٹیکس کی ادائیگی کی ہے۔ مجھے بات چیت کی پروا نہیں، ہو نہ ہو! امریکہ ہرمز کا بحری آمد ورفت کا عملی کنٹرول سنبھالے گا۔ جبکہ ایرانی فوج (گارڈز) کی تنبیہ یہ ہے کہ ہرمز کی طرف آنے والے فوجی جہاز جنگ بندی کی خلاف ورزی سمجھی جائے گی۔ ایران بھی اتنے ہی سخت گیر رویے پر قائم رہا۔ سپیکر محمد قالیباف نے ٹرمپ کو کہا، 'ٹرمپ کی نئی دھمکیاں ایرانی قوم کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ تم جنگ کرو گے تو ہم بھی تیار ہیں، تمھاری دھمکیوں پر نہ جھکیں گے۔' تاہم ہاتھیوں کی جنگ میں دنیا بھر کی غریب، متوسط آبادیاں رل جائیں گی۔ یو این نے کہا: ایران جنگ ۳۲ ملین کو غربت میں دھکیل سکتی ہے۔ گلوب چہار جانب امریکہ، اسرائیلی وحشیانہ جنگوں تلے تھرا رہا ہے۔ ٹرمپ کی لسانی بمباری اور دو انگلیوں تلے جاری ٹرتھ سوشل۔ گلوبل مارکیٹ اوپر نیچے ہو کر اربوں ڈالر ایک طرف جیبوں سے نکلتے دوسری طرف جیبیں جا بھرتے ہیں۔ سود اور جوئے کا ملغوبہ ناپاک معیشت زندگیاں اجیرن کر رہا ہے۔ کروڑوں کے لیے مرگِ مفاجات! تاہم اس جنگ سے 'راہِ فرار' ٹرمپ کی داخلی، سیاسی، معاشی مجبوری بن چکی ہے۔ گرتی ساکھ کو بچانے کو اسلام آباد مذاکرات کا متوقع دوسرا راؤنڈ ناگزیر ہے۔ امریکہ، اسرائیل کے پیدا کردہ فساد فی الارض سے دنیا بھر میں بیداری کی لہر اٹھ رہی ہے۔ باذن اللہ پاکیزہ فلسطینی خون رنگ لائے گا۔

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

مناظرے ناپسندیدہ ہیں!

"پہلے مجھے مناظرے کا بہت ہی شوق تھا ویسے ہی اب نفرت ہے۔ اس زمانہ شوق میں ایک عیسائی لیکچرار دیوبند میں آیا کرتا تھا، میں اس وقت مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ آکر مدرسے کے قریب تقریر کرنے لگا، طلبہ کا اور اہل قصبہ کا بڑا مجمع ہو گیا، وہ عیسائی کھڑا ہوا اور ایک ہاتھ میں انجیل لے کر حاضرین کو دکھا کر پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ مقصود یہ تھا کہ اگر یہ جواب ملا کہ یہ انجیل ہے تو یہ چونکہ مسلمان انجیل کو مانتے ہیں تو ان پر حجت ہو جائے گی۔ اب اس پر مستقل گفتگو ہوگی کہ مجیب کہے گا کہ یہ منسوخ ہے وہ کہے گا غیر منسوخ ہے۔ ابھی جواب نہیں دیا گیا تھا کہ حکیم مشتاق احمد صاحب رکن مدرسہ آگئے اور طلبہ سے کہا کہ تم ہٹو یہ تمہارا کام نہیں ہے ایسے جاہلوں سے مناظرہ کرنا ہمارا کام ہے۔ اس کے بعد اس سے فرمایا کہ میاں میں تمہارا جواب دوں گا۔ پوچھو کیا پوچھتے ہو۔ اس نے بڑے زور سے کہا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ وہی انجیل ہاتھ میں لے رہا تھا، انہوں نے فرمایا کہ یہ ہے کدو! اس نے اس پر برہم ہو کر کہا کہ تم بڑے گستاخ ہو، فرمایا گستاخی کی کون سی بات ہے ہماری تو یہی سمجھ میں آیا، تم سے کہہ دیا۔ اس کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ تحریف کے بعد یہ کتاب اللہ نہیں جیسے کدو کتاب اللہ نہیں۔ تو آج کل مناظروں میں اس قسم کے سوال اور جواب ہوتے ہیں اب صورت میں سوائے تضییع اوقات کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک مخاطب میں فہم نہ ہو گفتگو کرنا لا حاصل ہے اور یہ تو مناظرہ ہے جو اکثر فضول ہوتا ہے۔

میں تو مسائل کے جواب میں بھی سائل کی حیثیت کے موافق جواب دیتا ہوں گو اس سوال کا جواب نہ ہو۔ چنانچہ ایک بار ایک صاحب نے مجھ سے مسئلہ پوچھا تھا کہ ایک شخص کا انتقال ہوا ایک بھتیجا ایک بھتیجی چھوڑے، میراث کا کیا حکم ہے میں نے جواب دیا کہ بھتیجا میراث پائے گا، بھتیجی کو کچھ نہ ملے گا۔ اس پر اس نے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ؟ وہ پٹواری تھے میں نے کہا کہ بستہ پٹوار گیری کا تو طاق میں رکھو، طالب علمی شروع کرو تین برس کے بعد سمجھنے کی قابلیت پیدا ہو گی اس کی کیا وجہ اب بتلایئے ایسے بد فہم اور بد عقل لوگوں کا بجز اس کے کیا علاج؟"

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (نوّر اللہ مرقدہ)

(ملفوظاتِ حکیم الامت ج ۵)

اسرائیل کا سزائے موت کا قانون: فلسطینی وجود کو مٹانے کی کوشش

مریم برغوثی

پیر کے روز (۳۰ مارچ ۲۰۲۶ء)، اسرائیل نے ایک سزائے موت کا قانون منظور کیا جس کے تحت اسے ”دہشت گردی کے جرائم“ میں مجرم قرار دیے جانے والوں کو تیزی سے ۹۰ روزہ مدت کے اندر پھانسی دینے کی اجازت مل گئی ہے۔ فلسطینیوں کے لیے یہ قانون کوئی حیرت کی بات نہیں، یہ ان کے خاتمے کی ایک دیرینہ حکمتِ عملی کا محض ایک اور قدم ہے۔ گزشتہ ڈھائی برسوں میں کم از کم ۸۷ فلسطینی قیدی اس طرح ہلاک ہوئے ہیں جسے انسانی حکومت کی تنظیمیں ”تشدد کے کیمپوں کا نیٹ ورک“ کہتی ہیں۔ ہلاکتوں کی یہ تعداد ۱۹۶۷ء کے بعد سب سے زیادہ ریکارڈ شدہ تعداد ہے۔ اگرچہ اقوامِ متحدہ کے اداروں اور مختلف ریاستوں نے تشویش اور مذمت کا اظہار کیا ہے، فلسطینی اس قانون کو اس کی اصل حقیقت کو سمجھتے ہیں یعنی ایک ایسے عمل کو باضابطہ بنانا جو پہلے ہی جاری ہے۔

اس قانون کا وقت: فلسطینیوں کے لیے ایک پیغام

اہمیت صرف قانون کی شقوں کی نہیں بلکہ اس سیاق و سباق کی بھی ہے جس میں اسے منظور کیا گیا ہے۔ یہ اس واقعے کے ایک ماہ سے بھی کم عرصے بعد سامنے آیا ہے جب اسرائیل نے بدنامِ زمانہ حراستی کیمپ سدی تیمان میں فلسطینی قیدیوں کے ساتھ اجتماعی زیادتی کے الزام میں ملوث اپنے فوجیوں کے خلاف تمام الزامات واپس لے لیے۔

یہ محض اتفاق نہیں۔ اسرائیل احتساب میں استثناء کی روش کو قانونی شکل دے رہا ہے۔ ایک آبادی کو منظم جنسی تشدد کے لیے کھلی چھوٹ دی جا رہی ہے جبکہ دوسری کو اب ۹۰ دن کے اندر پھانسی کا سامنا ہے، ایک ایسے فوجی عدالتی نظام میں جو ۹۶ فیصد فلسطینیوں کو مجرم قرار دیتا ہے اور وہ بھی اکثر ایسے اعترافات کی بنیاد پر جو تشدد کے ذریعے حاصل کیے جاتے ہیں۔

یہ سب اس وقت میں بھی ہو رہا ہے جب مقبوضہ مغربی کنارے میں اسرائیلی تشدد نمایاں طور پر بڑھ چکا ہے۔ صرف گزشتہ ایک ماہ میں، اور ایران کے خلاف امریکہ اور اسرائیل کی جنگ کے ساتھ ساتھ، مسلح اسرائیلی ملیشیاؤں نے مغربی کنارے میں فلسطینیوں کے خلاف ۳۰۰ سے زائد خلاف ورزیاں کیں، جن میں قتل، چھاپے، گرفتاریاں، املاک کو نقصان پہنچانا اور تباہ کرنا، اور نقل و حرکت کی آزادی کو روکنا شامل ہیں۔

۲۰۲۳ء کے اواخر میں، جنوبی مغربی کنارے کے علاقے خیربت زانوتا کی پوری آبادی کو مسلسل آبادکار حملوں کے باعث بے دخل کر دیا گیا، جس نے وہاں رہنا ناممکن بنا دیا تھا۔ شمال میں، ۲۰۲۵ء میں، پناہ گزین کیمپ تباہ کیے گئے، خالی کرائے گئے، اور انہیں اسرائیلی فوجی اڈوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس سے قبل ماضی میں ختم کی گئی غیر قانونی اسرائیلی آبادیاں دوبارہ تعمیر کی جا رہی ہیں اور انہیں اسرائیل کی جانب سے قانونی حیثیت دی جا رہی ہے۔

حالیہ مہینوں میں نہ صرف فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی حملوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے بلکہ ان کی شدت اور درندگی بھی بڑھ گئی ہے۔

جنوری سے مارچ کے درمیان، اسرائیلی آبادکاروں اور فوجیوں نے بچوں کو اغوا کیا، قتلِ عام کے لیے حملے کیے، فلسطینی مردوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی، حتیٰ کہ ان کی شرم گاہوں کو باندھ کر انہیں ان کے گاؤں میں گھمایا گیا، اور فلسطینی خاندانوں کو قریب سے گولیاں مار کر قتل کیا۔

ان جرائم پر کسی ایک اسرائیلی کو بھی جواب دہ نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس کے برعکس، فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کیا جا رہا ہے، اور جو لوگ آبادکاروں کے حملوں سے اپنی برادریوں کا دفاع کرنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں اسرائیلی فوج گرفتار کر لیتی ہے۔

سزائے موت کے قانون کا پیغام واضح اور دانستہ ہے: اسرائیلی قانونی نظام میں فلسطینیوں کے کوئی حقوق نہیں۔ ان کا خاتمہ، چاہے وہ بے دخلی کے ذریعے ہو، موت کے ذریعے، یا انہیں تھکا دینے کے ذریعے، ہی مطلوبہ نتیجہ ہے۔

فلسطینی مزاحمت کی صلاحیت کا خاتمہ

دہائیوں سے اسرائیل کو، مغربی کنارے میں فلسطینیوں کے خلاف، حتیٰ کہ اسرائیلی شہریت رکھنے والے فلسطینیوں کے خلاف بھی، امتیازی قانونی ڈھانچوں کی وجہ سے تنقید اور مذمت کا سامنا رہا ہے۔

تاہم یہ علیحدگی صرف نسلی برتری کو اجاگر کرنے کے لیے نہیں بلکہ ایک منظم انتظامی ٹوٹ پھوٹ پیدا کرنے کے لیے ہے۔ جنوری میں جاری ہونے والی اقوامِ متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق، اس نوع کے قوانین فلسطینی خود ارادیت کو مٹانے اور علاقائی، سیاسی یا ثقافتی تسلسل کے امکانات کو ختم کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔

سزائے موت کا قانون اسرائیل کی دیرینہ نسلی امتیاز اور الگ عدالتی نظام کی پالیسی کے عین مطابق ہے۔ اسے بڑی احتیاط سے اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ اس کا اطلاق صرف فلسطینیوں پر ہو۔

اس قانون کا سب سے خطرناک پہلو اس کی امتیازی ساخت نہیں بلکہ وہ منطق ہے جو اس میں پیوست ہے۔ قانون کے تحت ”وہ شخص جو کسی دوسرے کی جان بوجھ کر اس نیت سے جان

لے کہ اسرائیل کے کسی شہری یا رہائشی کو نقصان پہنچائے، اور جس کا مقصد ریاستِ اسرائیل کے وجود کو مسترد کرنا ہو" اسے سزائے موت یا عمر قید دی جاسکتی ہے۔

صرف یہ شق ہی ایک غیر معمولی کام کرتی ہے: یہ محض تشدد کو جرم قرار نہیں دیتی بلکہ اسرائیلی قبضے کے تحت فلسطینی ہونے کی سیاسی حالت کو ہی جرم بنا دیتی ہے۔

ایک آبادکار توسیع پسند ریاست کے طور پر، اسرائیل دراصل یہ کہہ رہا ہے کہ ایک ایسی قوم جسے منظم طور پر بے دخل کیا جارہا ہو، اسے اس بے دخلی کے خلاف مزاحمت کا بھی حق حاصل نہیں۔ یوں ایک فلسطینی جو اپنے گاؤں کو مسلح آبادکاروں کے ہاتھوں خالی ہوتے دیکھ رہا ہو، اور جنہیں قتل و حملوں پر کوئی قانونی سزا نہیں ملتی، اب محض زندہ رہنے اور اپنے پیاروں کے تحفظ کی خواہش رکھنے پر سزائے موت کا مستحق ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

اسرائیلی پالیسی ساز اس بات کو یقینی بنا رہے ہیں کہ فلسطینی قصبوں اور دیہات سے فلسطینیوں کی تدریجی مگر تیز رفتار بے دخلی کے دوران مزاحمت ناممکن ہو جائے۔ اس طرح، اسرائیل دراصل ایک قوم کے عدم وجود کو ادارہ جاتی شکل دے رہا ہے۔

سزائے موت کا قانون زمین کے انضمام سے متعلق ہے

سزائے موت کے قانون کو صرف قیدیوں سے متعلق پالیسی سمجھنا اس کے مقصد کو مکمل طور پر نظر انداز کرنا ہے۔ فلسطینی پہلے ہی اپنے گھروں اور سڑکوں پر بغیر کسی عدالت، بغیر کسی الزام، اور بغیر ۹۰ دن کی مہلت کے قتل کیے جارہے ہیں۔

یہ قانون، آبادکاریوں کو قانونی حیثیت دینا، فوجی عدالتیں، مسماری کے احکامات، اور غزہ کا محاصرہ، یہ سب الگ الگ مسائل کے جواب میں بنائی گئی پالیسیاں نہیں ہیں۔ یہ ایک ہی منصوبے کے اوزار ہیں: فلسطینی زمینوں پر مکمل قبضہ، فلسطینی جسموں پر مکمل کنٹرول کے ذریعے۔ ہر ایک مختلف حالات میں مختلف لوگوں کو نشانہ بناتا ہے، مگر مقصد ایک ہی ہے۔

کسی ایک بڑے اور اچانک تطہیری عمل کے بجائے، اسرائیل ایک ایسی حقیقت تشکیل دے رہا ہے جس میں فلسطینی نہ زمین پر رہ سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی مٹتی ہوئی شناخت کے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے زندہ رہ سکتے ہیں۔ یہ قانون پہلے سے جاری خاتمے کے ایک مکمل ڈھانچے میں محض ایک نئی تہہ کا اضافہ کرتا ہے۔

فلسطینیوں کے لیے سزائے موت کا آغاز اس قانون سے نہیں ہوا تھا۔ اس کا آغاز پہلی اسرائیلی بستی کے قیام سے ہوا تھا۔

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین، مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

"

فلسطین ہمیں (کفار کے سامنے) سرِ تسلیم خم کرنے والے حکمرانوں کے مذاکرات اور کانفرنسوں سے ہرگز واپس نہیں ملے گا، اور نہ ہی (عمل سے خالی) بیٹھے رہنے والے داعیوں کے مظاہروں اور انتخابات سے، یہ دونوں ہی امت پر آنے والی مصیبت کے دو چہرے ہیں۔

بلکہ، اللہ کے اذن سے فلسطین اسی وقت ہمیں واپس ملے گا، جب ہم اپنی غفلت سے بیدار ہو جائیں، اپنے دین کو مضبوطی سے تھام لیں اور اپنا مال اور اپنی جان اس پر قربان کریں۔

شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ

ایک صوتی پیغام سے اقتباس

اسرائیل کے زمینی قبضے کو ممکن بنانے والے مذاکرات

ڈیانا بٹو

۲۰۰۰ء کے ابتدائی برسوں میں، میں فلسطینی ٹیم کا حصہ تھی جو بظاہر اسرائیل کے فوجی قبضے اور فلسطینی سرزمین کی نوآبادیات کے خاتمے کے لیے مذاکرات کر رہی تھی۔ یہ تصور اُس وقت بھی اتنا ہی بے ہودہ تھا جتنا آج ہے کہ جو لوگ فوجی تسلط کے تحت زندگی گزار رہے ہوں، انہیں اپنی آزادی کے لیے ”مذاکرات“ کرنا پڑیں، اور زمین کے اصل مالکوں کو اپنی ہی زمین اسرائیل سے واپس لینے کے لیے ”مذاکرات“ کرنا ہوں۔

اُس وقت ہم فلسطینیوں کو دنیا کے کئی سربراہانِ مملکت، جن میں امریکہ اور یورپ کے رہنما بھی شامل تھے، یہ کہتے تھے کہ اس کے سوا کوئی راستہ نہیں، اور آزادی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ مذاکرات ہی ہیں۔ مگر حقیقتاً یہ سراسر غلط تھا، کیونکہ دنیا میں تقریباً کوئی بھی ریاست اپنے جابروں کے ساتھ مذاکرات کر کے آزادی اور خود مختاری حاصل نہیں کر سکی۔

جب مذاکرات جاری تھے، تو اسرائیل نے اسی موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی غیر قانونی بستیوں کو تعمیر اور توسیع دی، اور اوسلو مذاکرات کے صرف سات برسوں میں اسرائیلی آبادکاروں کی تعداد دوگنی کر دی۔ دوسرے لفظوں میں، ”مذاکرات“ کے پردے میں اسرائیل نے مزید زمین چرائی۔ یہی عالمی رہنما، جنھوں نے مذاکرات پر زور دیا تھا، اور ان کے جانشین، ہمیں مسلسل یہ جھوٹ بیچتے رہے کہ اسرائیل کی طرف سے چوری کی گئی تمام زمین کامیاب مذاکرات کے ذریعے واپس کروالی جائے گی۔

یقیناً انہوں نے کبھی کوئی پلان بی پیش نہیں کیا، حالانکہ زمین پر قبضہ اور اس کی چوری کی غیر قانونی حیثیت بین الاقوامی قانون کا بنیادی ستون ہے۔ دوسری جانب اسرائیل ”امن“ اور ”مذاکرات“ کی خواہش کا راگ الاپتا رہا، جبکہ ساتھ میں مسلسل مزید فلسطینی زمین بھی ہڑپ کرتا گیا۔

چھبیس برس بعد بھی ہم وہی ہتھکنڈے دیکھ رہے ہیں، کیونکہ اسرائیل کی تخلیق ہی ابتدا سے اسی طریقۂ کار پر ہوئی تھی۔ صہیونی منصوبے کے آغاز سے اسرائیل کا ہدف ہمیشہ اپنے زیرِ کنٹرول علاقے کو وسعت دینا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے تقسیم کے منصوبے میں، اگرچہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس تقسیم کو ”قبول“ کر لیا تھا (حالانکہ کسی کو یہ اختیار ہی نہ تھا کہ وہ کسی اور کی زمین بانٹے)، صہیونی حملے صرف اُن علاقوں تک محدود نہ رہے جو غیر قانونی طور پر ”یہودی ریاست“ کو الاٹ کیے گئے تھے، بلکہ اُن کا رخ اس سے کہیں باہر تک تھا۔ اسی لیے اسرائیل نے ۱۹۶۷ء میں شام، مصر اور اردن پر ”پیشگی“ (یعنی غیر قانونی) حملہ کیا، اور آج تک بین الاقوامی قانون اور عالمی فیصلوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مغربی کنارے، غزہ کی پٹی اور گولان کی پہاڑیوں پر غیر قانونی قبضہ اور نوآبادیاتی تسلط برقرار رکھے ہوئے ہے۔ تاہم ۱۹۹۰ء اور ۲۰۰۰ء کی دہائیوں میں اسرائیلی رہنماؤں کی جانب سے ”امن کی خواہش“ کی پھول برساتی زبان کے برعکس، آج اسرائیلی قیادت زیادہ کھل کر سامنے آچکی ہے: وہ اب یہ پوشیدہ نہیں رکھتی کہ اس کا ارادہ مقبوضہ مغربی کنارے کو ضم کرنے، غزہ کی پٹی کو دوبارہ نوآبادیاتی کنٹرول میں لینے، اور لبنان و شام سے مزید زمین ہتھیانے کا ہے۔ اور مستقل جنگ کے پردے میں اسرائیل نے عملاً یہی کچھ کیا بھی ہے۔ اسرائیل لبنان اور غزہ کے اندر گہرائی تک جا چکا ہے، حتیٰ کہ ”جنگ بندیوں“ کے دوران بھی۔

گزشتہ چند برسوں میں اسرائیل نے نہ صرف ہسپتالوں، اسکولوں، امدادی کارکنوں، صحافیوں اور بچوں پر بمباری کو معمول بنا دیا ہے، بلکہ ہدفی قتل، اور اس سے بھی زیادہ تشویش ناک طور پر نسل کشی کو بھی معمول کا حصہ بنا دیا ہے۔ اور اسرائیل کا سامنا کرنے کے بجائے یہی عالمی رہنما اسے تحفظ فراہم کرتے رہے ہیں اور بدترین بین الاقوامی جرائم پر اسے استثنا دیتے رہے ہیں۔ اس لیے یہ حیرت کی بات نہیں کہ اسرائیل مسلسل مزید زمین چوری کرتا جا رہا ہے۔

مگر جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ بین الاقوامی قانونی نظام کی بنیاد ہی یہ ہے کہ ریاستیں زمین نہیں چرا سکتیں، وہ کسی دوسرے ملک کی سرزمین پر قبضہ نہیں کر سکتیں۔ یہ بنیادی اصول ایک وجہ سے موجود ہے، کیونکہ اگر ریاستوں کو زمین ہتھیانے کی اجازت دے دی جائے تو اس سے مزید جنگیں جنم لیتی ہیں۔ جب اسرائیل کئی ممالک میں پیش قدمی کر رہا ہے اور آزادی سے انکار کر رہا ہے، تو اصل سوال یہ ہے کہ آیا اسرائیل اُس قانونی اور عالمی نظم سے بالاتر ہو چکا ہے جو دوسری جنگِ عظیم کے بعد قائم کیا گیا تھا، یا پھر وہ اصول، جن پر ہمارا یقین قائم کروایا گیا، دراصل قابلِ اطلاق ہی نہیں؟

لبنان پہلے ہی اُسی جال میں پھنس چکا ہے جس میں فلسطینی ۱۹۹۰ کی دہائی میں پھنسے تھے، یعنی یہ یقین کر لینا کہ مذاکرات اسرائیل کو اپنی سرزمین سے نکالنے کا راستہ ہیں۔ ان مذاکرات کے اختتام پر، اگر کبھی ان کا اختتام ہوا بھی تو، لبنان اور شام کے پاس پہلے سے بھی کم زمین بچے گی، کیونکہ زمین کی واپسی کے نام پر ”مذاکرات“ کا یہ طریقہ دراصل اسرائیل کی مستقل موجودگی کا نسخہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم کبھی ایسا نظام دیکھیں گے جو آخر کار اسرائیل کا واقعی مقابلہ کرے گا، جس نے بین الاقوامی قانونی نظام کا مذاق بنا دیا ہے، یا پھر یہی نیا معمول (status quo) بن جائے گا؟

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

یہودی ہو تو بری، فلسطینی ہو تو پھانسی

وسعت اللہ خان

۲۰۲۲ء میں اسرائیلی تاریخ کی سب سے متشدد، نسل پرست، توسیع پسند مخلوط حکومت کی تشکیل کی سودے بازی میں مقبوضہ مغربی کنارے کے یہودی آباد کار اتمار بن گویر کی جماعت جیوش پاور (اوتزما یہودت) نے نیتن یاہو کے سامنے جو شرائط رکھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ”فلسطینی دہشت گردوں“ کو سزائے موت دینے کے لیے قانون سازی کی جائے گی۔

۱۹۶۲ء میں نازی جنگی مجرم ایڈولف آئخ مین کی پھانسی کے بعد سے اب تک اسرائیل میں کسی کو تختۂ دار پر نہیں لٹکایا گیا۔ آئخ مین سے قبل ۱۹۴۸ء میں ایک اسرائیلی فوجی افسر مائر توبیانسکی کو غداری کے جرم میں فوجی عدالت کے فیصلے کے بعد پھانسی دی گئی۔ تاہم بعد از موت مقدمے کا از سرِ نو جائزہ لیتے ہوئے مائر توبیانسکی کو عدالتی ریکارڈ میں بے گناہ لکھا گیا۔

۱۹۵۴ء میں سپریم کورٹ نے عام قتل کے لیے سزائے موت کو پینل کوڈ سے خارج کر دیا اور صرف غداری اور نازی جنگی مجرموں کے لیے ہی موت کی سزا برقرار رکھی گئی۔ ۱۹۸۸ء میں نازی مجرم جان دیمانک کو سزائے موت سنائی گئی تاہم ۱۹۹۳ء میں سپریم کورٹ نے اس سزا کو عمر قید میں بدل دیا۔

۷ اکتوبر ۲۰۲۳ء سے اب تک ۹۰ فلسطینی اسرائیلی جیلوں میں بھوک، ٹارچر یا علاج کی سہولت نہ ملنے کے سبب جاں بحق ہو چکے ہیں۔ فلسطینی بھلے جیل میں ہوں یا جیل سے باہر۔ ان کی زندگی ویسے بھی ارزاں ہے۔ سزائے موت کے قانون کے نفاذ سے بس اتنا ہو گا کہ فلسطینی قیدیوں کی ایک بڑی تعداد کو ”قانونی“ طریقے سے ٹھکانے لگانے کا راستہ ہموار ہو گیا ہے۔

اس قانون کی منظوری سے کئی ماہ پہلے ہی بدنام زمانہ اوفر جیل میں پھانسی گھاٹ تعمیر کر دی گئی۔ قومی سلامتی کے وزیر بن گویر جب بھی اسرائیلی جیلوں کا دورہ کرتے تو اپنے گلے کے گرد دونوں ہاتھوں سے حلقہ بنا کر فلسطینی قیدیوں کو جتاتے کہ تم سب پھانسی کے حق دار ہو۔

اتمار بن گویر کتنا بڑا ذہنی مریض ہے؟ ایک قصہ سن لیجیے۔ ”ولید دقا“ فلسطینی ادب کا ایک معتبر نام ہے۔ ولید کو ”دہشت گردی“ کے الزامات میں مقبوضہ مغربی کنارے کی ایک فوجی عدالت نے ۱۹۸۰ء کے عشرے میں ۳۸ برس قید کی سزا سنائی۔ ۲۰۲۳ء میں ولید نے اپنی سزا مکمل کر لی مگر رہا کرنے کے بجائے دیگر قیدیوں کے اہل خانہ سے رابطہ کاری میں ”مدد“ کے جرم میں ولید کی سزا میں مزید دو برس کی توسیع ہو گئی۔ اپریل ۲۰۲۴ء میں ولید کا قید خانے میں ہی باسٹھ برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ انہیں کینسر تھا۔

اتمار بن گویر نے اپنے دکھ کا اظہار کچھ یوں کیا: ”مجھے ولید کی طبعی موت کا بہت افسوس ہے۔ میرا بس چلتا تو اپنے ہاتھ سے پھانسی دیتا“۔ (ولید کی لاش آج تک اسرائیلی سرد خانے میں قید ہے)۔

۳۰ مارچ کو پارلیمنٹ میں اس قانون کے لیے فائنل ووٹنگ ہوئی۔ اجلاس کی خاتون صدر منظوری کا اعلان کرتے ہوئے مارے خوشی کے رو پڑیں۔ نیتن یاہو کے ووٹ سمیت بل کے حق میں ۶۲ اور مخالفت میں ۳۷ ووٹ آئے۔ بن گویر نے اسمبلی فلور پر شیمپین کی بوتل کھولتے ہوئے کہا: ”اب ہم مجرموں کو ایک ایک کر کے گنیں گے اور آگے بھیجیں گے“ (یعنی تختۂ دار پر لٹکائیں گے)۔

یہ غالباً دنیا میں اپنی نوعیت کا پہلا قانون ہے جس کے تحت اگر کسی فلسطینی پر کسی یہودی کی جان لینے کا الزام ثابت ہو جائے تو اسے لازماً ۹۰ دن کے اندر پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ فوجی عدالت سادہ اکثریت سے بھی فیصلہ کر سکتی ہے۔ جبکہ کوئی یہودی اگر غیر یہودی (فلسطینی) کو قتل کر دے تو اسے زیادہ سے زیادہ عمر قید کی سزا ہو سکتی ہے۔

اس قانون کا اطلاق محض اسرائیل کی حدود میں ہی نہیں بلکہ مقبوضہ مغربی کنارے اور غزہ پر بھی ہو گا، جہاں گزشتہ ۵۹ برس سے مارشل لا نافذ ہے اور آج فلسطینی کسی بھی جرم میں حراست میں لیے جائیں ان میں سے ننانوے اعشاریہ چوہتر فیصد کو کوئی نہ کوئی چھوٹی بڑی سزا سنائی جاتی ہے۔ جبکہ مقبوضہ مغربی کنارے پر آباد یہودیوں کے مقدمات سول عدالتوں میں چلائے جاتے ہیں اور ان کو ملنے والی عدالتی سزاؤں کا تناسب (کنوکشن ریٹ) محض ڈھائی فیصد ہے۔ یعنی سو میں سے ستانوے یا اٹھانوے ملزم چھوٹ جاتے ہیں۔

ان بری ہونے والوں میں ۷ اکتوبر ۲۰۲۳ء کے بعد سے اب تک مغربی کنارے کے دیہاتوں سے چالیس ہزار سے زائد فلسطینیوں کو بندوق کی نوک پر بے دخل کرنے، زمینوں اور باغات پر قبضہ کرنے کے لیے قتل، ریپ اور اغوا کی ساڑھے سات ہزار وارداتوں میں ملوث وہ سیکڑوں مسلح یہودی آباد کار بھی شامل ہیں جن کے خلاف فردِ جرم عموماً دو پیشیوں کے بعد داخلِ دفتر ہو جاتی ہے۔

اس وقت اسرائیلی جیلوں میں ۳۶۰ بچوں اور ۷۳ خواتین سمیت ساڑھے نو ہزار سے اوپر فلسطینی قیدی ہیں۔ ان میں سے محض ایک ہزار پر باقاعدہ فردِ جرم عائد کی گئی ہے۔ باقی قیدیوں کو کئی کئی برس سے انتظامی نظر بندی کے مبہم قانون کے تحت رکھا جا رہا ہے۔ ان کی قید میں ہر چھ ماہ بعد توسیع کر دی جاتی ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۳ پر)

pepsi
خون
فلسطین
بچے
بوڑھے
خواتین
صہیونی مصنوعات کا......
#بائیکاٹ_کیجیے!

قسط ۱۵

عمرِ ثالث

امارت اسلامیہ افغانستان کے مؤسس

عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی مستند تاریخ

مصنف: قاری عبدالستار سعید

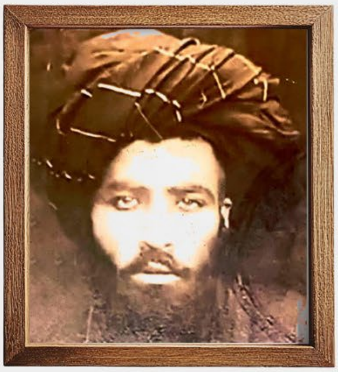

وزارتیں اور صوبے

فتح کابل کے بعد جب امارتِ اسلامیہ کی مکمل حاکمیت کا مرحلہ شروع ہوا تو ابتدائی طور پر کابینہ پچیس وزراء اور گیارہ اہم اداروں (محکموں) پر تشکیل دی گئی۔ ان اداروں میں بلدیۂ کابل (میونسپلٹی) اور استغاثۂ کابل (کابل پراسیکیوشن) بھی شامل تھے۔

سرکاری نظام کو فعال بنانے کے لیے ملا صاحب نے ابتدائی کابینہ صوبہ قندھار کے مختلف محکموں کے ڈائریکٹرز میں سے منتخب کی۔ بعد ازاں انہوں نے ایک فرمان کے ذریعے ان تمام افراد کو ہدایت جاری کی کہ وہ متعلقہ وزارتوں کی ذمہ داریاں سرپرست وزراء کی حیثیت سے سنبھالیں اور اپنے فرائض انجام دیں۔

وزارتوں اور دیگر عمومی اداروں کی باگ ڈور ایک خود مختار ادارے، ”ریاستُ الوزراء“ کے سپرد تھی، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

بعد ازاں وزارتِ عدلیہ کی کوششوں سے شوریٰ وزراء کے لیے ایک باقاعدہ قانون مرتب کیا گیا، جو امیر المومنین کی جانب سے منظور ہوا۔ اس قانون کے نفاذ کے ساتھ ہی وزراء کی تعداد میں تبدیلی کی گئی، اور امارتِ اسلامیہ کی تنظیمِ نو کے تحت ۲۱ وزارتیں اور ۸ بڑے ادارے قائم کیے گئے۔

اس قانون کی ایک شق میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ:

> ”وزارتیں امارتِ اسلامیہ کے مرکزی اداروں میں شمار ہوں گی، جو اپنے سپرد کردہ امور کی انجام دہی کی پابند ہوں گی۔ یہ وزارتیں اپنی تمام سرگرمیاں شریعتِ اسلامی کے احکام، نافذہ قوانین، امارت کے فرامین، اور قانونِ وزراء کی روشنی میں سرانجام دیں گی۔“

امارتِ اسلامیہ کی وزارتیں دارالحکومت کابل میں اپنی سابقہ عمارتوں ہی میں اپنی ذمہ داریاں انجام دیتی رہیں۔ وزراء کی تقرری، تبدیلی اور معزولی کے اختیارات کے ساتھ ساتھ، وزارتوں کو محکموں کی سطح پر لانا یا کسی محکمے کو وزارت کا درجہ دینا، مختلف وزارتوں کو باہم ضم کرنا یا کسی وزارت کو ختم کرنا، یہ تمام اختیارات صرف اور صرف امیر المومنین، ملا محمد عمر مجاہد کے پاس محفوظ تھے۔

افغانستان کے ۳۲ صوبوں میں سے صرف صوبہ بدخشان کا مرکز امارتِ اسلامیہ کے کنٹرول میں نہ آسکا تھا، جبکہ دیگر اکتیس صوبوں میں امارتِ اسلامیہ کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ گزشتہ نظام کی طرح امارتِ اسلامیہ میں بھی انتظامی تقسیم کے اعتبار سے صوبوں کو مختلف زونز میں تقسیم کیا گیا تھا، اور جن صوبوں میں کوئی اہم اور مرکزی شہر موجود تھا، اسے زون کا درجہ دے دیا گیا۔

تمام والیان (گورنرز) اپنے اپنے صوبوں میں امارتِ اسلامیہ کے نمائندے کی حیثیت رکھتے تھے اور ہر نوع کی حکومتی پالیسی پر عمل درآمد کے پابند تھے۔ ان کی تقرری امیر المومنین کی جانب سے کی جاتی تھی اور وہ براہِ راست انہی کے حضور جوابدہ ہوتے تھے۔

علمائے کرام کی شوریٰ

جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ (مطابق ستمبر۔اکتوبر ۱۹۹۹ء) میں امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد نے ایک اہم تجدیدی اقدام کے طور پر افغانستان کے ہر صوبے اور ضلع کی سطح پر علمائے کرام کی شوریٰ کے قیام کا فرمان جاری فرمایا۔ اس فرمان کے ساتھ ہی شوریٰ کے لیے ایک باقاعدہ لائحۂ عمل بھی امارتِ مقام کی جانب سے جاری کیا گیا، جس کے نتیجے میں انہیں ایک نگران اور خود مختار حکومتی ادارے کی حیثیت حاصل ہوئی۔

یہ شورائیں ملک بھر میں تقریباً ہر ضلع کی سطح پر قائم کی گئیں۔ ایک جانب یہ حکومتی امور کی نگرانی کا کام سرانجام دیتی تھیں، جبکہ دوسری جانب عوام میں اختیارات کی تقسیم اور شمولیت کے عمل کو فروغ دیتی تھیں۔ چونکہ ہر صوبے اور ضلع کی شوریٰ میں مقامی افراد ہی کو شامل کیا جاتا تھا، اس لیے وہ نہ صرف حکومتی اہلکاروں کی مؤثر نگرانی کرتی تھیں بلکہ مقامی سطح پر رہنمائی اور اصلاح کا فریضہ بھی بخوبی سرانجام دیتی تھیں۔

ان میں شمولیت کے لیے کم از کم متوسط درجے کی تعلیم ضروری تھی، نیز رکن کا ماضی نیک نامی پر مبنی ہونا چاہیے تھا اور اس کا کسی غیر اسلامی یا امارتِ اسلامیہ کے مخالف گروہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔

ہر شوریٰ کی ساخت امیر، نائب امیر، منتظم اور ذمہ دارِ تعلقات پر مشتمل ہوتی تھی۔ ان شوراؤں کے اراکین کی تعداد کم از کم دس مقرر کی جاتی، جو ہر ماہ کم از کم ایک مرتبہ صوبائی یا

ضلعی مرکز میں اجلاس منعقد کرتے، تاہم ضرورت کے پیشِ نظر اضافی نشستوں کا انعقاد بھی ممکن تھا۔

درجِ بالا شوریٰ کے بنیادی فرائض

۱۔ دعوت و اصلاح

دعوتِ دین کے فروغ کے لیے مجالس کا انعقاد، جن کے ذریعے عوام کی دینی و اخلاقی اصلاح کی جائے۔ دشمنانِ اسلام کے پروپیگنڈے کا مؤثر جواب دینا اور عوام کو ان سے باخبر رکھنا۔ اسی طرح جہاد اور نظام اسلامی کے استحکام کے لیے اجتماعی و خصوصی پروگرام ترتیب دینا، اور ان کے ذریعے عوام و خواص کی فکری رہنمائی کرنا۔

۲۔ نگرانی اور اطلاع رسانی

اس حوالے سے شوریٰ کے لائحۂ عمل میں واضح کیا گیا ہے کہ شوریٰ ہر صوبے اور ضلع میں امارتِ اسلامیہ کے ذمہ داران کی کارکردگی کا جائزہ لے گی۔ اگر کوئی ذمہ دار شریعت یا امارتِ اسلامیہ کے قوانین کے خلاف عمل کرتا ہوا پایا جائے تو شوریٰ اسے اپنی مجلس میں طلب کر کے اس سے بازپرس کرے گی۔

اگر متعلقہ ذمہ دار اپنے عمل کے حق میں معقول دلائل پیش نہ کر سکے تو اسے نصیحت کی جائے گی کہ وہ اس روش سے باز آ جائے۔ اور اگر وہ سزا یا معزولی کا مستحق قرار پائے تو اس بارے میں امارتِ مقام کو تحریری اور مستند اطلاع دی جائے گی، تاکہ وہ اس کی اصلاح کی کوشش کرے یا ضرورت پڑنے پر اسے عہدے سے معزول کر دے۔

یہ امر بھی ضروری ہے کہ بازپرس شوریٰ کے اراکین کی موجودگی میں کی جائے، اور محض شکایت کی بنیاد پر، یا متعلقہ ذمہ دار کی غیر موجودگی میں کوئی فیصلہ صادر نہ کیا جائے۔ مزید برآں، شوریٰ کا ہر فرد اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ از خود کسی قاضی یا ذمہ دار کو طلب کرے، بلکہ یہ اختیار شوریٰ کے امیر کو حاصل ہے، جو اراکین کے مشورے سے یہ اقدام کرے گا۔

علمائے کرام کی شوریٰ حکومتی ذمہ داران یا قاضیوں کے معاملات میں براہِ راست مداخلت نہیں کر سکتی، الّا یہ کہ ان کے کاموں میں واضح کوتاہی یا صریح خلاف ورزی پائی جائے۔ بصورتِ دیگر ذمہ داران کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ لائحہ اور قانون کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں، جبکہ شوریٰ کی ذمہ داری صرف نگرانی اور متعلقہ حکام کو اطلاع فراہم کرنے تک محدود رہے گی۔

۳۔ مشورہ

صوبائی اور ضلعی سطح پر قائم شوریٰ متعلقہ والی (گورنر) اور ضلعی منتظم (ڈپٹی کمشنر) کو مختلف امور میں مشورے فراہم کرے گی۔ اسی طرح اگر شوریٰ کسی اجلاس میں والی یا ضلعی منتظم کی شرکت ضروری سمجھے، تو متعلقہ صوبے یا ضلع کے حکومتی اہلکار اس مجلس میں شریک ہوں گے۔

شوریٰ کے لائحۂ عمل میں یہ بھی درج ہے کہ وہ عوام کے درمیان جاری تنازعات میں، فریقین کی رضا و رغبت سے صلح کروا سکتی ہے۔ تاہم اگر کوئی فریق اس فیصلے سے مطمئن نہ ہو تو اسے عدالت سے رجوع کرنے کا مکمل حق حاصل ہو گا۔

علمائے کرام کی شوریٰ کے بارے میں امیر المومنین کے فرمان میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ شوریٰ حکومتی ذمہ داران کی اصلاح کی کوشش کرے گی، انہیں نصیحت کرے گی، ان میں احساسِ ذمہ داری بیدار کرے گی، اور عوام کی فکری و دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دے گی۔

مفتی محمد معصوم افغانی، جو ان شوراؤں کی تشکیل میں کلیدی کردار رکھتے تھے، بیان کرتے ہیں:

> ”یہ شوریٰ اپنی تشکیل اور تنظیم کے اعتبار سے پورے ملک کی سطح پر (سوائے ایک محدود علاقے کے جو امارت کے کنٹرول میں نہیں تھا) علماء اور مشائخ کی ایک وسیع جماعت تھی۔ اس میں سات سو (۷۰۰) سے زائد علما و مشائخ شامل تھے، جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اصلاح و ارشاد، حکام کی نگرانی، عوامی مسائل کے حل، متنازع فریقین کے مابین مصالحت، اور دیگر فلاحی و دینی امور میں سرگرم عمل تھے۔

مزید برآں مفتی محمد معصوم افغانی فرماتے ہیں:

> ”جب کسی ضلع یا صوبے کی شوریٰ کے پاس عوام کی جانب سے کسی حکومتی ذمہ دار کے خلاف شکایت پیش کی جاتی، تو اگر شوریٰ کے علماء کے نزدیک اصلاح ممکن ہوتی، وہ خود اصلاح کی کوشش کرتے۔ بصورتِ دیگر، یہ شکایت شوریٰ کے ایک نمائندے کے ذریعے مرکزی دفتر کو ارسال کی جاتی، جہاں سے اسے امیر المومنین تک پہنچایا جاتا۔
>
> اس معاملے کی تحقیق کے لیے اکثر شوریٰ کے مرکزی دفتر کے ذمہ دار یا کسی متعلقہ ادارے کو ہدایت دی جاتی کہ وہ اس کی مکمل چھان بین کرے۔ جب الزامات ثابت ہو جاتے تو امیر المومنین مناسب فیصلہ صادر فرماتے، مثلاً متعلقہ ذمہ دار کو کسی دوسری جگہ منتقل کرنا، اسے نئی ذمہ داری سونپنا یا ملازمت سے برطرف کر دینا۔ جرم کی نوعیت کے مطابق اسے سزا بھی دی جاتی تھی۔
>
> ان اقدامات کے نتیجے میں تقریباً ایک سال کے اندر چالیس سے زائد مختلف نوعیت کی تبدیلیاں عمل میں آئیں۔“

امارتِ اسلامیہ کے تجدیدی کارنامے

افغانستان پر چند سالہ حکمرانی کے دوران، امارتِ اسلامیہ نے اگرچہ مسلسل جنگوں، داخلی و خارجی مخالفت، پابندیوں، اقتصادی مشکلات اور دیگر بے شمار چیلنجز کا سامنا کیا، لیکن اپنی عوام کی امیدوں پر پورا اُترنے اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے میں کامیاب رہی۔ یوں اس نے تمام حکومتی شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

امارتِ اسلامیہ کی مختلف النوع دینی، اصلاحی، ترقیاتی، سماجی اور دیگر خدمات کو تفصیل سے بیان کرنے کے لیے ایک مکمل کتاب درکار ہو گی، چہ جائیکہ انہیں ایک ہی باب میں سمیٹ دیا جائے۔ تاہم، ملا محمد عمر مجاہد کی سوانح حیات کے تناظر میں بحیثیت امیر، ان کے تاریخی کارناموں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔

نفاذِ شریعت

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کی قیادت میں امارتِ اسلامیہ کا سب سے عظیم، تاریخی اور قابلِ فخر کارنامہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر شریعتِ اسلامی کا نفاذ تھا۔ اس سلسلے میں امارتِ اسلامیہ کے عملی اقدامات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- اسلامی حکومت کے قیام اور قرآن و سنت کی بالادستی کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔
- سیاسی قیادت اہلِ ایمان اور صالح افراد کے سپرد کی گئی، جبکہ بدکار، لبرل، کمیونسٹ اور کفار نواز عناصر کو قیادت سے الگ کیا گیا۔
- عدالتی نظام کو مکمل طور پر اسلامی شریعت کے مطابق ڈھالا گیا۔
- حدود اللہ اور قصاص کا عملی نفاذ کیا گیا۔
- امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے نظام کو فعال اور مؤثر بنایا گیا۔
- چوری، قتل، رہزنی، بدامنی، افراتفری اور ظلم وستم کا خاتمہ کیا گیا۔
- سینما، فحش فلموں، موسیقی اور دیگر منکرات کا خاتمہ کیا گیا۔
- سود، ذخیرہ اندوزی، ناجائز مالی معاملات، نقدی جرمانوں اور مالی بے ضابطگیوں کا انسداد کیا گیا۔
- بدعنوانی، کرپشن، رشوت، غصب، خرد برد اور بیت المال کے ناجائز استعمال کا خاتمہ کیا گیا۔
- حکمرانوں اور سرکاری عہدیداروں کی مراعات یافتہ و پر تعیش زندگی، فضول خرچی اور اعزازی القابات کا خاتمہ کیا گیا۔
- سرکاری و تعلیمی اداروں، دفاتر اور معاشرتی زندگی کے دیگر شعبوں میں مرد وزن کے ناجائز اختلاط کا سدباب کیا گیا۔
- شرعی حجاب کے فروغ اور نفاذ کو یقینی بنایا گیا۔ نوروز اور دیگر جاہلی رسوم، خرافات اور بدعات کا خاتمہ کیا گیا۔
- چرس، بھنگ اور دیگر نشہ آور اشیاء پر پابندی عائد کی گئی، جبکہ اماراتی اہلکاروں پر سگریٹ نوشی بھی ممنوع قرار دی گئی۔
- اسلامی وضع قطع، داڑھی، پگڑی اور مقامی لباس کے فروغ کو یقینی بنایا گیا۔
- خواتین کے اسلامی حقوق کی بحالی کے لیے کوششیں کی گئیں۔
- مدارس اور مساجد کی خدمت کے ساتھ ساتھ سرکاری اداروں خصوصاً وزارتوں میں مساجد کا قیام عمل میں لایا گیا۔
- قومی، لسانی، نسلی اور علاقائی جاہلانہ تعصبات کی نفی اور تردید کی گئی۔
- اہلِ ذمہ کے تمام حقوق کو شرعی اصولوں کے مطابق محفوظ رکھا گیا۔
- اسی نوعیت کے دیگر اصلاحی اور انتظامی اقدامات بھی کیے گئے۔

اسلامی عدالتی نظام کا قیام

حکومتِ اسلامی کا ایک اہم رکن، قضاء اور شرعی عدالتیں ہیں، جو عدل و مساوات کی تطبیق اور حق حق دار کو سونپنے کے ذمہ دار ہیں، ملا محمد عمر مجاہد قضائی امور کے جائزے اور عدالتی نظام کے نفاذ پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔

ملا صاحب نے قندھار کی فتح کے بعد روس کے خلاف جہاد کے دور کے ایک جری اور نامور قاضی، مولوی سید محمد (جو مولوی پاسنی صاحب کے نام سے معروف تھے) کو قندھار کی عدالتِ مرافعہ (Appellate / High Courts) کا سربراہ مقرر کیا۔

موصوف مولوی صاحب اپنی سختی اور دوٹوک فیصلوں کی وجہ سے پہلے ہی خاص شہرت رکھتے تھے۔ ان کے منصبِ قضا سنبھالنے کے بعد عدالتی نظام ایک بار پھر اپنے وقار اور حقیقی شان وشوکت کی طرف لوٹ آیا۔

مولوی شہاب الدین دلاور صاحب، جو ساڑھے تین سال تک قندھار کی عدالتِ تمییز (Supreme Court / Apex Court) (سپریم کورٹ/اعلیٰ عدالت) کے سربراہ رہے، بیان کرتے ہیں کہ ملا صاحب نے قندھار صوبے میں خصوصی عدالتِ تمییز کے حوالے سے مجھ سے فرمایا:

> ”میں نے جنوبِ مغرب زون کے نو صوبوں کو اس عدالت سے منسلک کیا ہے، کیونکہ امارت کے اکثر عسکری رہنماؤں کا تعلق انہی صوبوں سے ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اس عدالت کے تمام امور میرے براہِ راست مشاہدے میں رہیں، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عسکری رہنماؤں کے دباؤ یا ان کی رعایت کے باعث کسی کا حق متاثر ہو۔“

دلاور صاحب بیان کرتے ہیں کہ ملا صاحب منصبِ قضا کے بارے میں اسی بلند مقام اور عظمت کے قائل تھے، جیسا کہ شریعت نے اسے عطا کیا ہے۔ وہ امورِ قضا میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتے تھے۔ ساڑھے تین سال کے عرصے میں مجھے یاد نہیں کہ ملا صاحب نے

قضائی معاملات میں صراحتاً، اشارۃً یا دلالۃً کسی نوع کی مداخلت کی ہو، نہ کسی کے حق میں سفارش کی اور نہ ہی کسی فیصلے میں ردوبدل کی بات کی۔

دلاور صاحب اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

”عبید اللہ نامی ایک طالب، جو محکمۂ امن ہیڈ کوارٹر قندھار کا اہلکار تھا، ایک شخص کے قتل کے جرم میں ملوث پایا گیا۔ یہ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا اور صرف دو ہفتوں کے اندر ابتدائی عدالت (ٹرائل کورٹ) اور عدالتِ مرافعہ (ہائی کورٹ) نے قاتل پر حدِ قصاص جاری کرنے کا فیصلہ سنا دیا۔

بعد ازاں یہ مقدمہ عدالتِ تمیز (سپریم کورٹ) میں پیش ہوا۔ ہم نے جب اس کی مکمل تحقیق کی تو معاملہ وہی نکلا جو نچلی عدالتوں کے فیصلوں میں بیان ہوا تھا۔ اس دوران قاتل کے بعض رشتہ دار، جن میں امارت کے اعلیٰ عہدیداران بھی شامل تھے، اس کوشش میں تھے کہ کسی نہ کسی طرح قصاص میں تاخیر کی جائے تاکہ مقتول کے ورثاء کو معافی پر آمادہ کیا جا سکے۔

جب ہم نے قصاص کے نفاذ کے لیے حتمی فیصلہ ملا صاحب کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے کسی بھی سفارش کو قبول نہ کیا اور حکمِ قصاص کی توثیق کرتے ہوئے اسے برقرار رکھا۔ اس کے بعد ریڈیو کے ذریعے اعلان کیا گیا کہ اگلے دن سہ پہر چار بجے فلاں طالب کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

اس موقع پر قاتل کے رشتہ داروں اور سفارشیوں نے قصاص کو مؤخر کرانے کے لیے ایک اور عذر پیش کیا کہ قاتل پر لوگوں کے قرض ہیں اور متعدد افراد اس سے اپنے مطالبات کا دعویٰ رکھتے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے ان قرضوں کی ادائیگی کی جائے۔ ملا صاحب نے اس معاملے پر مجھے طلب کیا۔ جب میں حاضر ہوا تو انہوں نے پوری صورتِ حال بیان کی۔ میں نے عرض کیا کہ اس مسئلے میں علمائے کرام سے رہنمائی لی جائے کہ آیا قرضوں یا اس نوع کے دیگر امور کی بنا پر قصاص کو مؤخر کیا جا سکتا ہے؟

علمائے کرام نے اس بارے میں واضح فتویٰ دیا کہ ایسے معاملات قصاص کے نفاذ میں مانع نہیں بن سکتے۔ اس کے بعد ملا صاحب نے حکم فرمایا کہ قصاص نافذ کیا جائے۔ چنانچہ اگلے روز جب قصاص کے لیے لوگوں کو بلایا گیا تو کثیر تعداد میں لوگ جمع ہو گئے تاکہ اس شرعی حکم کا عملی نفاذ دیکھ سکیں۔

اسی اثنا میں جب مقتول کے ورثاء نے امارتِ اسلامیہ کی عدالت کا عدل و انصاف اپنی آنکھوں سے دیکھا اور قاتل کو قصاص کے لیے ان کے حوالے کیا گیا تو عین آخری مرحلے پر انہوں نے اسے معاف کر دیا۔ یہ منظر حاضرین کے لیے نہایت پُر اثر، جذباتی اور سبق آموز ثابت ہوا۔“

امارتِ اسلامیہ کی عدالتوں نے شرعی احکام کے نفاذ کے ذریعے اس امر کو یقینی بنایا کہ حقوق اپنے مستحقین تک پہنچیں، اور حدود و قصاص کے عملی اطلاق کے ذریعے بدامنی اور انتشار سے دوچار افغانستان میں مثالی امن و استحکام قائم کیا گیا۔

امارتِ اسلامیہ کے قیام کے دوران جاری کیے گئے قصاص کے واقعات کی تعداد غالباً سو سے متجاوز نہ تھی، مگر ان محدود شرعی اقدامات میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر رکھی تھی کہ ان کی برکت سے لاکھوں انسانوں کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو گئی۔ امارتِ اسلامیہ کے عہد میں جس طرح حدِ زنا، حدِ سرقہ، رجم اور دیگر حدود نافذ کی گئیں، اسی طرح اُن قاضیوں کو بھی عوام کے بھرے مجمعوں میں کوڑے لگائے گئے جو قضائی معاملات میں خیانت یا رشوت ستانی کے مرتکب پائے گئے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

حضرت ابو بکر کی وفات پر حضرت عائشہ نے یہ سب حضرت عمر کو بھیج دیا۔ تو حضرت عمر نے فرمایا: اللہ آپ سے راضی ہو اے ابو بکر! آپ نے اپنے بعد آنے والوں کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔“

حضرت نافع نے حضرت عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے کہ آپ نے اولین مہاجرین کے لیے چار ہزار مقرر کیے تھے، جبکہ اپنے بیٹے کے لیے تین ہزار پانچ سو۔ آپ سے کہا گیا: آپ کا بیٹا بھی تو مہاجرین میں سے ہے تو انہیں کم کیوں دیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: اسے تو اس کے والد نے ہجرت کرائی۔ یعنی: وہ ایسا نہ تھا جو خود ہجرت کے لیے نکلا ہو۔ بروایت بخاری۔

تو اے میرے مجاہد بھائی!

اگر آپ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات سیدھے رکھیں، دین دار بنیں، آگے بڑھتے رہیں اور ثابت قدم رہیں تو پھر لازم ہے کہ آپ کی کمائی حلال کی ہو۔ پاک کمائی کے حوالے سے بار بار اپنا محاسبہ کریں۔ آپ کی طرف جو بھی حرام مال آئے اسے روک دیں۔ شیطان آپ کو یہ دھوکا نہ دے کہ اس طرح تو آپ کی آمدن کم ہو جائے گی اور آپ کا بجٹ خراب ہو جائے گا۔ نہیں! ہر گز نہیں۔ جو اللہ کی خاطر کوئی چیز چھوڑتا ہے تو اللہ اس سے بہتر اسے دیتا ہے۔ خبر دار ان شیطانی چالوں سے بچیں جن میں بعض جوان پڑ چکے ہیں۔ حرام کو غنیمت کا نام دے کر کھاتے ہیں۔ جبکہ یہ سحت (حرام کمائی) ہے نہ کہ غنیمت۔

☆☆☆☆☆

استعماری تہذیب کے پھندے

اریب اطہر

صحافی ماجد نظامی نے اپنے ایکس (ٹوئٹر) اکاؤنٹ پر برطانوی پولیس اور پنجاب پولیس کی مماثلت رکھنے والی چند تصاویر شیئر کرتے ہوئے لکھا:

> ”پنجاب کے مختلف اضلاع میں ٹریفک پولیس کی یونیفارم بتدریج تبدیل کی جا رہی ہے۔ برطانوی پولیس کی یونیفارم کاپی کرنے والے عقل مندوں کو یہ خیال نہیں آیا کہ پنجاب کے وارڈنز ۴۲ سینٹی گریڈ میں پسینے سے شرابور سفید شرٹ کے ساتھ کیسے ڈیوٹی سر انجام دیں گے۔ برطانوی پولیس تو اوسطاً ۲۵ ڈگری کے موسم میں فرائض سر انجام دیتی ہے اور وہاں بلیک ٹی شرٹ بھی یونیفارم میں شامل ہوتی ہے۔ نجانے ایسے مشورے کون دیتا ہے۔“

مغربی تہذیب سے مرعوبیت وہ بیماری ہے جو پاکستان پر مسلط فوجی و سول حکمرانوں، بیوروکریسی، عدلیہ و میڈیا سمیت ملک کے ہر شعبے میں واضح نظر آتی ہے۔ انگریز جس نے یہ نظام برِصغیر پر قبضے کو مستحکم رکھنے کے لیے بنایا تھا، اس کو فوجی و سیاسی قیادت نے کبھی بھی تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی نہ ہی ایسا کوئی ارادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فوج پولیس اور دیگر سیکیورٹی ادارے اسی آقائی ذہنیت اور نظر سے عام عوام کو دیکھتے ہیں۔ اہلِ نظر تو اس بیماری کو اس وقت ہی پہچان گئے تھے جس وقت اس دجل و فریب کا بیج بویا جا رہا تھا۔ جن دنوں سر سید احمد خان ہندوستانی مسلمانوں کو مفاہمت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے انگریزوں سے دوستی کی تلقین کیا کرتا تھا اور انگریزی تہذیب کے فضائل بیان کیا کرتا تھا، اس وقت بھی سر سید کے مخالفین پر انتہا پسندی کے الزام لگائے جاتے تھے۔ سر سید کے مخالفین میں ایک نام اکبر الہ آبادی کا بھی تھا ڈاکٹر سجان اللہ کے بقول آج کے نو استعماری پالیسیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر الہ آبادی کا نقطۂ نظر درست تھا کیونکہ سر سید کی مفاہمت اور انگریز پسندی نے مابعد استعماریت کے لیے پہلی سیڑھی کا کام کیا۔ اکبر الہ آبادی نے اپنے اشعار میں مغربی استعمار اور ان کی مذہبی، تہذیبی، لسانی، تاریخ و تمدنی پالیسیوں کو کھل کر تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

یہ موجودہ طریقے راہئ ملکِ عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہو گی اور نئے ساماں بہم ہوں گے

......

عقائد پر قیامت آئے گی ترمیمِ ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے

بہت ہوں گے مغنی نغمۂ تقلیدِ یورپ کے
مگر بے جوڑ ہوں گے اس لیے بے تال و سم ہوں گے
ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہو گی
لغاتِ مغربی بازار کی بھاشا سے ضم ہوں گے
گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہوں گے

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

جس روشنی میں لوٹ ہی کی آپ ہمیں سوجھے
تہذیب کی میں اس کو تجلی نہ کہوں گا
لاکھوں کو مٹا کر جو ہزاروں کو ابھارے
اس کو تو میں دنیا میں ترقی نہ کہوں گا

جہاں ایک طرف علمائے کرام مسلمانوں کو انگریز سامراج کی جھوٹی تہذیب کے فتنے سے بچانے کے لیے میدان میں موجود رہے، وہیں ہم دیکھتے ہیں کہ برِصغیر میں شعراء کی ایک بڑی تعداد نے اپنے اشعار کے ذریعے مغربی تہذیب کا مکروہ چہرہ عوام کے سامنے پیش کیا۔

ڈاکٹر آغا مظفر حسنین مغربی تہذیب کے خلاف اکبر الہ آبادی کے سخت نقطۂ نظر کے متعلق لکھتے ہیں:

> ”۱۸۵۷ء کی شکست کے بعد ہندوستانیوں کا ایک طبقہ انگریزوں کے تسلط کو دائمی جان کر مغربی تہذیب کی اندھی تقلید پر اتر آیا۔ یہ وہ طبقہ تھا جو مغرب کی سائنسی ترقی اور انگریزوں کے انتظامی امور سے بھی خاصہ مرعوب تھا۔ ان کے اس طرزِ عمل کو اپنی طنزیہ اور ظریفانہ انفرادیت کے ذریعے جس شاعر نے سب سے زیادہ ہدفِ ملامت بنایا وہ اکبر الہ آبادی تھے۔“[1]

جس طرح آج سیکولر، سوشلسٹ اور دیگر دین مخالف افراد کو اردو ادب کا ترجمان بنا کر پروموٹ کیا جا رہا ہے، یہ کوششیں انگریز دور میں ہی شروع ہو چکی تھیں۔ اسی تناظر میں ایک انجمن قائم کی گئی۔ ڈاکٹر سجان اللہ کے بقول اس انجمن کا مقصد تعلیمی نصاب کے لیے ایسی نظمیں تخلیق کرنا تھا جس کی مدد سے ہندوستانی تہذیب و تاریخ کو کمتر ثابت کرنا اور

---

[1] بحوالہ: مزاحمت اور پاکستانی اردو شاعری ص ۵۵

استعماری جبر و ستم کی بجائے انگریزی سامراج کی اعلیٰ و برتر شبیہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا تھا۔ اس ادارے (انجمن) کا مقصد انگریز کی پالیسیوں کی تعریف و توصیف کرنا تھا۔

ڈاکٹر سہیل احمد اپنے پی ایچ ڈی مقالے میں لکھتے ہیں کہ ان مشاعروں میں ایسی نظمیں پڑھی جانے لگیں جو استعمار مخالف تھیں جن کے سبب مذکورہ انجمن کے مشاعرے بند ہو گئے۔[۲]

علی گڑھ سے الگ ہو کر ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھنے والے شبلی نعمانی جو جدید تعلیم کے حامی تو تھے مگر انگریزوں کی اصلیت سے بھی واقف تھے، اس لئے انہوں نے بھی انگریزوں کے عزائم بے نقاب کیے۔ وہ لکھتے ہیں:

آپ نے ہم کو سکھائے ہیں جو یورپ کے علوم
اس ضرورت سے نہیں قوم کو ہرگز انکار
بحث یہ ہے کہ وہ اس طرز سے بھی ممکن تھا
کہ نہ گھٹتا کبھی ناموس شریعت کا وقار
ہم نے پہلے بھی تو اغیار کے سیکھے تھے علوم
ہم نے پہلے بھی تو اس نشہ کا دیکھا ہے خمار
نام لیتے تھے ارسطو کا ادب سے ہرچند
تھے فلاطوں الٰہی کے بھی گو شکر گزار
جانتے تھے مگر اس بات کو بھی اہلِ نظر
کہ حریفوں کو نہیں انجمنِ خاص میں بار
یعنی یہ بادۂ عرفاں کے نہیں ذوق شناس
بزمِ اسرار کے یہ لوگ نہیں بادہ گسار
آج ہر بات میں ہے شانِ تفریح پیدا
آج ہر رنگ میں یورپ کے نمایاں ہیں شعار
ہیں شریعت کے مسائل بھی وہیں تک محدود
کہ جہاں تک انہیں معقول بتائیں اغیار

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو
یہ ظلم آرائیاں تابہ کے یہ حشر انگیزیاں کب تک
......
یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہو گا اس کا امتحاں کب تک
......
کہاں تک لوگے ہم سے انتقام فتح ایوبی
دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کب تک

علامہ محمد اقبال کی شاعری میں بھی ہمیں مغربی تہذیب کی مادہ پرستی، لادینیت، استعماریت، سرمایہ داری اور انگریزی غلامی کے خلاف تنقید ملتی ہے۔ پروفیسر انور رومان لکھتے ہیں:

''اقبال یورپ کو روحانی و بنیادی روشنی سے محروم سمجھتے تھے۔ گم کردہ راہ، خلاؤں میں گھومتا ہوا اور تلاش حق میں کبھی ایک انتہا کی جانب کبھی دوسری انتہا کی جانب دوڑتا ہوا بھاگتا ہوا، وطنیت و قومیت، مذہب و سیاست کی علیحدگی، سرمایہ داری، جمہوریت، سامراجیت، استحصال، استعمار وغیرہ سب انتہائیں تھیں لیکن نہ ان انتہاؤں کو ابتداؤں کے پیل پائے میسر تھے نہ ان سے تلاش متصل کی تسکین ہوتی تھی اور نہ ان سے کوئی انسانی فلاح حاصل ہوتی تھی۔ بس ایک خوفناک انتشار و خلفشار تھا جو ہر وقت یورپ میں برپا تھا اور استعمار کی وجہ سے پورے کرۂ ارض کو تیرہ و تار کر رہا تھا۔ اس کی یہ ارض گیری علامہ اقبال کے لیے تشویشناک تھی۔''[۳]

اس موضوع پر اقبال کے کچھ اشعار پیش ہیں:

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف[۴]

نظر کو خِیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندانِ مغرب کو
ہوَس کے پنجۂ خُونیں میں تیغِ کارزاری ہے
تدبّر کی فسُوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدّن کی بِنا سرمایہ داری ہے[۵]

اقبالؔ کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
ہر ملّتِ مظلوم کا یورپ ہے خریدار
یہ پیرِ کلیسا کی کرامت ہے کہ اس نے
بجلی کے چراغوں سے منوّر کیے افکار

---

[۲] پی ایچ ڈی مقالہ جدید اردو نظم میں مغربی استعمار کے خلاف مزاحمت ص ۱۹۹
[۳] اقبال اور مغربی استعمار ص ۴۷
[۴] مغربی تہذیب، ضرب کلیم
[۵] طلوعِ اسلام

جلتا ہے مگر شام و فلسطیں پہ مرا دل
تدبیر سے کھُلتا نہیں یہ عُقدۂ دشوار
تُرکانِ 'جفا پیشہ' کے پنجے سے نکل کر
بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار[6]

آج انگریزی نظامِ تعلیم سے تیار ہونے والی کھیپ ملکی نظام کے ہر شعبے سے جس ڈھٹائی کے ساتھ اسلام کی بچی کھچی بنیادوں کو کاٹنا چاہتی ہے، کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ ایک ہسپتال کی ویڈیو وائرل ہوئی جس میں خواتین ڈاکٹر ایک آپریشن تھیٹر کی ویڈیو فخریہ ریکارڈ کرتے ہوئے بتاتی ہیں کہ سامنے دو زچگی کے کیسز ہیں دونوں میں ریس ہے دیکھتے ہیں پہلے کون ڈلیوری مکمل کرتا ہے۔ ویڈیو بناتے ہوئے خواتین قہقہے لگا رہی ہیں، ان کے آس پاس مرد ڈاکٹر بھی موجود ہیں۔ اگرچہ اس ویڈیو میں زچگی کے عمل سے گزرنے والی خواتین کی شناخت ظاہر نہیں ہوئی لیکن پھر بھی ذرا اندازہ لگائیں کہ جن مریض خواتین کے آپریشن کی یہ ویڈیو ہے ان تک بھی یہ خبر اور ویڈیو پہنچی ہو گی تو وہ کس کرب سے گزری ہوں گی یا ویسے بھی یہ ویڈیو وائرل ہونے کے بعد کسی بھی باحیا خاتون کا پاکستان میں موجود ہسپتالوں کے لیے کیا تاثر ہو گا؟ تعلیمی اداروں میں تعلیم معیاری ہے یا نہیں لیکن موسیقی ناچ گانے کے پروگرام، اور لڑکے لڑکیوں کے مابین دوستی معاشقوں کے مواقع بھرپور ہیں۔ اکثریت ان خرافات کا شکار ہو کر جو نام نہاد دنیوی تعلیم ہے اس سے بھی عاری رہتی ہے اور جو چند فیصد پروفیشنلز مختلف اداروں میں کھپت کے لیے تیار ہوتے بھی ہیں تو وہ بھی بنیادی طور پر پیسے کی مشین ہی ہوتے ہیں۔ پاکستان میں اس وقت ایئر و سپیس ٹیکنالوجی میں پی ایچ ڈی رکھنے والے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد بھی موجود ہیں جو اپنی ایکسپرٹیز ایسی ڈرون کمپنیوں کو فراہم کرتے ہیں جو پاکستانی فوج کو ڈرون فراہم کر رہی ہیں۔ کیا ان کمپنیوں میں کام کرنے والے کسی پاکستانی کا ضمیر جاگے گا کہ وہ جو ڈرون تیار کر کے پاکستانی فوج کے حوالے کر رہے ہیں وہ ان کے ذریعے کن پر بم گراتی ہے؟ کیا ان جنگی جہازوں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں کے پائلٹس کا ضمیر جاگے گا یا ان فوجی افسران کا جو دو دہائیاں سے امریکہ کی جنگ لڑ کر بھی خود کو حق پر تصور کرتے ہیں؟ مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور مادہ پرستی کی جو بنیادیں قیامِ پاکستان سے قبل ڈالی گئی تھیں ان کا ہدف بھی یہی تھا کہ ایک ایسی نسل پروان چڑھے جو انگریزی نظام، تہذیب، معاشرت، قانون، افکار سب کچھ دل و جان سے قبول کر لے اور اسی کو اپنی کامیابی سمجھے۔ اس وقت ملک چھوڑنے والوں کی اکثریت ملک کی معاشی صورتحال، بدامنی، بے روزگاری اور دیگر مسائل کے سبب ملک چھوڑنا چاہتی ہے لیکن اس سے قبل جب یہاں معاشی صورتحال خراب نہیں تھی تب بھی یہ سلسلہ کبھی نہیں رکا۔ مغربی ممالک میں رہنے کا خواب دیکھنے کی بیماری تقریباً سبھی مسلم معاشروں میں موجود ہے کہیں کم تو کہیں زیادہ۔ باوجود اس کے کہ وہ جانتے ہیں کہ وہاں رہتے ہوئے ان کی آئندہ نسلیں دین سے دور ہوں گی حتیٰ کہ نام کی مسلمان رہ جائیں گی، لیکن پھر بھی وہ یہ گھاٹے کا سودا کرنے کے لیے اپنا سب کچھ لگا ڈالتے ہیں حتیٰ کہ خطرناک راستوں سے پہنچنے کے چکر میں جانیں گنوا بیٹھتے ہیں۔

مولانا احمد عبید اللہ یاسر قاسمی لکھتے:

> ''موجودہ دور کے جو فتنے سر ابھار رہے ہیں وہ ایک خطرناک ترین سازش اور تعصب پر مبنی اسلام دشمنی اور اہلِ اسلام سے ازلی عداوت و نفرت کا شاخسانہ ہے، شاید یہی وہ ذہنی، فکری و عملی ارتداد ہے جو سب سے پہلے انسان کے ظاہری طبیعت پر اثر انداز ہو کر اس کے باطن سے ایمان کی حقیقی لذت چھین لیتا ہے۔ بقول مفکرِ اسلام ابو الحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ 'ردۃ ولا ابا بکر لہا' (یہ ایک ایسا ارتداد ہے جس کے لیے کوئی ابو بکر نہیں ہے) شاید اس جملے پر کسی شخص کو اعتراض ہو، لیکن راقم الحروف صد فی صد متفق ہے، کیونکہ ہمیں اس کا اندازہ ہی نہیں کہ ہم ایک صریح فکری تہذیبی و ثقافتی ارتداد میں جھونک دیے گئے ہیں جہاں سے واپسی کی راہ کافی دور ہو چکی ہے اور ہر کوئی اس سے بے اعتنائی کا شکار ہے۔ اگر ہم اس پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہماری صبح و شام میں مغربی تہذیب و ثقافت کے آثار ہیں، بلکہ دنیا میں پائے جانے والے تمام مذاہب میں مغربی الحاد اور بے دینی کی لہر ہے، حتیٰ کہ مذاہب کا اثر لوگوں میں صرف ناموں تک رہ گیا ہے باقی سب رسومات و عبادات اخلاقیات و معاشرت اسی تہذیب مغرب کی نذر ہو کر تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔ ہمارے معاشرہ کا سرمایہ دار طبقہ مغربی تہذیب و ثقافت کا دلدادہ بن چکا ہے، ہمارا موجودہ تعلیمی نظام بھی اسی طبقہ کے ہاتھ میں ہے جس کی وجہ سے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلنے والے طلباء کی اکثریت مغربی (افرنگی) تہذیب و ثقافت کی دلدادہ بن رہی ہے۔ یہ سلسلہ مسلسل تیزی کے ساتھ جاری ہے، اگر اس ارتداد کی طرف فوراً توجہ نہ دی جائے اور اگر اسے یونہی جاری رہنے دیا جائے تو بہت جلد اکثریت کا اسلام سے جذباتی لگاؤ بھی ختم ہونے لگے گا۔''[7]

سوال یہ ہے کہ مغربی تہذیب کا یہ سیلاب جو ہماری اجتماعی زندگیوں کو روندتا ہوا اب ہماری انفرادی زندگی اور گھروں تک آن پہنچا ہے۔ کیا اسے روکنے کے لیے ہمیں فقط دعاؤں پر اکتفا کرنا ہے یا یہ حالات ٹھوس اقدامات کا تقاضا کرتے ہیں؟

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۱ پر)

[6] دامِ تہذیب

[7] بحوالہ مضمون: مغربی تہذیب و ثقافت کی حقیقت اور معاشرہ پر اس کے سنگین اثرات، دار العلوم دیوبند ہندوستان۔

اہلِ وفا کی گردنیں کٹی ہیں بتیغِ جفا

محمد طارق ڈار شوپیانی

یہ تحریر ان گمنام اسیرانِ قفس کے نام، جنہیں نظروں سے روپوش کر دیا گیا، جن کے نقوش ذہنوں سے محو کر دیے گئے، جن کے الم کو دل نے محسوس کرنا چھوڑ دیا، جن کا تذکرہ کرنے والوں کو ظلم کا نشانہ بنایا گیا، جن کے افکار کو انتہا پسندی کا عنوان دیا گیا، جن کے اہل و عیال کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا، جن کے والدین آج بھی حسرت بھری نگاہوں سے ان کی راہوں کو تکتے ہیں، جن کی بیویوں کے دامن آج بھی ان کی یاد میں اشکوں سے تر ہیں، جن کی بہنیں آج بھی اس آس پر جی رہی ہیں کہ بھائی ان کی شادی کا سامان کرے گا، جن کے بچے ان کی شفقت سے محروم کر دیے گئے، جن کے ننھے بچے ہر عید پر دہلیز کو تکتے ہیں کہ بابا کب آئیں گے۔

ہم سب کو معلوم ہے کہ جہادِ کشمیر کے ابتدائی ایام سے ہی ظالم حکمرانوں نے مسلم آبادی کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کرنا شروع کر دیا، خواہ کوئی تحریک سے وابستہ تھا یا نہ تھا، جو ملتا اسے بیڑیوں میں جکڑ دیتے۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور اس میں روز بروز شدت آتی جا رہی ہے، کبھی عدلیہ سے کسی قدر انصاف کی توقع ہوا کرتی تھی، لیکن اب وہ سہارا بھی ناپید ہے۔ نو آبادیاتی تغیرات کی رفتار اس قدر تیز کر دی گئی ہے اور کشمیریوں کو اس بے دردی سے حاشیے پر دھکیل دیا گیا ہے کہ جن عدالتوں میں کبھی عام کشمیری منصف ہوا کرتے تھے، اب وہاں ہندوستان سے درآمد شدہ ظالموں کے آلہ کار براجمان ہیں۔ وکلاء پر بھی ایسی سنگین پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں کہ کوئی بھی حق گوئی کی جرأت نہیں کر پاتا۔ یہ سب ایک سوچی سمجھی سازش ہے، ایک ایسا منصوبہ جو نہایت سلیقے اور تدریج کے ساتھ عمل میں لایا گیا ہے۔

پھر چاہے وہ کشمیری قیدیوں کی کشمیر کی جیلوں سے ہندوستان کے مختلف بدنامِ زمانہ عقوبت خانوں میں جبری منتقلی ہو (مثلاً تہاڑ جیل، ہریانہ جیل، وارانسی جیل، آگرہ جیل، راجستھان جیل وغیرہ) یا پھر بدنامِ زمانہ غدار شیخ عبد اللہ کے متعارف کرائے ہوئے کالے قانون پی ایس اے[1] (PSA) پر، ہندوستانی قانون یو اے پی اے (UAPA)[2] کا بے گناہ قیدیوں پر نفاذ ہو، جس کا مقصد یہ ہے کہ مقدمہ عدالت تک پہنچنے ہی نہ پائے اور ملزم سالہا سال بغیر کسی فردِ جرم کے قید میں سڑتا رہے، یہاں تک کہ اس کی بے گناہی ثابت ہونے تک اس کی زندگی تمام ہو جائے۔

ظالم یہ خام خیالی رکھتے ہیں کہ ان سفاکانہ ہتھکنڈوں سے ہمارے عزمِ مصمم کو متزلزل کر سکیں گے۔ لیکن ان کڑی صعوبتوں سے، الحمد للہ بفضل اللہ، ہمارے حوصلے مزید بلند ہوتے ہیں، ہمارے عزمِ جواں میں استحکام آتا ہے اور ہمارے افکار کو جِلا ملتی ہے۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ مجھے قید کر دیں تو یہ میرے لیے خلوت ہے۔ اسی طرح تمہاری عقوبت گاہیں ہمارے لیے مدارس کا درجہ رکھتی ہیں، جہاں ہم اللہ تعالیٰ کے مزید قریب ہو جاتے ہیں۔ یہ واہمہ اپنے ذہنوں سے نکال ڈالو کہ تمہارے مظالم ہمارے عزم کو متزلزل کر سکتے ہیں۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

تاریخِ اسلامی کا آغاز ہی قربانیوں سے ہوا، اور یہ قربانیاں ہمارے اسلاف کی میراث ہیں۔ ہم آزمائشوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک انعام سمجھتے ہیں، اور تمہاری سزائیں ہمارے لیے تمغوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہم تو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کب رب العزت ہمیں اپنے قول کو فعل سے ثابت کرنے کا موقع عطا فرمائے۔ اللہ کی قسم، یہ قید خانے جہاں تم ہمارے بھائیوں اور بہنوں پر ظلم ڈھاتے ہو، ایک دن ضرور مسمار ہوں گے۔ ہمیں تمہاری پالیسیوں اور قوانین کا کوئی خوف نہیں ہے۔

ہم حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ، امام احمد بن حنبل، امام ابو حنیفہ، امام مالک بن انس، امام شافعی، سفیان ثوری، سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، حسن بصری، اور سید قطب رحمہم اللہ کے روحانی فرزند ہیں۔ ہم گوانتاناموبے کے قیدی خالد شیخ محمد اور ولید بن عطاش اور تہاڑ کے قیدی شہید محمد افضل گورو کے نظریاتی بیٹے ہیں۔

تمہیں یہ گمان ہے کہ ہمارے محبِ جہاد برادران و خواتین کو قیدِ سلاسل میں جکڑ کر تم اس جذبہ کو کُشتہ کر سکتے ہو؟ اگر ایسا ہونا ہوتا، تو یہ تحریک شہید قائد مقبول بٹ کی اسیری کے ساتھ ہی صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہوتی۔ اگر تقدیر میں یہی رقم تھا، تو یہ کاروانِ حریت کے قائدین کی گرفتاری کے ساتھ ہی اپنی رمقِ جاں کھو بیٹھتی۔ اگر ایسا ہونا ہوتا، تو ہزاروں جوانانِ باایمان کی گرفتاری کے ساتھ ختم ہو چکی ہوتی۔ لیکن بحمد اللہ! یہ جہاد تمہارے مظالم اور ریشہ دوانیوں کے علی الرغم، آج بھی نہ صرف زندہ ہے بلکہ تابندگی کے ساتھ رواں دواں ہے۔ یہاں یہ امر بھی واضح کر دوں کہ نظریاتی اختلافات اپنی جگہ مسلّم، لیکن جن قائدین کا میں نے تذکرہ کیا، ان کی قربانیوں سے چشم پوشی ممکن نہیں اور نہ ہی ان پر حرف گیری کی گنجائش ہے۔ ہم بر سبیلِ تذکرہ یہی کہیں گے کہ جس طرح پاکستان کے اربابِ

[1] پبلک سیفٹی ایکٹ (PSA): اس قانون کے تحت حکومت کسی شخص کو بغیر مقدمہ چلائے ایک مخصوص مدت تک (ایک یا دو سال) حراست میں رکھ سکتی ہے، اس قانون کے مطابق کسی جرم کے ثابت ہونے سے پہلے ہی گرفتاری ممکن ہے۔

[2] Unlawful Activities Prevention Act (UAPA): اس قانون کے تحت حکومت کسی تنظیم کو غیر قانونی قرار دے سکتی ہے اور دہشت گردی سے متعلق سرگرمیوں میں ملوث افراد کو گرفتار کر سکتی ہے، اس قانون کے تحت گرفتاری کے بعد ضمانت حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے اور ملزم کو طویل عرصے تک بغیر چارج شیٹ کے بھی حراست میں رکھا جاتا ہے۔

اختیار و فوجی قیادت نے وہاں کے عوام کو سالہا سال تک فریب میں مبتلا رکھا، وہی ناانصافی ہمارے ان قائدین کے ساتھ روا رکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعیٔ جمیلہ کو شرفِ قبولیت بخشے اور انہیں اجرِ بے پایاں سے نوازے۔

۱۹۹۰ء سے لے کر آج تک، ہمارے سینکڑوں بھائی ان قید خانوں سے تابوتوں میں نکلے ہیں۔ کبھی یہ گمان نہ کرنا کہ ہم بھول چکے ہیں۔ ہم ابھی بھی پلوامہ کے شہید رضوان پنڈت کو نہیں بھولے۔ ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ کس طرح تم تفتیش کے نام پر ہزاروں نوجوانوں کو اٹھالے جاتے ہو اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑتے ہو۔ ہم یہ بھی نہیں بھولے کہ تم کس طرح ہماری بہنوں کی عصمت دری کرتے ہو۔ ہمیں وہ ہزاروں گمنام قبریں بھی یاد ہیں، اور قید و بند کے وہ گمنام قیدی بھی جن کے مقدمات لڑتے لڑتے ان کے والدین وفات پاگئے اور اب ان کا مقدمہ لڑنے والا کوئی نہیں۔ ہمیں کشمیر سے آگرہ تک ان والدین کے آنسو بھی یاد ہیں جو اپنے جوان بیٹوں کی خستہ حالی دیکھ کر ان کی آنکھوں سے رواں ہوتے ہیں۔ ہمیں وہ ماں بھی یاد ہے جو پیدل اپنے بیٹے سے ملاقات کے لیے نکلی تھی۔ اللہ کی قسم، ایک ایک زخم ہمارے دلوں پر نقش ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس وقت تک زندہ رکھے جب تک ہم ان کا بدلہ نہ چکالیں۔

ہم پر، یعنی اہلیانِ کشمیر پر، ان بھائیوں اور بہنوں کا قرض ہے۔ ہم پر ان کا اور ان کے خاندانوں کا حق ہے، یہ ہم پر ایک اسلامی اور انسانی فریضہ ہے کہ ہم قید میں پڑے ان بھائیوں، بہنوں اور ان کے اہل خانہ کی خبر گیری کریں۔ لیکن افسوس کہ معاشرے پر ریاستی جبر اور مادیت کا غلبہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ نہ تو ہمیں اپنے رشتہ داروں میں جو قید ہیں ان کی مدد کرنے کی فکر ہے اور نہ ہی اپنے محلے میں بسنے والے مصیبت زدہ خاندانوں کی دستگیری گوارا ہے۔

پیغمبرِ رحمت، محمد ﷺ کا فرمان ہے:

> ”بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی تیمار داری کرو، اور قیدیوں کو رہائی دلاؤ۔“

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو قید سے آزاد کروائے اور اس کے لیے جو فدیہ درکار ہو، وہ ادا کرے۔

ہم کس منہ سے خود کو امتی کہلائیں، جب ہم اپنے پیارے نبی ﷺ کے احکامات کی تعمیل سے غافل ہیں؟ اب تو صورتحال اس قدر سنگین ہو چکی ہے کہ مصیبت زدہ گھرانوں سے رشتے ناتے تک منقطع کیے جا رہے ہیں۔

ہمارے اسلاف نے ہمیشہ اس اہم معاملے پر زور دیا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”قیدیوں کو فدیہ دے کر آزاد کرانا امت پر واجب ہے، اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔“

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”قیدیوں کو آزاد کرانا سب سے بڑے اور افضل اعمال میں سے ایک ہے۔ اور اس مقصد کے لیے جو بھی رقم خرچ کی جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا بہترین ذریعہ ہے۔“

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں:

> ”ہمارے علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ قیدیوں کو مال خرچ کر کے چھڑانا واجب ہے۔ اگر بیت المال میں ایک درہم بھی نہ بچے، تب بھی یہ فرض ساقط نہیں ہوتا۔“

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصیبت میں گھرے ہوئے اپنے بھائیوں بہنوں کی مدد کرنا ہم پر کس قدر لازم ہے۔

قیدی مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے حق میں ہماری ذمہ داریاں

- **دُعا:** یہ سب سے مضبوط سہارا ہے، ہم پر ان کا یہ بنیادی حق ہے کہ ہم خلوصِ دل سے ان کے لیے دُعا کریں۔
- **اخلاقی و معاشرتی حمایت:** قید انسان کو معاشرے سے کاٹ دیتی ہے، اس لیے ہم انہیں اپنی دعاؤں اور یادوں میں زندہ رکھیں، ان کے معاملے سچائی کے ساتھ بیان کریں، ان کے حوصلے کو بلند رکھنے کی کوشش کریں، ایک پیغام، ایک خط بھی ان کے لئے بہت کچھ ہے۔
- **ان کے اہل خانہ کی مالی مدد:** یہ ایک عظیم صدقہ ہے، قیدی کے پیچھے رہ جانے والے خاندان شدید آزمائش سے گزرتے ہیں، روزگار کا خاتمہ ہو جاتا ہے، معاشرتی دباؤ بڑھ جاتا ہے، ان کے اہل خانہ کی کفالت (خوراک، تعلیم، رہائش وغیرہ) نہ صرف صدقہ ہے بلکہ ہم پر ایک بڑی دینی ذمہ داری ہے۔
- **ان کے حق میں آواز اٹھانا اور ان کا دفاع کرنا:** ان کے حق میں شعور بیدار کریں، انصاف کے لیے ذرائع اختیار کریں، وکلاء کا خرچا اٹھائیں۔
- **ملاقات کرنا:** نئے قوانین کے مطابق تو اب اپنے گھر والوں (خونی رشتوں) کے علاوہ کسی کو ملاقات نہیں دیا جاتا لیکن اگر کسی طرح ممکن ہو تو ان سے ملاقات کریں، خطوط یا پیغامات کے ذریعے رابطہ رکھیں، یہ انہیں احساس دلاتا ہے کہ وہ اکیلے نہیں ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۹ پر)

غیرت کا تقاضا ہے کہ عزت نہ ہو نیلام

راشد دہلوی

رمضان المبارک میں مسلمانوں پر کیا جانے والا ظلم و ستم

رمضان المبارک، رحمت و مغفرت والے مہینے میں مسلمانوں کے خلاف چل رہے کئی دہائیوں سے تشدد میں تیزی آئی۔

اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہندو یہ کہاں برداشت کر سکتے ہیں کہ مسلمان اپنے رب کی بندگی میں مصروف رہیں۔ ملک بھر میں مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا گیا، ہندو شدت پسند، پولیس انتظامیہ، عدلیہ، گودی میڈیا، صوبائی و مرکزی سرکاریں سب مسلمانوں کو ستانے، بدنام کرنے اور بے عزت کرنے میں لگی رہیں۔

بنارس میں ۱۴ مسلمان گنگا ندی میں افطار کرنے پر گرفتار

بنارس میں گنگا ندی کے اندر ایک کشتی میں افطاری کر رہے ۱۴ مسلمانوں کو اس الزام میں گرفتار کر لیا گیا کہ انہوں نے گنگا ماتا کا 'اپ مان' (توہین) کی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے چکن بریانی کھا کر اس کی ہڈیاں گنگا میں پھینک دی تھیں۔ یہ الگ بات ہے ہندو صبح و شام نشے میں دھت 'گنگا ماتا' کو اپنے پیشاب سے ناپاک کرتے رہتے ہیں۔ ان ۱۴ مسلمان بھائیوں کی ضمانت کی عرضی تک کو رد کر دیا گیا اور اب ان کو اس سنگین جرم میں (جو جرم ہے ہی نہیں) ۱۰ سال قید اور جرمانہ بھی ہو سکتا ہے۔

یہ بھگوا پولیس و عدلیہ کا گندہ، بغض کی غلاظت میں لتھڑا چہرہ ہے، جو سالوں سے مسلمانوں کو دھوکا دیتا آ رہا ہے۔

بھوپال، مدھیہ پردیش میں مسلمانوں کے خلاف کاروائیاں

بھوپال، مدھیہ پردیش، ایک کالج کو گنگا جل سے اس لیے دھویا گیا کہ گزشتہ شام یہاں افطار پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا، جہاں بعد میں مسلمانوں کے خلاف احتجاج کیا گیا۔

سینکڑوں مسلمان مسافروں کو نماز پڑھنے اور عوامی جگہ پر روزہ کھولنے کے جرم میں بے انتہا ستایا، ڈرایا اور دھمکایا گیا۔

عین افطاری کے وقت سینکڑوں بھگوا دہشت گردوں نے امن و سکون سے افطار کر رہے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں دسیوں مسلمان زخمی ہو گئے۔

اتر پردیش میں مسلمانوں کے خلاف جرائم

اتر پردیش میں پچھلے پانچ سالوں میں گائے رکھشہ (گائے کی حفاظت) کے نام پر ۳۵ ہزار مسلمانوں کو جیل بھیجا گیا، ۸۳ کروڑ کی پراپرٹی کو ضبط کر لیا گیا، جن میں سے ۱۷۸ پر (NSA) کے سنگین الزامات بھی لگائے گئے ہیں۔

پولیس کی غنڈہ گردی کا آپ اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سنبھل، اتر پردیش کا CO عید کی نماز سے پہلے علاقے کے علمائے کرام اور دیگر معزز لوگوں کو جمع کر کے دھمکاتا ہے اور انتہائی بازاری زبان کا استعمال کرتا ہے اور سڑک پر نماز پڑھنے اور کسی بھی قسم کا پر امن احتجاج کرنے کے نتیجے میں گرفتاری کی دھمکیاں دیتا ہے۔

ایسے واقعات سے سوشل میڈیا اور گودی میڈیا بھرا پڑا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس درد ناک صورت حال کا حل کیا ہے؟ کیا یوں ہی مسلمانانِ ہند ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے؟

یہود و ہنود کی خصلت سے کون واقف نہیں ہے؟ یہ مظلوموں، کمزوروں، نہتوں پر اپنا رعب جماتے ہیں لیکن طاقت رکھنے والوں کے سامنے ٹکنے کی ہمت تک نہیں کرتے۔ یہ بہادر نہیں بلکہ بھیڑیے کی کھال میں چھپے گیدڑ ہیں، جو نہتوں و کمزوروں کو ہی اپنی درندگی کا شکار بناتے ہیں۔

مسلمانانِ ہند پچھلے ۷۸ سالوں میں سارے آپشنز کو آزما چکے ہیں، مسلمانوں کی حمایت و ہمدردی کا دم بھرنے والی مفاد پرست سیاسی جماعتوں کو بھی دیکھا، عدل و انصاف کا جھوٹا دعوی کرنے والی عدلیہ کو بھی دیکھا، سب کی حفاظت کا کھوکھلا نعرہ لگانے والی پولیس و انتظامیہ کو بھی دیکھا اور سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر کے دکھانے والی گودی میڈیا کا پروپیگنڈہ بھی دیکھ لیا۔

لیکن مسلمانانِ ہند کے سامنے صرف اور صرف اپنی مدد آپ کا فارمولا ہی امید کی کرن نظر آتا ہے۔ اپنا اور اپنوں کا دفاع فرض ہے جس کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ گنگا جمنی تہذیب کا نعرہ لگا کر بھی ہم نے دیکھ لیا، ہندو مسلم بھائی بھائی چلا چلا کر بھی ہم تھک چکے۔ لیکن آخر میں ہمارے ہاتھ صرف بربادی ہی آئی۔ کیوں کہ یہ مشرکین توحید والوں کے دوست و خیر خواہ کبھی نہیں ہو سکتے۔ یہ تو منتظر رہتے ہیں کہ کب ہم غافل ہو جائیں اور یہ ہمیں کُچل دیں۔ لیکن اللہ رب العزت بہادروں کو پسند فرماتے ہیں اور ان کی مدد بھی کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی غیرت و بہادری کے چند کارنامے

اتم نگر، دہلی میں ایک بھگوا دہشت گرد جہنم واصل

۴ مارچ، ۲۰۲۶ء کے دن ہولی کا تہوار منایا جا رہا تھا، ہر بار کی طرح فحاشی، عریانی، بدمزگی و غنڈہ گردی کی حدوں کو پار کیا جا رہا تھا۔ لیکن اس دن اتم نگر، دہلی، میں ایک ایسا سانحہ پیش آیا جسے سن کر یا دیکھ کر کسی بھی زندہ ضمیر و بیدار مسلمان کا خون کھول جائے۔

ایک باعفت و باپردہ مسلمان خاتون پر، گندے پانی سے بھرا غبارا پھینکا گیا، یہ سمجھ کر کہ یہ ایک مردہ قوم کی بہن، بیٹی ہے، کسی کو کیا فرق پڑے گا؟

لیکن ہوا وہ جس کی اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ ضرورت ہے! وقت تھا اپنی بہن کی آبرو پر نظر ڈالنے والوں کی آنکھیں نوچنے کا، وقت تھا ظالموں کو یہ بتانے کا کہ ابھی بھی ہم اپنا لہو دے کر اپنی ماؤں، بہنوں کی عزت بچا سکتے ہیں، وقت تھا زمانے کو یہ بتانے کا کہ بے شک ہم سب زیر وزبر کر دیے جائیں، لیکن ہم اب چپ نہیں بیٹھنے والے۔

ترُن نامی بھگوا دہشت گرد، جو ایک جم ٹرینر تھا، تکبر میں چور یہ سمجھتا تھا کہ وہ جو چاہے کرے، کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ لیکن اس بدبخت کو امت کے جوانوں نے جہنم واصل جبکہ اس کا ساتھ دینے والوں کو لہولہان کر دیا۔ وللہ الحمد۔

لیکن اس کے بعد، ہمیشہ کی طرح پولیس وانتظامیہ کا متعصب چہرہ ایک بار پھر سامنے آیا، جو ہمیں یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ ہماری جنگ اور ہمارا دفاع دراصل اس نظام سے ہے۔

لدھیانہ بھگوا غنڈوں کا حملہ دو مسلمان نوجوانوں نے ناکام بنادیا

نجاب کے شہر لدھیانہ میں مسلمان رمضان المبارک کے مہینے میں جمعہ کی نماز ادا کر رہے تھے۔ شر پسند بھگوا غنڈے اسی موقع کی تلاش میں تھے، عین جمعہ کی نماز کے دوران شدت پسندوں نے مسلمانوں پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ اس بزدلانہ حملے کو دو نوجوان مسلمان بھائیوں نے ناکام بنادیا جنہوں نے غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہندوؤں کو اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ الحمدللہ یہ بھائی اکیلے ہی میدان میں ڈٹ گئے اور ہندوؤں پر ایسا جوابی حملہ اور دفاعی اقدام کیا کہ ہندو شر پسند پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

لدھیانوی مسلمان بھائیوں کی غیرت نے مظلوم مسلمانوں کو یہ سبق دیا ہے کہ میدان میں ڈٹ کر ہی اپنا اور اپنوں کو دفاع کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ یہ ظالم ہندو بزدل قوم ہے، ان کے ظلم سے بچنے کا واحد طریقہ بھی یہی ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: اہلِ وفا کی گردنیں کٹی ہیں، بتیغِ جفا

انتہائی غم اور تشویش کی بات ہے کہ محترمہ سیدہ آسیہ اندرابی صاحبہ کو، جن پر عائد کردہ کوئی بھی الزام ثابت نہیں ہو سکا، ایک ہی زندگی میں دوبار عمر قید کی سزا سنائی گئی، ان کے ساتھ ساتھ ان کی دو ساتھی خواتین، ناہیدہ نسرین اور فہمیدہ صوفی کو بھی ۳۰ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان ماؤں کی رہائی کے لیے جدوجہد کرنے اور ان اذیت ناک قید خانوں کو مسمار کرنے کی توفیق عطا فرمائے جہاں انہیں ظالمانہ طور پر قید رکھا گیا ہے۔

وہ منافق پاکستانی جرنیل کہاں ہیں جو آسیہ اندرابی صاحبہ کو اپنی بہن قرار دیتے تھے؟ کیا غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ بہن قید تنہائی میں سسکتی رہے اور وہ خاموش تماشائی بنے رہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ صرف ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے مجرم ہیں، بلکہ آسیہ اندرابی صاحبہ کے بھی گنہگار ہیں۔ انہوں نے ایک کو ڈالروں کے عوض فروخت کر دیا اور دوسری کو اپنی خارجہ پالیسیوں اور ذاتی مفادات کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے اس کا حساب ضرور لے گا۔

میں پوری امت مسلمہ سے اپیل کرتا ہوں کہ کشمیر کے ان بے گناہ قیدیوں کے حق میں آواز بلند کریں، سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر ان کی داستانوں کو عام کریں، کیونکہ کشمیر صرف ایک علاقائی تنازعہ نہیں، بلکہ پوری امت مسلمہ کا مسئلہ ہے اور یہ جنگ حق وباطل کی جنگ ہے۔

میں اللہ رب العزت کی بارگاہ عالیہ میں دست بہ دعا ہوں کہ، اے رحیم و کریم رب، اب ہمارے حال زار پر رحم فرما۔ ہم عاجز و بے بس ہیں اور تیرے سوا کوئی ہمارا مددگار نہیں۔ الٰہی، ہماری نصرت فرما اور عرب و عجم میں جہاں کہیں بھی مظلوم مسلمان قیدی بند ہیں، ان کی رہائی کے اسباب پیدا فرما۔ آمین!

☆☆☆☆☆

بقیہ: غزوۂ ہند کی فکری بنیادیں

یہاں تک کہ وہ گروہ جو اپنے آپ کو ہندو نہیں کہتے انہیں بھی دیگر ہندو اپنا ہم مذہب کہتے ہیں۔ یوں حقیقتاً ہندو مذہب ایک اتنا کمزور مذہب ہے جو اسلام کی واضح تعلیمات کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا۔

ہندوؤں میں چلنے والی اصلاحی تحریکیں اس بات کی علامت ہیں کہ ہندو مذہب ایک عام عقل مند انسان کے لیے بھی ناقابل عمل ہے۔ ہندو عوام شدت سے عقیدۂ توحید کی روشنی کے منتظر ہیں، لیکن ابھی تک عوام کی طلب کے پیش نظر ہندو مذہب میں ہی بعض تبدیلیاں کر کے اسے عقیدہ توحید سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش تو کی گئی لیکن سچی ہدایت سے ابھی تک ہندو کہلانے والی کروڑوں عوام محروم ہیں۔

ہندوستان میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہندوؤں کے ذات پات کے نظام پر کافی ضرب پڑی ہے اور برہمن اس بات پر مجبور ہوا ہے کہ نچلی ذاتوں کو بھی کچھ نہ کچھ حقوق دیے جائیں تاکہ یہ ہندومت سے باغی ہو کر اسلام میں شامل نہ ہو جائیں۔ اس عمل کی وجہ سے ہندوؤں کی زندگی میں کچھ روشنی آئی ہے لیکن ابھی تک یہ سچی ہدایت سے محروم ہیں۔ مسلمانوں اور خصوصاً مجاہدین کے لیے لازم ہے کہ ہندو مذہب کے دھوکے و دجل کو سمجھتے ہوئے ہندوستان کے لیے ایک ایسا لائحہ عمل وضع کریں جس کے نتیجے میں ہندوستان کی کروڑوں غیر مسلم عوام کو دیوی دیوتاؤں کے نام پر دراصل برہمنوں اور دیگر مذہبی طبقوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی غلامی میں لایا جا سکے اور ہندوستان کی بے شمار افرادی قوت اور وسائل کو اللہ کی رضا کے کاموں میں استعمال کیا جا سکے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

رمضان المبارک میں بھارتی مسلمانوں کی حالتِ زار

خباب ابنِ سہیل

رمضان المبارک کا مہینہ (وسط فروری سے وسط مارچ تک) معاصر ہندوستانی تاریخ میں مسلمانوں کے لیے سب سے تکلیف دہ ثابت ہوا ہے۔ براہ راست تشدد کے واقعات کے علاوہ، مسلمانوں کو مذہبی حقوق کے ریاستی و ادارہ جاتی سطح پر انکار، نقل و حرکت کی آزادی پر پابندیاں اور ذریعہ معاش پر منظم حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں ہم گزشتہ مہینے کے دوران پیش آنے والے متعدد واقعات کا جامع جائزہ پیش کر رہے ہیں کہ یہ کہاں پیش آئے اور ان تشدد کے واقعات کی نوعیت کیا تھی، یہ واقعات ایک بار پھر یہ اشارہ کرتے ہیں کہ انڈیا میں مسلمانوں کا مستقبل پہلے سے بھی زیادہ تاریک نظر آرہا ہے۔ ہجومی قتل (ماب لنچنگ)، مار پیٹ اور گائے کا گوبر کھلانا اور ملک بھر میں مسلمانوں پر کئی جسمانی حملے ہوئے، خاص طور پر بہار، اتر پردیش، مہاراشٹر اور دارالحکومت دہلی کے علاقوں میں۔ یہ جاننا مشکل ہے کہ پہلا حملہ کب ہوا۔ لیکن ہم فروری کے آخر سے شروع کر سکتے ہیں۔

- اتر پردیش میں تین بزرگ مسلمان مرد ایک مسلمان محلے کی طرف جا رہے تھے جہاں وہ زکوٰۃ جمع کرنے جا رہے تھے۔ راستہ پوچھنے پر ایک شخص نے انہیں تھپڑ مارا، لات ماری اور بغیر کسی وجہ کے (صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے) وہاں سے نکال دیا۔
- یکم مارچ بہار کے دربھنگہ ضلع میں ۶۵ سالہ مسلمان عبد السلام ایک ہندو خاندان کے ہاتھوں اس وقت قتل کر دیے گئے، جب انہوں نے ایک بحث کے دوران ان کے اسلاموفوبک توہین آمیز تبصروں پر اعتراض کیا۔ خاندان نے اس کے اعتراض کا جواب اس کے سر پر لوہے کی سلاخ سے مار کر دیا۔ عبد السلام موقع پر ہی گر گئے۔ انہیں ہیلتھ سینٹر لے جایا گیا جہاں انہیں مردہ قرار دے دیا گیا۔
- ۲ مارچ کو ۱۲ سالہ انیس خان کو اس کے ہندو دوست کے خاندان نے گولی مار کر قتل کر دیا۔ جبکہ ہندو خاندان نے اسے 'غلطی' قرار دیا۔ لڑکے کے والدین کا دعویٰ ہے کہ یہ قتل تھا۔ لڑکا روزہ رکھے ہوئے تھا اور اپنے دوست کے ہاں تقریب میں گیا تھا جب اس کے سر میں گولی لگی اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔
- مہاراشٹر میں ایک ۱۸ سالہ نوجوان مسلمان کو ”گائے کے محافظوں“ یعنی ”شیو گورکشک دل“ نے، جن میں لیڈر ”بپاشا مکیم“ اور ”ویراج سولے“ شامل تھے، تشدد کا نشانہ بنایا۔ نوجوان ایک ٹرک پر کام کر رہا تھا جو کراڑ سے ممبئی تک بھینسوں کی نقل و حمل کر رہا تھا۔ محافظوں نے ٹرک روکا، اسے گالیاں دیں اور مبینہ طور پر اسے گائے کا گوبر کھلایا اور ”جے شری رام“ کا نعرہ لگانے پر مجبور کیا۔
- مارچ کے شروع میں بہار کے مدھوبنی ضلع میں ایک بزرگ مسلمان خاتون روشن خاتون کو ایک ہجوم نے مارا پیٹا اور تشدد کا نشانہ بنایا۔ خاتون گاؤں کے سربراہ کے پاس ایک تنازع حل کرنے گئی تھیں جب سربراہ کے بیٹے نے ان پر حملہ کر دیا۔ روشن خاتون روزہ رکھے ہوئے تھیں، انہیں مارا پیٹا گیا، ایک کھمبے سے باندھا گیا اور تشدد کیا گیا۔ ایک عینی شاہد نے بتایا کہ جب انہوں نے پانی مانگا تو ہجوم نے انہیں پیشاب ملا کر شراب پینے پر مجبور کیا۔ بعد میں وہ اپنے زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسیں۔

رمضان کے مہینے میں مسلمانوں پر حملے سڑک سے نکل کر نجی اجتماعات تک پہنچ گئے۔ اور چونکہ یہ مقدس رمضان کا مہینہ تھا، ان میں سے بہت سے واقعات غروب آفتاب کے وقت مسلمانوں کے روزہ افطار کرتے ہوئے پیش آئے۔ مثال کے طور پر:

- ۱۳ مارچ ۲۰۲۶ء کو مہاراشٹر کے دیہی علاقے پونے میں ایک جھیل کے کنارے ۱۴ مسلمان مرد اپنا روزہ افطار کرنے بیٹھے تھے۔ تقریباً ۵۰ افراد کا جتھہ انکے پاس آئے اور پوچھا کہ وہ وہاں کھانے کے لیے کیوں جمع ہوئے ہیں۔ انہیں پہلے زبانی طور پر پھر جسمانی طور پر تشدد کا نشانہ بنایا گیا، جس میں لوہے کی سلاخ کا استعمال بھی شامل تھا۔ ایک نوجوان کے سر میں ۱۴ ٹانکے لگے، دوسرے کی پیٹھ پر کئی زخم آئے۔ چند دن بعد بنارس میں ۱۴ مسلمان نوجوانوں کو گرفتار کر لیا گیا جب انہوں نے گنگا ندی میں کشتی پر افطار پارٹی کی۔ بعد میں پولیس نے وضاحت دی کہ لڑکوں نے کچھ چکن بریانی ندی میں پھینک دی تھی جس سے ہندو جذبات کو ٹھیس پہنچی۔
- بھارتی زیر قبضہ کشمیر میں پولیس نے رمضان کے آخری جمعہ کی نماز کے لیے سرینگر کی مشہور جامع مسجد بند کر دی۔ مقامی طور پر یہ دن یوم القدس یا اقصیٰ اور فلسطین کے ساتھ بین الاقوامی یکجہتی کا دن بھی ہے۔ اہلیانِ کشمیر نے ماضی میں اس دن بڑے پیمانے پر احتجاج اور فلسطین کی حمایت میں مظاہرے کیے ہیں۔ جامع مسجد کو عید کی نماز کے لیے ۲۱ مارچ کو بھی زبردستی بند کر دیا گیا۔ مسجد کے امام میرویز عمر فاروق کو گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ انہوں نے اپنے ایک اکاؤنٹ پر لکھا: ”ساتویں سال مسلسل حکمرانوں نے مسلمانوں کو یہاں نماز پڑھنے کی اجازت سے انکار کر دیا۔ جیسے اسرائیل نے رمضان کے دوران مسجد الاقصیٰ کے دروازے بند کر دیے، ویسی ہی تکلیف دہ حقیقت یہاں دیکھی جا رہی ہے“۔

Centre for the Study of Organized Hate نے ۲۰۲۵ء میں انڈیا میں نفرت انگیز تقریروں کی رپورٹ میں بتایا کہ گزشتہ چند سالوں میں ملک بھر میں نفرت انگیز تقریروں میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ ۲۰۲۳ء میں ۶۶۸ واقعات ریکارڈ ہوئے جبکہ ۲۰۲۴ میں ۱۱۶۵، اور ۲۰۲۵ میں ۱۳۱۸۔ یہ ۲۰۲۳ء سے ۹۷ فیصد اضافہ ہے۔ رپورٹ کے مطابق نفرت انگیز تقریریں اب وقفے وقفے سے نہیں بلکہ روزمرہ کا معمول بن چکی ہیں،

اوسطاً روزانہ چار واقعات۔ رپورٹ میں بتایا گیا کہ ان میں سے ۹۸ فیصد واقعات میں مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ بہت سے مواد میں درج ذیل شامل تھے:

- تشدد پر ابھارنا،
- ہتھیار اٹھانے یا مسلمانوں کا اقتصادی اور سماجی بائیکاٹ کرنے پر ابھارنا،
- سازشی نظریات (جیسے Love Jihad)،
- مسلمانوں کو انسانیت سے گرا کر (جیسے طفیلی / جانور) کہنا،
- مساجد / مقامات مقدسہ کو تباہ کرنے پر ابھارنا۔

گزشتہ مہینے مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے کی شدت عروج پر تھی۔ لیکن چند واقعات نے اسے مزید ہوا دی۔

- دہلی کے اتم نگر میں ۲۶ سالہ تارون کا قتل، جو اس کے مسلمان پڑوسیوں کے ساتھ تنازع کے بعد ہوا۔ اس واقعے کے بعد محلے میں تناؤ بڑھ گیا جب ہجوم ان کے گھر کے باہر جمع ہو کر ان کے قتل کا مطالبہ کرنے لگا۔ اس کے قتل کو مسلمانوں کے خلاف ریلی کا نعرہ بنا دیا گیا۔ مسلمان خاندان کو علاقہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ ان کا گھر میونسپل کارپوریشن آف دہلی کے حکم پر JCB بلڈوزر سے مسمار کر دیا گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ JCB بلڈوزر اسرائیلی فوج بھی فلسطینی گھروں کو مسمار کرنے کے لیے استعمال کرتی ہے۔
- دوسرا واقعہ جو ہندوتوا ہجوم کو متحرک کر گیا، وہ اینٹی مسلم فلموں Kerala Story II اور Dhurandhar II کی ریلیز تھی۔ کئی ویڈیوز میں سینما گھروں میں تقریریں دکھائی گئیں جن میں سامعین کو مسلمانوں کے خلاف اقتصادی اور سماجی بائیکاٹ کرنے کا کہا گیا۔ مارچ کے وسط میں گجرات کے سورت میں انتر اشٹریہ ہندو پریشد اور راشٹریہ بجرنگ دل کے زیر اہتمام ترشول دیکشا تقریب میں ایک مقرر نے ”Love Jihad“ کے بارے میں خبردار کیا اور ہندو مردوں کو ترشول (ترشول) سے مسلح ہونے کی ترغیب دی۔ شرکاء نے گائے اور ہندو عورتوں کی حفاظت کے لیے ترشول اٹھانے کا عہد کیا۔ ۸ مارچ ۲۰۲۶ء کو سورت کے مندوی میں ویراٹ ہندو دھرم سبھا میں، سابق بی جے پی ایم ایل اے ٹی راجہ سنگھ نے مسلمانوں پر ”Love Jihad“ اور ”Land Jihad“ کا الزام لگایا۔ اس نے مسلمانوں کو ”دشمن“ اور ”کیڑے“ کہا۔ اس نے علیحدگی کی حمایت کی، سزا کے طور پر گھروں کی مسماری کی تائید کی اور ”مسلمانوں کے خلاف ریاستی کارروائی“ کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کو ہتھیار اٹھانے کی اپیل کی۔
- ۱۰ مارچ ۲۰۲۶ء کو نئی دہلی کے سنسد مارگ پر، بھانتے سنگھ پریہ راہل، جو وزارت داخلہ کے تحت ہندی ایڈوائزری کمیٹی کا رکن بھی ہے، نے مسلمان مردوں پر دلت عورتوں کو دھوکہ دینے اور انہیں بیرون ملک اسمگل کرنے کا الزام لگایا۔ اس نے مسلمانوں کو ”گیدڑ“ اور ”بھیڑیے“ کہا۔

یہ چند واقعات تو وہ ہیں جو سوشل میڈیا پر ویڈیو شیئر ہونے کے سبب رپورٹ ہوئے، جبکہ مسلمانوں کے خلاف تشدد مار پیٹ کے واقعات کی اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: استعماری تہذیب کے پھندے

بہت سے مخلص دانشور آج خود یہ اعتراف کر رہے ہیں کہ موجودہ تعلیمی نظام جس میں آخرت تو کبھی ترجیح تھی ہی نہیں۔ اب ہماری دنیاوی ضروریات پوری کرنے کے قابل بھی نہیں رہا تو اس نظام میں اب بچا کیا ہے کہ اس کے لیے تگ و دو کی جائے؟ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی اور اپنے آنے والی نسلوں کے لیے ترجیحات کا تعین کریں۔ یہ وقت حق و باطل کے مابین آخری معرکے کا وقت ہے۔ اگر ہم نے اس کے لیے تیاری کی جیسا کہ اللہ اور اس کے سچے رسول ﷺ کا حکم ہے تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ ہم اپنی آخرت بچانے میں کامیاب ہوں گے، لیکن اگر اس نازک وقت میں بھی ہماری ترجیح دنیاوی آسائش آرام ترقی اور پیسہ رہا تو یہ سراسر خسارہ ہو گا۔ بقول مولانا عاصم عمر رحمۃ اللہ علیہ:

> ”اسلام آپ سے آپ کی طاقت سے زیادہ قربانی نہیں مانگتا، لہٰذا جو آپ کی طاقت میں ہے وہ آپ کو ہر حال میں کرنا چاہیے اور اپنی ذمہ داریوں کو پوری دیانت داری سے نبھانا چاہیے۔ ظاہر ہے ایمان جیسی عظیم دولت کو بغیر کسی قربانی دیے تو نہیں بچایا جا سکتا بلکہ اس کے لیے انہی حالات کا سامنا کرنا پڑے گا جو پہلے والوں کو پیش آئے۔ سو یہ کام طبیعت پر گراں گزرے گا لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اس دور کی مشکلات کی طرح حق پر ڈٹ جانے والوں کے لیے آقائے مدنی ﷺ نے فضائل بھی اتنے ہی زیادہ بیان فرمائے ہیں۔ لہٰذا دلوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ہر اہل ایمان کو جہاد کے فضائل، مجاہد کے لیے انعامات اور شہید کے درجات والی آیات و احادیث کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ اس کے دل سے شیطان کے وسوسے دور ہو جائیں اور اللہ کے وعدوں پر یقین آجائے کہ دجال کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو حق والوں کو حق سے نہیں ہٹا سکتا، باطل کتنا ہی سج دھج کر آجائے ہمیشہ باطل ہی رہے گا اور حق کتنا ہی بے سروسامان نظر آئے غالب حق ہی کو ہونا ہے۔“[1]

☆☆☆☆☆

[1] تیسری جنگ عظیم اور دجال، ص ۲۱۵

نقطۂ نظر

شام کے متعلق چند کھلی باتیں

ابو عمر عبد الرحمٰن

خبر ہے:

”فاتح شام، صدر احمد الشرع کی موجودگی میں فیجاء ہال کا افتتاح، امریکی ریپر اور ڈانسر مسی ایلیٹ کے مشہور گانے 'Work It' کی دھنوں پر۔“

آج جبکہ اس واقعے کی ویڈیو عام ہے اور دنیا بھر سے اہلِ دین و محبین جہاد کے علاوہ خود شامی مجاہدین و علماء کا ایک بڑا طبقہ حکومت پر تنقید کر رہا ہے، یہ بہت ہی اطمینان و شکر کا مقام ہے۔ یہ واضح کرتا ہے کہ یہ فضا بہت زیادہ عرصہ تک ایسی آلودہ نہیں رہے گی اور جلد ہی، باذنِ اللہ رب العزت، اہلِ حق و جہاد کی برکت سے اس زمین سے وہ کچھ دکھائی دے گا جو اہلِ ایمان کے سینوں کی ٹھنڈک اور ظالم کفار کے لیے غم و خوف کا باعث ہو گا۔

پس اس صورتِ حال میں آج یہ چند واضح اور کھلی باتیں کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

جہاد کا مقصد امت کی آزادی اور اللہ کے دین کا غلبہ ہے۔ دین کا قیام اور شریعت کا نفاذ اس کا شرعی مقصد ہے۔ شام کے اندر اگرچہ نصیریوں اور ان کے پشتیبان ظالم روافض کا دور اپنے اختتام کو پہنچا اور یہ اپنی جگہ ایک اہم پیش رفت ہے، مگر اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مذکورہ بالا جہادی مقاصد میں سے کوئی ایک بھی تا حال حاصل نہیں ہو سکا۔

آزادیٔ امت کی جگہ امت ہی کے خلاف لڑنے والے اتحاد کا حکومتِ شام باقاعدہ حصہ بن چکی ہے، وہ اتحاد جو صہیونیوں کے مفاد میں جہاں جس طرح چاہے حملوں کی کھلی چھوٹ حاصل کر چکا ہے۔ شریعتِ محمدی ﷺ کی اتباع کی جگہ قدم قدم پر عالمی نظام کفر اور اس کے اصولوں کی پیروی شروع ہے۔ دین دشمنوں (پی کے کے، فری سیرین آرمی اور دیگر) کو فوجی و سول بڑے بڑے عہدے دیے گئے ہیں۔ شرعی اسلامی نظام کی جگہ قولاً و عملاً سیکولر و لادین نظام حکومت وجود میں آیا ہے اور ہر کچھ عرصے بعد اس کے سیکولر مظاہر کی باقاعدہ نمائش کی جا رہی ہے۔ فتحِ دمشق تک نفاذِ شریعت کے وعدے کیے جاتے تھے، گو تب بھی آزادیٔ اُمت اور نفاذِ شریعت کے لیے لڑنے والے مجاہدین کو حیلے بہانوں سے جیلوں میں ڈالا جا رہا تھا، مگر دمشق کے بعد کوئی ایک ایسا اقدام نظر نہیں آ رہا جو دشمنانِ امت کا راستہ روکنے اور اہلِ ایمان کو راضی کرنے کا موجب ہو۔ اس کے برعکس ہر ہر قدم میں سیکولرز اور دشمنانِ امت کو خوش کرنے کی کوشش واضح دکھائی دیتی ہے۔

امریکہ اور برطانیہ وغیرہ کو راضی کرنے کی کوششیں اپنے عروج پر ہیں، بلکہ کھلے عام یہ اعلان تک بھی ہوا کہ ”سب سے پہلے شام“ ہی اب ہمارا نعرہ ہے اور اسے ترقی و خوشحالی دینے میں ابنِ زید و ابنِ سلمان کا وژن ہمارا آئیڈیل ہے۔ یہ باتیں محض زبانی نہیں ہوئیں، عملاً اس کی کوشش ہو رہی ہے اور اس کے لیے تعلیم و میڈیا سمیت پورا حکومتی نظام استعمال ہو رہا ہے، یہاں تک کہ آج یہ دن بھی دیکھنا پڑا کہ ”امیر شام“ ہی کی موجودگی اور ان کی حکومت کے انتظام سے امت کی بیٹیوں کو بدنام فحش گانوں کے ساتھ سٹیج پر نچوایا گیا۔

یہ سب کیوں ہوا؟ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ اور اس سے متصل سوال یہ کہ یہ سب کچھ شام میں تو ہو رہا ہے افغانستان میں کیوں نہیں ہو رہا؟ افغانستان میں اس کے بالکل برعکس ایک شرعی اسلامی نظام کیوں قائم ہوا، کیوں وہاں شریعت کی پیروی اور اس کی حاکمیت ہی سب سے اول ترجیح نظر آ رہی ہے؟

اس کا جواب اس کے سوا کوئی نہیں کہ افغانستان آزاد ہوا ہے، جبکہ شام آج بھی امریکی تسلط کے تحت ہے۔ یہ تسلط عسکری بھی ہے اور سیاسی بھی۔ اور یہ بات بھی واضح ہو، یہی اہم اور امت میں جاری دینی جہادی تحریکوں کے لیے قابلِ غور بات ہے کہ اس تسلط کا سبب شامی حکومت کی یہ موجودہ پالیسیاں قطعاً نہیں ہیں، یہ پالیسیاں سبب نہیں، بلکہ نتائج ہیں۔ اصل اسباب وہ خطرناک ترین غلطیاں ہیں (جنہیں اگر جرائم نہ کہا جائے) جو دورانِ جہاد، شام کی موجودہ قیادت سے سرزد ہوئیں۔ انہی غلطیوں کی وجہ سے آج مسلمانانِ شام صہیونیوں کے مشقِ ستم ہیں اور وہ کلچر پروان چڑھایا جا رہا ہے جس کا راستہ اگر نہیں روکا گیا تو یہ امت کی بیٹیوں کی عفت کا جنازہ نکالنے، نوجوانوں کو گمراہ کرنے اور شام کے اہل ایمان و جہاد پر زمین تنگ کرنے پر منتج ہو گا اور اس سب کا فائدہ ظاہر ہے اسرائیل و دیگر دشمنان ہی سمیٹیں گے۔

دورانِ جہاد ایک بڑی غلطی جو ہوئی وہ یہ کہ ایک (رافضی/بعثی) طاغوت کے خلاف امریکہ، ترکی اور اس بلاک کے دیگر طواغیت کی اطاعت و وفاداری قبول کر لی گئی۔ جن دشمنانِ امت سے براءت و عداوت کا رویہ رکھنا لازم تھا، یا کم از کم ان کی بات نہ ماننے اور اس کے مقابلے میں شرعی احکامات کو دانتوں سے پکڑنے کا الٰہی حکم تھا، مطلوبین کی فہرست سے نام ہٹانے، طاغوتِ اکبر کے ڈرون/میزائلوں سے بچنے، اس کی مدد و حمایت حاصل کرنے اور اس کی طرف سے دودھ و شہد کی نہریں بہانے کی امید لے کر انہی کی ہدایات و اوامر کے مطابق عمل کامیابی کی کنجی سمجھی گئی۔ یوں بشار تو گر گیا، روافض بھی شام سے نکل گئے، مگر صلیبی صہیونی اپنی سازش و فساد سمیت داخل ہو گئے اور آج انہی کے اوامر و انتظام سے مسلمانانِ شام کے دین و دنیا کو تباہ کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

یہ ہے وہ پس منظر جس کے سبب آج یہ دل خراش منظر ہمیں دیکھنا پڑ رہا ہے۔ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کہانی اور اس کا یہ سکرپٹ صرف شام تک محدود نہیں رہے گا۔ جہاں بھی امت کی آزادی اور دینِ اسلام کے غلبہ کی کوشش ہو گی، دشمنانِ دین اسی طرح کی امداد، ”کامیابی“ اور ”ترقی و خوشحالی“ کے پیکیج کے ساتھ وہاں نقب لگانے پہنچیں گے۔

ایک طرف آگ و بارود برسایا جائے گا جبکہ دوسری طرف میٹھے زہر کے ذریعے جہادی تحریک کو یرغمال بنانے، اس کو اپنے مطلوب مقاصد سے ہٹانے اور بالآخر دین و امت ہی کے خلاف استعمال کرنے کا منصوبہ عمل میں لایا جائے گا۔ قربانیاں دی جائیں گی مگر ان کا فائدہ دشمنانِ امت سمیٹیں گے جبکہ دین و امت کے حصے میں غلامی و محرومی کے سوا کچھ بھی نہیں آئے گا۔

امت مرحومہ کے ساتھ یہ سب کب تک ہو گا؟ اُس وقت تک جب ہم جہاد کے نام پر محض جذبات ہی کے ابھارنے کا کام نہ کریں، بلکہ جہاد کی کامیابی اور اس کے شرعی مقاصد کے حصول کے لیے شعور پیدا کرنا بھی اپنا مقصد و ہدف بنائیں، اور ان دونوں (جذبہ و شعور) کے ساتھ جب اخلاص ہو گا، صبر و استقامت ان پر ہو گی، تب ہی جا کر منزل کی طرف کچھ قدم بڑھیں گے۔ ورنہ تو بھول بھلیاں ہیں، سراب ہے، ناکامیاں و نامرادیاں ہیں اور خود اپنی کم نگاہی ہی کے سبب ہم منزل سے دور ہوتے جائیں گے۔

مجھے احساس ہے کہ یہ سطور پڑھ کر بعض بھائی خوش نہیں ہوں گے۔ اللہ کرے کہ وہ ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ حقائق کا جائزہ لیں، شرعی مبادی کی روشنی میں شام اور نفسِ جہاد اور اس کی تحریک کے متعلق اپنے مواقف پر نظر ثانی کریں۔ اگر ان کا مؤقف صحیح اور مدلل ہے تو ہم حاضر ہیں، ہماری اصلاح فرمائیں۔ اللہ نہ کرے کہ ہم مجاہدین عظام کے ساتھ کسی قسم کا بیر رکھ کر اپنے اعمال کی تباہی کا باعث بن جائیں۔ یہ بھی میں جانتا ہوں کہ بعض بہی خواہوں کی طرف سے مجھے گالیاں ملیں گی، طعنے اور تہمتوں کا سامنا ہو گا۔ یہ سب مجھے قبول ہے اور اجر کی نیت سے ہزار بار قبول ہے۔ میں اس پر صبر کروں تو ان شاء اللہ طنز و طعن کے یہ تیر و پتھر میری آخرت کا سرمایہ بنیں گے۔ مگر یہ قبول نہیں کہ بے دینی کو دین کا نام دیا جائے، سیکولرازم کو اسلام کا لبادہ پہنایا جائے، جہادی ثمرات کافروں کے سجائے گئے بازار میں نام نہاد ترقی و خوشحالی کے نام پر بیچے جائیں، اور یہ سب دیکھ کر ہم محض اس وجہ سے خاموش رہیں کہ کچھ بولیں گے تو مخالفت ہو گی۔

اللہ ہمیں وہ زندگی نہ دے کہ اپنی جان، عزت اور راحت کی خاطر جہاد، مجاہدین اور دین و امت کی مصالح کا سودا کریں۔ اللہ ہماری جان و اولاد اس دین و جہاد پر قربان کرے، نہ کہ اس کا الٹ ہو۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کمزوروں کو امت کی بیداری اور جہاد و مجاہدین کی نصرت میں استعمال فرمائے۔ آمین ثم آمین!

☆☆☆☆☆

میڈیا کی زبان بطور جنگی ہتھیار

اس تناظر میں واضح ہو جاتا ہے کہ معاصر سیاسی جدوجہد زبان کی جدوجہد بھی ہے۔ ”رجیم“ اور ”دہشت گردی“ جیسی اصطلاحات کے استعمال پر سوال اٹھانا محض ایک علمی مشق نہیں بلکہ ایک سیاسی عمل ہے۔

یہ اس بیانیے کی ”فطری“ حیثیت کو مسترد کرنے کے لیے ہے جو غلبے کو جائز ٹھہراتا ہے اور مزاحمت کو مٹا دیتا ہے۔

اس لغت کو توڑنے کے لیے فکری دقت کے ساتھ ساتھ تنقیدی جرأت بھی درکار ہے۔ اس کے لیے یہ تسلیم کرنا لازم ہے کہ زبان بھی میدانِ جنگ کا حصہ ہے، اور الفاظ اتنے ہی فیصلہ کن ہو سکتے ہیں جتنے وہ حقائق جن کی وہ نمائندگی کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

کیونکہ، بالآخر، مسئلہ صرف یہ نہیں کہ دنیا کو کیسے بیان کیا جاتا ہے، بلکہ یہ ہے کہ اسے بیان کرنے کا اختیار کس کے پاس ہے۔

اور جب تک یہ اختیار مرتکز رہے گا، زبان وضاحت کے لیے نہیں بلکہ جواز فراہم کرنے کے لیے استعمال ہوتی رہے گی۔ سمجھنے کے لیے نہیں بلکہ بیانیہ تشکیل دینے کے لیے، آزادی دینے کے لیے نہیں بلکہ غلبہ قائم کرنے کے لیے ہوتی رہے گی۔

اس لغت کی تحلیل لہٰذا اس منصوبے سے جدا نہیں ہو سکتی جو اقوام کی خود مختاری اور بین الاقوامی انصاف کے لیے کوشاں ہو۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ کسی بھی قوم کو ایسے لیبل تک محدود نہیں کیا جانا چاہیے جو اس کی سزا کے لیے بہانہ بن جائے۔ یہ نام دینے، اور وجود رکھنے، کے حق کی بازیافت ہے، طاقت کی مسلط کردہ درجہ بندیوں سے ماورا۔

کیونکہ اکثر اوقات پہلی جنگ ہتھیاروں سے شروع نہیں ہوتی، وہ الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

بقیہ شاہراہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

چنانچہ قرآن کو دل کا کھلا ہوا دروازہ بننا چاہیے، اور اس کا تدبر اس راستے کا زادِ راہ ہو، تاکہ دل وحی کے نور سے زندہ رہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج پر ثابت قدم رہے، نہ فتنے اسے بہکا سکیں اور نہ دباؤ اسے متزلزل کر سکیں، یہاں تک کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملے کہ دل سلیم ہو اور عمل مقبول، خواہ امن ہو یا جنگ و قتال!

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو تجھ پر حقیقت میں ایمان لائے، تیری راہ میں سچائی سے جہاد کیا، اور آخری دم تک تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج پر محبت، امید اور خوف کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ آمین

☆☆☆☆☆

میڈیا کی زبان بطور جنگی ہتھیار

سعید مارکوس ٹیناریو

بالادست میڈیا کی زبان محض دنیا کی عکاسی نہیں کرتی۔ وہ اسے منظم کرتی ہے، اس میں درجہ بندی قائم کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر اسے نظم و ضبط میں لاتی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کی غالب لغت کے اندر بعض اصطلاحات کو باقاعدگی سے اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ اتحادیوں کو جائز اور مخالفین کو ناجائز ٹھہرایا جاسکے۔ یہ کوئی محض لسانی تفصیل نہیں بلکہ عالمی نظام کے گرد اس سے متعلق رضامندی پیدا کرنے کا ایک مرکزی طریقۂ کار ہے۔

ایک سادہ مشاہدہ اس پیٹرن کو واضح کرتا ہے: امریکہ، اس کے یورپی (اور دیگر) اتحادی اور ''اسرائیل'' جیسے ممالک کو ''حکومتیں'' چلاتی ہیں۔ جبکہ وہ ممالک جو اس سامراجی نظام کو چیلنج کرتے ہیں، جیسے ایران، کیوبا، وینزویلا اور شمالی کوریا (اور افغانستان[1])، اکثر ''رجیمز'' کہلاتے ہیں۔

یہ امتیاز ہرگز غیر جانب دارانہ نہیں۔ ''حکومت'' ادارہ جاتی قانونی حیثیت کا تاثر دیتی ہے، جبکہ ''رجیم'' عام استعمال میں شک، غیر قانونی حیثیت اور خطرے کی علامت ہے۔

یہ بگاڑ خود بہت کچھ ظاہر کرتا ہے۔ سیاسیات میں ''رجیم' ' ایک غیر جانب دار، فنی اصطلاح ہے جو اقتدار کے وسیع تر ڈھانچے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لیکن میڈیا کے بیانیے میں یہ ایک سیاسی لیبل بن جاتی ہے۔ کسی ملک کو ''رجیم'' کہنا اس کی وضاحت نہیں بلکہ اس پر فیصلہ صادر کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ فیصلہ کسی بھی تجزیے سے پہلے آجاتا ہے، یوں عوامی تاثر کو پیشگی تشکیل دیا جاتا ہے۔

یہی طریقۂ کار غیر ریاستی عناصر پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

حماس جیسی تحریکوں پر خودکار طور پر ''دہشت گرد تنظیم'' کا لیبل لگ جاتا ہے، جس سے ان کی تاریخی، سماجی اور سیاسی پیچیدگی مٹ جاتی ہے۔

اس انداز سے بیان کرنے میں جو چیز غائب ہو جاتی ہے وہ سیاق و سباق ہے جس میں ایسی تحریکیں جنم لیتی ہیں: قبضہ، جنگ اور قومی حقوق کی نفی۔ بین الاقوامی قانون، خصوصاً نوآبادیاتی تسلط کے خلاف جدوجہد کے تناظر میں، اقوام کے حقِ خودارادیت، مزاحمت اور بیرونی قبضے کے خلاف جائز دفاع کو تسلیم کرتا ہے۔ اس اصول کی توثیق اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل ۵۱ اور بیسویں صدی کے دوران متعدد اقوام متحدہ کی قراردادوں میں کی گئی ہے۔

اس کے باوجود، مین سٹریم میڈیا شاذ و نادر ہی اس فریم ورک کو اختیار کرتا ہے۔ اس کے بجائے وہ ایسی لغت کو ترجیح دیتا ہے جو مزاحمت کو جرم بنا دیتی ہے اور تنازع کو غیر سیاسی کر دیتی ہے۔

یہ عدم توازن سب سے زیادہ ''اسرائیل'' کے معاملے میں نمایاں ہوتا ہے۔ اگرچہ بین الاقوامی قانون کا ایک بڑا ذخیرہ مقبوضہ فلسطینی علاقوں کے وجود اور بستیوں کی غیر قانونی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے، مگر میڈیا شاذ ہی ''قابض طاقت'' کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ اس کے برعکس، غالب بیانیہ ''حقِ دفاع'' کا ہوتا ہے۔

چنانچہ، شہری آبادیوں کے خلاف وسیع پیمانے پر فوجی کارروائیوں اور غزہ میں کی گئی نسل کشی کے باوجود بھی، غالب بیانیہ یہی رہتا ہے: ''اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے''۔ اس کے ساتھ ہی فلسطینی مزاحمت کی کسی بھی شکل کو فوری طور پر ''دہشت گردی'' قرار دے دیا جاتا ہے۔

اس کا نتیجہ ایک گہری معنوی الٹ پھیر کی صورت میں نکلتا ہے: قبضہ بیانیے سے غائب ہو جاتا ہے جبکہ مزاحمت کو جرم بنا دیا جاتا ہے۔

یہ لسانی پیٹرن اتفاقاً پیدا نہیں ہوا۔ یہ سرد جنگ اور نام نہاد ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' جیسے تاریخی مراحل کے ذریعے مستحکم ہوا، جن ادوار میں زبان جغرافیائی سیاسی کشمکش کا ایک مرکزی ہتھیار بن گئی۔ تب سے، غالب میڈیا مغربی طاقت پر مبنی عالمی نظام کو جائز ٹھہرانے کا ایک ذریعہ بن کر کام کرتا رہا ہے۔

یہ طے کر کے کہ کون ''حکومت'' ہے اور کون ''رجیم''، کون ''دفاع'' کر رہا ہے اور کون ''دہشت گردی'' میں ملوث ہے، میڈیا محض خبر نہیں دیتا بلکہ ممکنات کی سرحدیں متعین کرتا ہے۔ وہ رائے عامہ کو تشکیل دیتا ہے، پابندیوں، ناکہ بندیوں اور مداخلتوں کے لیے زمین ہموار کرتا ہے، اور اقوام کے درمیان عدم مساوات کو معمول بنا دیتا ہے۔

اس کے نتائج ٹھوس ہوتے ہیں۔ ایسی اصطلاحات کا مسلسل استعمال معاشی تنہائی کی پالیسیوں کو جواز فراہم کرتا ہے جو پوری آبادیوں کو متاثر کرتی ہیں، بین الاقوامی سلامتی کے نام پر فوجی مداخلتوں کو جائز ٹھہراتا ہے، اور قوموں کو مستقل طور پر خطرے اور تشدد سے جوڑ کر ان کی انسانیت کو مسخ کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر، یہ ایک ایسا علامتی نظام تشکیل دیتا ہے جس میں کچھ زندگیاں مکمل طور پر درست تسلیم ہوتی ہیں جبکہ دیگر ہمیشہ کے لیے مشکوک ٹھہرتی ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۳ پر)

[1] بین القوسین اضافہ از ادارہ۔ (ادارہ)

غزوۂ ہند کی فکری بنیادیں

تاریخ کے آئینے میں

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان شہید مجاہدین پاکستان وبرِّصغیر کے درمیان کسی تعارف کے محتاج نہیں اور ان کے یہاں ڈاکٹر ابو خالد کے نام سے معروف ہیں۔ پیشِ تر ان کی کتاب 'عصرِ حاضر کے جہاد کی فکری بنیادیں' زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو کر عام وخاص قارئین تک آج سے گیارہ سال قبل پہنچ چکی ہے۔ ڈاکٹر ابو خالد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری کتاب 'غزوۂ ہند کی فکری بنیادیں تاریخ کے آئینے میں'، مؤلف شہید نے مارچ ۲۰۱۲ء میں مکمل کی، لیکن مختلف النوع وجوہات کی بنا پر اب تک شائع نہ ہو سکی۔ اس کتاب میں موجود حقائق اور اعداد وشمار کو ویسا ہی رکھا گیا ہے جیسا کہ بوقتِ تالیف مؤلف شہید نے تحریر کیا تھا۔
'نوائے غزوۂ ہند' ڈاکٹر ابو خالد شہید کی اس کتاب کو قارئین کی سہولت اور تدوین واداارت میں آسانی کی خاطر، قسط وار مجلّے میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ (ادارہ)

باب ثالث: غزوۂ ہند اور ہندومت کی تاریخ

تعارف

آج کا دور پوری دنیا میں جہاد کے احیا کا دور ہے۔ اسی دور میں خراسان میں وہ لشکر بھی تیار ہو رہا ہے جو ان شاء اللہ غزوۂ ہند کی عظیم سعادت سے بہرہ مند ہو گا۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ علماء کی تصریحات کے مطابق جس دور میں بھی شرعی تقاضوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہندوستان پر نفاذِ شریعت کے لیے حملہ کیا جائے گا وہ غزوۂ ہند ہی ہو گا۔ لیکن خاص طور پر اس دور میں ایک عرصہ کے بعد درست منہج پر پورے ہندوستان پر اسلام کو غالب کرنے کی کوششیں شروع ہو چکی ہیں۔ غزوۂ ہند کے علم برداروں پر لازم ہے کہ غزوۂ ہند کے حوالے سے کسی منصوبہ بندی سے قبل ہندوستان کے حوالے سے اہم ترین معلومات سے اپنے آپ کو ضرور لیس کر لیں تاکہ مستقبل میں پیش آنے والے امتحانات سے اچھی طرح نبٹ سکیں۔ اسی ذیل میں اس باب میں ہندوستان کے اکثریتی کہلانے والے مذہب یعنی ہندومت کی کچھ متعلقہ تاریخ بیان کی گئی ہے تاکہ مسلمان مجاہدین اپنے مقابل لشکر سے بنیادی واقفیت حاصل کر سکیں۔

ہندوستان پر شرک کی تاریکی (ہندومت)

قدیم زمانے سے ہندو کا اطلاق دریائے سندھ کے مشرق میں رہنے والی قوموں پر ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دریائے سندھ کو سندھو کہا جاتا تھا۔ جو بعد میں سندھو سے ہندو بن گیا۔ ہندوستان کے قدیم باشندے دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ آج بھی ٹیکسلا، ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے کھنڈرات بعض روایتوں کے مطابق انہی قدیم ہندوستانی باشندوں کی آبادیاں تھیں۔ یہ لوگ مظاہر پرست اور بت پرست تھے۔ پندرہ سو سال قبل مسیح میں آریہ قوم نے ہندوستان پر قبضہ کیا اور یہاں کے مقامی لوگوں کو غلام بنا لیا۔ آریہ قومیں بھی بت پرست تھیں ان کے آنے سے ہندوستان میں ایک نئی تہذیب کی بنیاد پڑی جسے آریہ تہذیب کہا جاتا ہے۔ یہ سب شرک کی دنیا تھی۔ آریہ قوم کے آنے سے شرک کی دنیا میں چند اور رسومات کا آغاز ہو گیا۔ یہ آج کے ہندومت کی قدیم قسم تھی۔ اس دور میں شرک ایک سادہ شکل میں تھا۔ ہر قوم کا اپنا بت تھا اپنی اپنی رسومات تھیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندومت میں مختلف رسومات داخل ہونا شروع ہو گئیں۔ مختلف کتابیں تصنیف ہونا شروع ہو گئیں۔ ان میں ویدیں، اپنیشد، سرسوتی اور گیتا وغیرہ شامل ہیں۔

ہندومت کی تعریف

مؤرخین میں اور ہندو مذہب کے ماہرین کے درمیان یہ بات ایک طرح متفق علیہ ہے کہ ہندومت کی کوئی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی مذہب کی تعریف کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان عقائد اور رسومات کا واضح طور پر علم ہو کہ جن پر ایمان رکھ کر کوئی شخص اس دین میں داخل ہوتا ہو اور ان عقائد اور معیارات کا علم ہو جن کی خلاف ورزی کرنے سے کوئی شخص اس دین کے دائرے سے خارج تصور کیا جائے۔ پھر ان معیارات کو مقرر کرنے کے ماخذ کا واضح ہونا بھی اتنا ہی اہم اور ضروری ہے جتنے کہ اس مذہب کے عقائد اور معیارات۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو عقائد اور معیارات اس مذہب میں داخل اور خارج ہونے کے لیے ضروری قرار دیے گئے ہیں اس کی حجت کیا ہے۔ عام طور پر مذاہبِ عالم میں کوئی کتاب یا کوئی شخصیت ایسی مقرر کی جاتی ہے کہ جو کہ اس دین کے لیے حجت اور دلیل کے لیے مانی جاتی ہے۔ اور اس دلیل پر اس مذہب پر عمل کرنے والے علماء اور ماہرین کے جمہور کا متفق ہونا بھی ضروری ہے۔

ہندومت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس میں کوئی ایک شخصیت جس کو حجت اور دلیل کے لیے پیش کیا جائے موجود نہیں۔ عام طور پر الہامی مذاہب میں انبیاء کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے لیکن ہندومت میں انبیاء کا کوئی تصور موجود نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہندوؤں کے تمام فرقے کسی ایک کتاب پر متفق بھی نہیں کئی فرقوں کے یہاں تو وید حجت ہے اور کئی فرقے اس کتاب کو سرے سے مذہبی کتاب ماننے سے ہی انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں کے کسی ایک فرقے کے پاس کوئی ایسی دستاویز موجود نہیں جو کہ ان عقائد اور معیارات کی نشاندہی کرے جن کو اپنانے کے بعد انسان ہندو بن جاتا ہے اور نہ ہی کسی ایسے عقائد اور معیارات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ جن پر عمل کرنے سے کوئی شخص ہندو مذہب سے خارج ہو جاتا ہے۔

اس بحث کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندو مذہب کوئی ایک مذہب نہیں بلکہ بہت سے مذاہب کا مجموعہ ہے۔ ہر مذہب کے اپنے عقائد اور اپنی رسومات ہیں اور ایک دوسرے سے

اس قدر علیحدہ کہ ہر فرقہ ایک علیحدہ مذہب کا علم بردار بن جاتا ہے۔ مگر ان تمام فرقوں کو ہندو ہی کہا جاتا ہے۔ یہی اس مذہب کو سمجھنے میں سب سے بڑی دشواری ہے۔ اس لیے اس مذہب کو سمجھنے کے لیے ہم اس کا مختصر پس منظر پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کے ایسے مشترکہ عقائد کا ذکر کریں گے جو کہ بہت حد تک اکثر ہندو فرقوں میں کسی نہ کسی شکل میں پائے جاتے ہیں تاکہ ہندومت کی حقیقت زیادہ واضح ہوسکے۔ ان شاء اللہ۔

ہندومت تاریخ کے آئینے میں

جب ہم ہندومت کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہاں بھی مایوسی ہی نظر آتی ہے۔ ہندوؤں کی تاریخ کے تمام ہی مؤرخ جن میں مسلمانوں، انگریز اور خود ہندو مورخین شامل ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ ہندو مذہبی کتابیں جو کہ ہزاروں سالوں سے موجود ہیں، ان کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کتابوں میں بیان کیے گئے کسی ایک واقعے کو بھی تاریخی سند کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ یہ واقعات انسان کے خیالی تصور کا ایسا مافوق الفطرت مرقع ہے کہ اسے کسی طرح بھی تاریخ کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ہندو تاریخ کے بارے میں زیادہ مستند ذرائع قدیم یونانی، مسلمان اور انگریز کتابوں سے حاصل ہوسکتے ہیں۔ جدید دور کے ہندو تاریخ کے مصنف جن میں گاندھی اور نہرو بھی شامل ہیں اس خامی کا اعتراف کرتے ہیں۔ ان تمام مشکلات کے باوجود جدید مورخین ہندو مذہب کے تاریخی ادوار کو مندرجہ طریقے سے پیش کرتے ہیں:

۱. قدیم ہندوستان کی قومیں اور آریہ قوم کا ہندوستان پر قبضہ
۲. ویدوں کا دور
۳. برہمنا کا دور
۴. اپنیشد کا دور
۵. تین مورتی کا دور، ہندومت کی اصلاح کا دور
۶. ہندومت مسلمانوں کے دور میں
۷. ہندومت انگریزوں کے دور میں

۱. قدیم ہندوستان کی قومیں اور آریہ قوم کا ہندوستان پر قبضہ

ہندوستان میں ہندومت کی تاریخ کا آغاز پندرہ سو قبل مسیح سے ہوتا ہے۔ اس دور میں ہندوستان میں قدیم قومیں دریائے سندھ کے کناروں کے ساتھ ساتھ آباد تھیں۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ آج پاکستان میں دریافت ہونے والے ٹیکسلا، ہڑپہ اور موئنجو دڑو کے کھنڈرات اسی دور کے قدیم ہندوستانی باشندوں کی رہائش گاہیں اور قصبے تھے۔ ان کا پیشہ زراعت تھا۔ یہ لوگ مشرک تھے۔ ہر قوم اور قبیلے کا اپنا اپنا دیوی دیوتا تھا۔ پندرہ سو قبل مسیح میں آریہ قوم نے بابل کی طرف سے ان قوموں پر حملہ کیا اور ہندوستان پر قبضہ کرلیا۔ آریہ قوم بھی مشرک تھی وہ اپنے ساتھ بابل اور ایران کے شرک کے اثرات لے کر آئے تھے۔ اب قدیم قوموں اور آریہ قوم کے عقائد ملے تو ہندو مذہب ترقی کرنے لگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آریہ قوم وسطی ہندوستان کی طرف ہجرت کرنے لگی۔ اب یہ قوم دریائے گنگا اور جمنا اس کے بعد دریئے برہم پترا کے کنارے کنارے آباد ہونا شروع ہوگئیں۔ یہاں پر موجود قدیم ہندوستانی قوموں کو انہوں نے غلام بنالیا۔ یہاں سے قدیم سندھی تہذیب اور گنگا جمنی تہذیب کا آغاز ہوتا ہے۔ یہی ہندو مذہب کے آغاز کا دور ہے۔

۲. ویدوں کا دور (۱۵۰۰ ق م تا ۱۰۰۰ ق م)

ہندو مذہب کے دوسرے دور کا آغاز ۱۵۰۰ قبل مسیح سے ہوتا ہے اور اس کا اختتام ۱۰۰۰ ق م میں ہوا۔ اس دور کی خاص بات ہندو مذہب کی سب سے اہم کتاب وید کی تصنیف ہے۔ اس پر ان شاء اللہ ہم آگے بحث کریں گے۔ یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ویدوں کی تصنیف سے ہندو مذہب میں مزید ترقی پیدا ہوئی۔

۳. برہمنا کا دور (۸۰۰ ق م تا ۵۰۰ ق م)

برہمنا کے دور کا آغاز ۸۰۰ ق م میں اس وقت ہوا جب آریہ قوم دریائے سندھ کی وادی سے گنگا جمنا کی وادی پر قابض ہو رہی تھی۔ وہاں ان کو ہندوستان کے باشندوں سے واسطہ پڑا۔ ممکن ہے ان پر اپنی نفسیاتی برتری کو قائم کرنے کے لیے یا کسی اور وجہ سے ویدوں میں دیے گئے برہمنا کے عقیدے کی جدید تشریحات کی گئیں۔ ویدوں کے دور میں قدیم آریہ مذاہب اور قدیم ہندوستان کے مذاہب نے ترقی کرکے وہ عقیدے اپنا لیے جو آج ہندومت کا حصہ ہیں۔ یہ ترقی وید کے عقیدے برہمنا کی ایک نئی تشریح تھی۔ ویدوں کے مطابق برہمنا ایک مقدس روح ہے کہ جس کے دَم سے اس انسان اور فطرت کا اتحاد قائم ہے۔ یہی وہ روح ہے جس کے کی وجہ سے وجود کائنات قائم ہے۔ ہر انسان کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ وہ برہمنا کے معیار پر پہنچے یہی سب سے بڑی کامیابی اور نجات ہے۔

ویدوں کو الہامی کتاب قرار دیا گیا تھا اس لیے اس کی تلاوت کو بہت مقدس کام سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے کی اشرافیہ ویدوں کی تعلیمات سیکھنے اور سکھانے پر بہت زور دیتی۔ اپنے بچوں کو ویدوں کی تعلیمات دی جاتیں یہاں تک کہ بادشاہ اور شہزادے بھی اس کام کو بہت مقدس سمجھتے۔ اس طرح ویدوں کا علم اور اس کی تلاوت اور اس کو سیکھنا زمانے کا فیشن سا بن گیا۔ ویدوں کے عالموں کی عزت غیر معمولی حد تک بڑھ گئی۔ ان عالموں کو پروہت کہا جاتا گو کہ شروع شروع میں پروہت کوئی خاص ذات نہ تھی۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پروہت ایک ذات کی طرح بن گئے۔ چونکہ یہ کام اس وقت کی اشرافیہ کرتی تھی۔ اس لیے اب برہمنا کی تشریح یہ ہونے لگی کہ یہ وید کو پڑھنا اور پڑھانا صرف اونچی ذاتوں اور پروہتوں کا کام ہے۔ اور یہ کام کرنے والے ہی وہ آتما اور روح ہیں کہ جس کا ذکر ویدوں میں برہمنا کے طور پر کیا جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ عقیدہ زور پکڑتا گیا۔ اب یہ اونچی ذات والے برہمن بن گئے کہ جن کی اجارہ داری ہندو مذہب پر قائم ہوگئی۔ اس کے نتیجے میں ہندوؤں میں ذات پات کا نظام ایک مذہبی عقیدہ بن گیا۔ برہمن تو ٹھہرے ہی اونچی ذات کے، اس کے بعد

کھتری تھے جن کا کام دین اور برہمنوں کی حفاظت تھا۔ تیسری ذات ان پیشہ ور لوگوں کی تھی جنہیں ویش کہا گیا۔ چوتھی اور سب سے نچلی ذات شودر تھی۔

ذات پات کے اس نظام نے ہندو معاشرے میں تنگ نظری، تعصب، ظلم اور بربریت کی وہ مثالیں قائم کیں جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ شودر کو انسانیت کی سطح سے ہی گرا دیا گیا۔ آپس کی شادیاں منع ہو گئیں۔ برہمن کے احترام کے لیے ایسے ایسے قانون بنائے گئے کہ جن پر عمل کرنا نچلی ذاتوں کے لیے ممکن نہ رہا۔ مگر ان قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو زندہ جلایا گیا۔ اس صورت حال کے رد عمل میں بدھا جو کہ خود ایک براہمن شہزادہ تھا کھڑا ہوا۔ اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جسے آج بدھ مت کہتے ہیں۔ اس نے اس ذات پات کے نظام کو رد کر کے تمام انسانوں کو برابر قرار دیا۔ (بدھ مت کے بارے میں ہم ہندو فرقوں کے ذیل میں بحث کریں گے ان شاء اللہ۔ یہاں صرف اس کا تعارف دیا گیا ہے۔) بدھ مت کے عروج سے برہمنا کے نظام پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ ۵۰۰ ق م میں لوگ ہندو مت کو چھوڑ چھوڑ کر بدھ مت کو قبول کرنے لگے۔ اس دور میں بدھ مت کو کئی ہندوستان کے بادشاہوں نے قبول کیا اور اس طرح بدھ مت کی وجہ سے وقتی طور پر برہمنا کا زوال ہو گیا۔ ہندو مت کے عالموں نے اس زوال کا مقابلہ کیا اور کئی سو سال کی جنگ کے بعد اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کیا جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ مگر اس سے پہلے ہم ہندو مت کے ایک اور دور کا ذکر کرتے ہیں جو کہ خود براہمنا کے زوال کا باعث بنا۔ بدھ مت گو کہ ہندو مذہب کے اندر سے شروع ہوا اور رفتہ رفتہ ایک علیحدہ دین بن گیا۔ مگر اپنیشد کے دور میں جو فکری تبدیلیاں نمودار ہوئیں انہوں نے ہندو مذہب کے اندر رہ کر ہی اپنا اثر دکھایا۔

۴. اپنیشد کا دور

اپنیشدوں کے دور کی دو بڑی اہمیتیں ہیں ایک تو یہ کہ اس نے ایک دفعہ پھر برہمنا کی نئی تشریح کی اور اس کو کسی خاص ذات کے ساتھ موسوم کرنے سے انکار کر دیا۔ اپنیشد نے برہمن کو ایک انسان کی انا اور اعلیٰ انسانی قوت قرار دیا جو کہ کوئی انسان بھی عبادت کے ذریعے سے حاصل کر سکتا تھا۔ دوسری تبدیلی اس دور میں واقع ہوئی وہ طریقہ عبادت تھا۔ ویدوں کی تعلیمات تو انسان کے جسم کو تپسیاء، روزوں اور مجاہدوں سے لاغر اور کمزور کرنے کا درس دیتی تھیں جو کہ انسانی خواہشات کو روکنے کا باعث بن سکتی تھی۔ اس کے برعکس اپنیشد کی تعلیمات انسانی ذہن کو مضبوط بنانے پر زور دیتی تھیں۔ اس کے مطابق اگر انسان اپنے ذہن اور جسم کے قوا کو مجتمع کر کے قابو کر لے تو وہ اپنی سفلی خواہشات کو قابو کر سکتا ہے۔

اس مقصد کے لیے ایک طریقہ عبادت جیسے یوگ کہا جاتا ہے دریافت کیا گیا۔ اس میں تپسیا کے برعکس جسمانی ورزش سانس کو قابو کرنے کے طریقے پر زیادہ زور دیا گیا۔ اس طریقے کو اپنانے سے پہلے اخلاقیات اور ظاہری آداب کے طریقے بھی وضع کیے گئے۔ یوگ کی عبادت کے طریقے سے انسان مکتی یا نجات پا سکتا ہے۔ اپنیشد کی مقبولیت نے بھی برہمنا کے طریقے کو زوال دیا۔ مگر اپنیشد کے اس طریقے سے بھی تمام لوگوں نے اتفاق نہ کیا اور اپنیشدوں کے رد عمل میں جین مت نے جنم لیا اور بعد میں یہ ہندو مت سے علیحدہ ایک دین بن گیا اس کا ذکر ہم ہندو فرقوں میں کریں گے ان شاء اللہ۔

۵. تین مورتی کا دور ہندو دھرم کی اصلاح کا دور

ہندو مت آریہ اور قدیم ہندوستانی قوموں کے شرک کا مجموعہ تھا۔ جس نے برہمنا کے دور میں ذات پات کی بنیاد پر ایک ایسا طبقاتی نظام دیا جس میں عام انسانوں کو ایک برہمن کا غلام بنا دیا۔ یہ ایک ایسا نظام تھا جس میں کسی عام بندے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ وہ دین پر عمل کیوں کرے۔ اس وجہ سے اس نظام کے رد عمل میں جو بھی تحریک اٹھی عوام نے اس کا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے بادشاہوں نے بھی اس دین کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ اپنیشد تحریک اور جین مت نے بھی برہمنا تحریک کا ستیاناس کر دیا۔ مگر برہمن اتنی جلدی ہار ماننے والا نہ تھا۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ایک درمیان کا ایسا راستہ نکالا جائے جس میں برہمنا کا وقار تو کبھی ختم نہ ہو بلکہ اس میں اضافہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ کوئی ایسا دیوتا بھی ہونا چاہیے جو عوام الناس کو بھی فائدہ پہنچائے تاکہ عوام الناس مذہب میں دلچسپی لیں اور اس طرح برہمنا کا وقار بھی قائم رہے گا۔ ایک اور مسئلہ ہندو مت کے سامنے یہ تھا کہ اس میں بہت سے فرقے تھے اور ہر فرقے کے اپنے اپنے سیکڑوں دیوی دیوتا تھے۔ ان فرقوں کے عقائد بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے بلکہ بعض صورتوں میں ایک دوسرے سے متعارض بھی تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ سب ہندو تھے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ ان فرقوں میں کسی نہ کسی طرح کی وحدت فکر بھی پیدا کیا جائے۔

ان دو بڑے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے دوسری صدی عیسوی کے بعد سے ہندو مت میں ایسی کتابیں سامنے آنا شروع ہو گئیں جس نے ہندو مت کو عوام کا دھرم بنا دیا۔ ان کتابوں میں پران گیتا، بھگوت گیتا، مہابھارت، رامائن وغیرہ شامل تھیں ان کتابوں کا ذکر ان شاءاللہ ہم بعد میں کریں گے۔ مگر ان کتابوں نے قدیم ویدوں میں ذکر کیے گئے تین دیوتاؤں کے کردار کو ایک نئے انداز میں پیش کیا جانے لگا یہ تین کردار برہمنا، وشنو اور شیو تھے۔ یوں ہندو مت میں ایک عقیدہ تثلیث قائم کیا گیا۔

برہمنا

برہمنا ایک خالق کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ سب سے بڑا دیوتا ہے۔ اس نے معاذ اللہ پوری کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ اس سے زیادہ اس کی اور کوئی اہمیت نہیں ہے۔ برہمنا ایک قائم بذات روح ہے سب سے مقدس ہے۔ اس کی بیوی سرسوتی ہے جس کے ساتھ وہ میرو پربت پر رہتا ہے۔ اس کا مجسمہ چار سروں والا ہے اور چار ہی ہاتھ رکھتا ہے۔ ایک ہاتھ میں چمچہ دوسرے میں لوٹا تیسرے میں تسبیح اور چوتھے میں وید ہے۔ اس کی سواری راج ہنس ہے۔ ہر ہندو کی خواہش اور اس کی زندگی کا مقصد برہمنا کی ذات میں ضم ہو جانا ہے۔

وشنو

وشنو دوسرا دیوتا ہے جس میں معاذ اللہ الٰہی خصوصیات ہیں اگر برہما خالق ہے تو وشنو کی حیثیت معاذ اللہ رب کی سی ہے، وہ رازق بھی ہے اور لوگوں کا مشکل کشا بھی۔ یہ رحم کا دیوتا بھی ہے اور لوگوں کو رحم کا درس بھی دیتا ہے۔ یہ ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کرتا ہے۔ وشنو کی شکل میں ہندومت کو ایک ایسا دیوتا مل گیا جس کو بہت سے فرقوں نے ماننا شروع کر دیا۔ اپنے اپنے دیوتا وشنو کے اوتار کے طور پر اس میں شامل کرنا شروع کر دیے۔ وشنو کے مشہور اوتاروں میں نرسنگھ، رام چندر اور کریشن ہیں۔ ویشنو دیوتا نے اس قدیم ذات پات کے نظام میں ایک درمیان کا بہترین راستہ نکال لیا جس نے بہت سارے ہندو فرقوں کو جمع کر دیا۔ اب عوام کو بھی مذہب سے کچھ ملنے لگا۔ برہمن کی عزت اسی طرح قائم رہی اور اس طرح بدھ مت اور جین مت کے مقابلے میں ہندومت میں ایک نئی روح پھونکی گئی۔

شیومت

عقیدہ تثلیث کا تیسرا بڑا دیوتا شیو ہے۔ اگر وشنو رحم کا دیوتا ہے تو شیو غضب اور قہر کا دیوتا ہے۔ یہ ہندوؤں کا دوست اور ان کے دشمنوں کا دشمن ہے۔ دین کے منکروں کا بھی سخت دشمن ہے۔ اس کا مسکن پہاڑ ہیں اس کی بیوی پاربتی ہمالیہ کی بیٹی ہے۔ شیو کی آٹھ شکلیں ہندوؤں کے ہاں مستند مانی جاتیں ہیں۔ شیو کا ایک بیٹا کارشکے ہے جو جنگ میں باپ کی مدد کرتا ہے۔ دوسرا بیٹا گنیش ہے جو عقل اور فن کا دیوتا ہے۔ اس کا جسم تو انسان کا ہے اور سر ہاتھی کا ہے۔ یہ ایک چوہے پر سوار ہے۔ گنیش کی بیوی لکشمی ہے۔ جو قسمت کی دیوی ہے۔ گنیش اور لکشمی ہندوؤں کے مجبوب دیوی دیوتا ہیں۔

۶. ہندومت مسلمانوں کے دور میں

اس دور کا تفصیلی تذکرہ آگے کے ابواب میں آئے گا۔

۷. ہندومت انگریزوں کے دور میں

اس دور کا تفصیلی تذکرہ آگے کے ابواب میں آئے گا۔

ہندومت کے عقائد

نجات یا مکتی کا عقیدہ

ہندومت کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی روح کو دنیا میں واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ نیک روح کو براہمن بنا دیا جاتا ہے اور بد روح کو کم تر ذاتوں، جانور اور درختوں اور پودوں کی شکل میں پیدا کیا جاتا ہے۔ اسے عقیدہ تناسخ بھی کہتے ہیں۔ اس چکر سے نجات حاصل کر کے برہما کی ذات میں گم ہو جانا ہی انسان کی اصل نجات ہے۔ اس نجات یا مکتی کو حاصل کرنے کے لیے انسان کو دنیا میں تین طریقے اختیار کرنے ہوں گے جو مندرجہ ذیل ہیں:

- قربانی یا راہ عمل
- علم اور معرفت
- بھگوان سے عقیدت، ریاضت اور عبادت

برہمن کا عقیدہ

برہمن کا عقیدہ ہندومت میں سب سے اہم عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے۔ برہمن کیا ہے؟ اس کے بارے میں ہندومت کی مختلف تعلیمات ہیں جن کو اختصار سے ذیل میں درج کرتے ہیں:

- برہما ایک دیوتا ہے جس نے دنیا کو تخلیق کیا ہے۔
- برہمن ایک مقدس آتما یا روح بھی ہے۔
- برہمن انسان کے نفس کی قوت اعلیٰ بھی ہے جو اسے بدی سے بچاتی ہے۔
- برہمن ایک اونچی ذات کا مقدس انسان بھی ہے۔
- برہمن ایک اونچی ذات بھی ہے۔
- برہمن ہر ہندو کے لیے ایک ایسا معیار ہے جسے ہر ہندو حاصل کرنا چاہتا ہے۔

برہمن کی امتیازی خصوصیات

- برہمن تمام ہندوؤں کا استاد، راہنما اور مذہبی پروہت ہے۔
- برہمن تمام ہندو طبقوں کو ان کی ذمہ داریاں بتاتا ہے۔
- برہمن کو کوئی جسمانی سزا نہیں دی جا سکتی۔
- برہمن نذر نیاز کھا سکتا ہے۔
- برہمن پر کوئی ٹیکس نہیں لگ سکتا۔
- اگر کوئی مال برہمن کو مل جائے تو اپنے پاس رکھ سکتا ہے جب کہ دوسری ذات کا آدمی ایسے نہیں کر سکتا۔
- سڑکوں اور شاہراہوں پر برہمنوں کو خصوصی مراعت حاصل ہیں۔
- کسی برہمن کی جان لینا یا اسے ڈرانا دھمکانا کبیرہ گناہ ہے۔
- کوئی کمتر ذات کا آدمی برہمن پر دعویٰ نہیں کر سکتا۔

تخلیق کائنات اور وحدت الوجود کا عقیدہ

تخلیق کائنات کے مطلق ہندوؤں کی کتابوں میں بہت سی پیچیدہ داستانیں ہیں جن کو سمجھنا اور ان کو بیان کرنا اس موضوع سے باہر ہے مگر ان تمام داستانوں کا نچوڑ یہ ہے کی ہندومت کسی نہ کسی درجے میں وحدت الوجود کے نظریے کا قائل ہے۔ ہندومت میں نظریہ ہے کہ تمام کائنات اور اس کے تمام اجزا ایک ہی وجود سے نکلے ہیں۔ ایک واحد ذات نے پہلے پانی پیدا کیا

پھر اس پر ایک انڈا بنایا پھر اس میں خود داخل ہو گیا۔ اس انڈے میں سے برہمنا دیوتا بر آمد ہوا۔ برہمنا نے تمام کائنات کو پیدا کیا۔ اب کائنات ایک ابدی قانون میں جکڑی ہوئی ہے۔

ہمہ اوستی عقیدہ

تخلیقِ کائنات کے وحدت الوجود کے نظریے نے منطقی طور پر ہمہ اوستی کے عقیدے کو جنم دیا۔ اس عقیدے کے مطابق خدا اور فطرت ایک ہی چیز کے دو رخ ہیں۔ فطرت میں پیدا ہونے والے سیلاب، طوفان، زلزلے قحط خود خدا کے ظہور سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح جاندار اور بے جان سب فطرت ہی کا حصہ ہیں اور خدا کا دوسرا رخ ہیں۔ اس لیے خدا کی پوجا کے ساتھ فطرت کی پوجا بھی لازمی ہے۔

مادہ اور روح قدیم ہیں

ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ مادہ اور روح ازلی اشیاء ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرح ازل سے ہیں ابد تک رہے گے۔ اس لیے نہ ہی ان کا کوئی خالق ہیں اور نہ ہی یہ مخلوق ہیں۔ دوسری طرف ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ روح ایک بڑے جسم کا حصہ ہے جیسے وہ پرماتما کہتے ہیں۔ آخر میں روح تناسخ سے نجات حاصل کرتے ہوئے ابدی زندگی کے لیے واپس پرماتما میں ضم ہو جائے گی، اسے شانتی یا مسرت کہتے ہیں۔ یہ دونوں عقیدے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مگر ہندومت میں سب جائز ہے۔

بت پرستی

بت پرستی ہندومت میں دراصل ایک تمثیلی اہمیت رکھتا ہے۔ بتوں کو پوجنا ہندومت کی شرائط میں شامل نہیں ہے۔ بت پرستی کے پیچھے دراصل وہ عقائد کام کرتے ہیں جو کہ ہندوؤں کی کتابوں میں لکھیں ہوئے ہیں۔ بتوں کو سامنے رکھ کر عبادت کرنے کے بارے میں بہت سے عقیدے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ دیوی دیوتا کی روح ان بتوں میں آجاتی ہے۔ بعض کے خیال میں بتوں کو سامنے رکھنے سے گیان اور دھیان میں زیادہ انہماک آتا ہے۔ تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ بتوں سے معبودوں کے ساتھ عقیدت اور تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لیے بت سامنے رکھے جاتے ہیں۔ چوتھے قسم کے لوگ وہ ہیں جو کچھ بھی نہیں جانتے بس انہوں نے اپنے باپ دادا کو ان بتوں کو پوجتے دیکھا ہے۔

تری مورتی یا عقیدہ تثلیث

ہندو مذہب میں وحدت فکر پیدا کرنے کے لیے تین خداؤں کی مورتی، جسے تری مورتی کہتے ہیں، کی پوجا کی جاتی ہے۔ اس مورتی کے تین سر ہیں اور ایک جسم ہے۔ تین سر تین خداؤں کے ہیں۔ ایک برہمنا جس نے کائنات کو تخلیق کیا ہے (نعوذ باللہ)۔ دوسرا سر وشنو کا ہے جو نعوذ باللہ اپنے اندر رب کی خصوصیت رکھتا ہے اور تیسرا سر شیو کا ہے جو جبر اور قہر کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ان کی بیویاں اور بہت سے بچے بھی ہیں جو خود بھی دیوی دیوتا ہی ہیں۔

آواگون یا تناسخ کا عقیدہ

عقیدہ تناسخ یا آواگون کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی موت کے بعد اس کی روح عالم برزخ میں چلی جاتی ہے۔ وہاں دنیا میں اپنے اعمال کے حساب سے نیکوں کو جنت اور بد روحوں کو دوزخ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ جنت اور دوزخ میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد ان ارواح کو اپنے اپنے اعمال کے حساب سے جسم عطا کیے جاتے ہیں اور ان کو دنیا میں دوبارہ پیدا کیا جاتا ہے۔ نیک روحوں کو برہمن ذات میں پیدا کیا جاتا ہے۔ اس سے کم کو کھتری یا ویش یا شودر پیدا کیا جاتا ہے۔ مگر یہ ارواح جانوروں اور درختوں کے اندر بھی داخل کر دی جاتیں ہیں۔ اس طرح ابد تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

تپسیا اور یوگ کا عقیدہ

ویدوں کی تعلیمات یہ تھی کہ انسان کو تناسخ سے بچنے کے لیے مکتی یا نجات چاہیے جو کہ وہ اپنے جسم کو مجاہدوں اور ریاضتوں، جسے تپسیا کہتے ہیں، حاصل کر سکتا تھا۔ دوسری طرف اپنیشدوں کی تعلیمات کی رو سے انسان کو اپنے دماغ کو قابو کرنے سے اپنے سفلی جذبات کو قابو کرنے میں مدد ملتی ہے جس کی وجہ سے وہ نیک اعمال کرتا ہے اور اسے مکتی یا نجات مل سکتی ہے۔ اسے یوگ کا طریقہ کہتے ہیں۔ یوگ ایک جسمانی عبادت ہے جس سے انسان کو اپنے ذہن کو قابو کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اس کے لیے انسان کو کچھ اخلاقیات اور آداب کا پابند ہونا پڑتا ہے۔

قربانی اور تاثیر

قربانی بھی ویدوں کی تعلیمات کی رو سے مکتی کے لیے کی جاتی تھی مگر یوگ کی دریافت سے قربانی کی رسم پر برا اثر پڑا۔ ہندومت میں عبادت کو قربانی پر فضیلت حاصل ہے۔

اوتار کا عقیدہ

جب انسانوں میں فتنہ وفساد زیادہ ہو جاتا ہے تو بھگوان اس سے نجات دلانے کے لیے خود اس دنیا میں انسان کی شکل میں آتا ہے۔ اس کی آمد عام انسان کی پیدائش کی طرح ہوتی ہے۔ وہ عام انسانوں کی طرح پرورش پاتا ہے اور بڑا ہو کر اس برائی فتنہ اور فساد کو ختم کرتا ہے۔ بھگوان کی اس شکل کو بھگوان کا اوتار کہا جاتا ہے۔

ہندومت کی کتابیں اور تعلیمات

ہندومت کی کتابوں کے بارے میں یہ بات مشہور کی گئی تھی کہ یہ الہامی کتابیں ہیں مگر جدید مؤرخین اور خود ہندومت کے ہندو مؤرخین متفق ہیں کہ یہ کتابیں کئی ہزار سالوں میں مختلف مصنفین کے ہاتھوں لکھی گئیں ہیں۔ ان کے الہامی ہونے کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ نہ ہی ہمیں ہندومت کی تاریخ میں کوئی ایسی شخصیت کا تصور ملتا ہے جو کہ اپنے آپ کو نبی کہتا ہو۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ہندومت میں نبوت کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں تو غلط نہ ہو گا۔ ہندومت کی تمام کتابیں ارتقاء کے مراحل سے گزر کر آج ہمارے سامنے موجود

ہیں۔ زمانے کے ساتھ ساتھ ہندومت کو درپیش آنے والے تمام چیلنجوں کے مطابق ان میں ترمیمات، تحریفات اور اضافے کیے گئے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندومت کی تمام کتابیں ان انسانوں کی لکھیں ہوئیں ہیں جن کو ہندومت میں پروہت اور رشی کہا جاتا ہے۔ ہندومت کی مشہور مذہبی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

- وید
- اپنیشد
- شاستر
- پران
- مہابھارت
- رامائین
- بھگوت گیتا

کتابوں کی تعلیمات

ہندومت کی کتابوں کی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- کائنات کی ارتقا ایک خدائی وجود سے ہوئی۔
- خدا ایک وجود رکھتا ہے مگر اس کے وجود سے سب کچھ ہے۔
- برہمنانے کائنات تخلیق کی، وشنو معاذ اللہ رب کی حیثیت رکھتا ہے اور شیوا قہر کا دیوتا ہے۔
- انسانیت کی بقا برہمن بن جانے میں ہے۔
- برہمن اس کائنات کا ایک مرکزی نقطہ ہے اسی کی وجہ سے کائنات قائم و دائم ہے۔
- ہندومت کی کتابیں ایک طبقاتی معاشرے کی تعلیم دیتیں ہیں۔
- عورت ایک دوسرے درجے کی مخلوق ہے۔
- اپنے دین اور وطن کے دفاع کے لیے جنگ لازم ہے۔

ہندومت کے فلسفے

ہندو مذہب پر ہندو فلسفے کے گہرے اثرات ہیں۔ جس دور میں ہندو کتابیں لکھی جا رہی تھیں تو ساتھ ہی ساتھ ہندوؤں میں ہر زمانے میں ایسے فلسفی پیدا ہوئے جنہوں نے نہ صرف مذہب بلکہ طبعیات، کیمیا، اخلاقیات، سیاسیات پر بہت سے فلسفوں کی بنیاد ڈالی۔ ان فلسفیوں کا مقصد کائنات کی حقیقت، عقل، جسم انسانی و حواس خمسہ کے درمیان ربط تلاش کرنا نیز علم اور معارفت میں تعلق دریافت کرنا تھا۔ زیادہ تر فلسفی نظریات ہندومت کے مذہبی حدود میں رہ کر پیش کیے گئے تھے۔ ان فلسفوں نے ہندومت کے عقائد، عبادات اور معاشرت پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، اس حد تک کہ انہیں بھی مقدس کتابوں کی طرح دین کے ماخذ کا درجہ حاصل ہو گیا۔ ان فلسفوں کا مکمل احاطہ اس کتاب کے مضمون سے باہر ہے۔ مشہور فلسفیانہ نظریات مندرجہ ذیل ہیں:

- گوتم کا نیایہ کا فلسفہ
- کناڈا کا ویشیشکا کا فلسفہ
- کپلا کا سانکھیہ کا فلسفہ
- پات خلجی کا یوگا کا فلسفہ
- جے منی کا پر دامیماں کا فلسفہ
- اتر کا میمانسا کا فلسفہ

ہندو دھرم یا معاشرہ

ہندو معاشرہ صدیوں نہیں بلکہ ہزاروں سالوں پرانا ہے۔ ہندو معاشرے نے ان سالوں میں بہت سی معاشرتی کشمکش دیکھی بہت سے انقلابات ظہور پذیر ہوئے۔ ان تجربات سے گزرنے کے بعد ہندو معاشرہ اپنے لیے انفرادی اور اجتماعی مقاصد اور نظام طے کرنے میں کامیاب ہو گیا، جسے آج کی جدید اصطلاح میں ہندو دھرم کہا جاتا ہے۔ اپنی تمام تر کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود ہندو معاشرہ صدیوں سے چند لگے بندھے اصولوں پر گامزن ہے۔ ہندو دھرم کو سمجھنے کے لیے ہم مندرجہ ذیل موضوعات پر بحث کریں گے:

- ہندو معاشرے کے مقاصد
- ذات پات کا نظام (ورن)
- آشرم (زندگی کے مدارج)

ہندو معاشرے کے مقاصد

ہندوؤں کے علماء اور ان کی کتابیں ہندو معاشرے کے مندرجہ ذیل مقاصد بیان کرتے ہیں:

- **دھرم:** اس کا مطلب ہے اصولی انفرادی اور اجتماعی زندگی۔
- **رتھ:** دولت اور طاقت کا حصول
- **کام:** زندگی کی دولت سے لطف اندوز ہونا
- **موکش:** اواگون سے نجات یا مکتی

ذات پات کا نظام (ورن)

ہندوؤں نے اپنے معاشرتی نظام کو چار طبقوں میں بانٹ رکھا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

- **برہمن:** اونچی ذات ہے حکومت کا حق رکھتی ہے۔
- **کھتری:** ان کا کام جنگ کرنا ہے اور دھرم کا دفاع کرنا۔
- **ویش:** معاشرے کی خدمت کرنا ان کی ذمہ داری ہے جیسے نائی، موچی، بڑھئی اور کمہار وغیرہ۔
- **شودر:** سب سے نیچ ذات جو اچھوت ہے۔ ان کا درجہ جانور کے برابر ہے۔

ہندوؤں کے اس طبقاتی نظام کی تاریخ استحصال اور ظلم سے بھری ہوئی ہے۔

آشرم (زندگی کے مدارج)

ہندو دھرم نے انسان کی انفرادی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

- **برہمچریہ آشرم:** یہ تعلیم اور تربیت کی عمر ہے۔
- **گرہست آشرم:** انسان شادی کرتا ہے۔ گھر اور معاشرے کی ذمہ داریاں نبھاتا ہے۔
- **پرستھ آشرم:** اس میں انسان سماجی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر مذہب کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتا ہے اور آبادی سے باہر ایک کٹیا بنا کر رہتا ہے۔
- **سنیاس آشرم:** اس میں انسان بالکل درویش ہو کر گھر بار چھوڑ دیتا ہے اور صرف مکتی اور نجات کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔

ہندو دھرم کا قانون

ہندو دھرم کے قانون کی بنیادی صفت یہ ہے کہ تمام انسانوں کو ایک نظر سے نہیں دیکھتا۔ ہر ذات کے لیے قانون دوسری ذات کے قانون سے مختلف ہے۔ خصوصاً برہمن اور شودر کے لیے قانون میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک اور اہم بات یہ بھی ہے یہ انسانی ساختہ قانون ہے جسے برہمن نے اپنے مفاد کے لیے تیار کیا ہے۔ برہمن کے اس قانون میں یہودیوں کی تلمود سے بہت مماثلت ہے۔ ہندو مت کے قانون میں مردوں اور عورتوں کے بارے میں بھی اسی طرح فرق ہے۔

ہندو مت کے فرقے یا مذاہب

ہزاروں سالوں میں ہندو مت کی اصلاح کے لیے بے شمار تحریکیں اٹھیں جو بعد میں ایک علیحدہ دین بن گیا۔ ویسے بھی ہندو مت کے فرقوں کے لیے فرقے کی اصطلاح سے زیادہ مذہب کی اصطلاح زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہیں کہ ان کو ایک علیحدہ دین یا مذہب ہی کہا جا سکتا ہے۔ ہندو مت کی اصلاح کے لیے جو تحریکیں اٹھیں ان کے مقاصد بنیادی طور پر انسان کی نجات اور مکتی کے مرکزی نقطے کے گرد گھومتے ہیں۔ ہر مذہب نے مکتی حاصل کرنے کی قدیم تشریحات اور رائج طریقوں کو تبدیل کر کے اس کی نئی تشریحات پیش کیں۔ عبادات کے نئے طریقے وضع کیے۔ ان فرقوں نے کئی ہندو کتابوں اور بنیادی عقیدوں سے بھی انکار کر دیا مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ ہندو مت ان سب کو ہندو مذہب کا حصہ ہی مانتا ہے۔ یہ تو بدھ مت، جین مت اور سکھ مذہب خود کو ہندو مذہب کا پیروکار نہیں مانتے ورنہ ہندو تو آج بھی انہیں ہندو مت میں شامل کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہندوستان پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد ہندوستان میں بے شمار ایسی تحریکیں چلیں جنہوں نے بت پرستی کی مخالفت کی، ایک خدا کی عبادت کی تلقین کی جو واضح طور پر اسلام کے اثرات کا نتیجہ تھا۔ اس لیے ہندو مت کو کئی مذاہب کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔ ذیل میں ہم اختصار سے مختلف ہندو مذاہب کا ذکر کرتے ہیں۔

بدھ مت

بدھ مت کا بانی گوتم بدھ تھا جو نیپال کا شہزادہ تھا۔ وہ تین سو سال قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ جس زمانے میں بدھ پیدا ہوا اسی زمانے میں ہندو مت میں ذات پات کا نظام اپنے عروج پر تھا۔ بدھ نے اس نظام کی خرابیوں کا قریب سے مطالعہ کیا۔ وہ برہمنوں کے ظلم اور ستم سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ انسان اپنی نجات کی خاطر ایک ذات کے غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ اس نے شہزادوں کی زندگی چھوڑ دی اور درویش بن کر مراقبے اور گیان دھیان میں لگ گیا۔ اس کا مقصد حقیقت کی تلاش تھا۔ اس حقیقت کی تلاش اس وقت ختم ہوئی جب اسے نجات کی حقیقت جسے بدھ نے نروان کا نام دیا حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد بدھ نے اپنی تعلیمات کا آغاز کیا جس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

- نجات جس کو بدھ نے نروان کہا برہمن کی خدمت سے حاصل نہیں ہو گا۔
- ہندو کا ذات پات کا نظام بالکل غلط ہے۔
- وید الہامی کتاب نہیں ہے۔
- سب انسان برابر ہیں۔
- نجات دکھ کو کم کرنے میں ہے۔
- دکھ انسان کی خواہشات پر قابو پانے سے ختم ہوتا ہے۔
- بدھ مت نے بت پرستی کی مخالفت کی مگر اس میں خدا کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

جین مت

بدھ مت کی طرح جین مت بھی برہمن نظام کا ردعمل تھا۔ اس نے ترک دنیا کا سبق دیا۔ ذات پات کے نظام کی مخالفت کی اور ویدوں کو الہامی کتاب ماننے سے انکار کر دیا۔ مگر جین مت نے بت پرستی کو جائز قرار دیا۔

شنکر اچاریہ کی تحریک

شنکر اچاریہ آٹھویں صدی عیسوی میں مالابار میں پیدا ہوا۔ یہ ہندوستان میں اسلام کی آمد کا زمانہ تھا۔ ہندو مذہب عقیدۂ توحید کا مقابلہ نہیں کر رہا تھا۔ شنکر اچاریہ کی تعلیمات یہ تھیں کہ توحید صرف مسلمانوں کی اجارہ داری نہیں۔ ہندوؤں کی کتاب بھی توحید ہی کی دعوت دیتی ہے۔ اس لیے ہندوؤں کو چاہیے کہ وہ اپنی کتابوں کی طرف توجہ دیں۔ ایک خدا کی عبادت کریں بت پرستی چھوڑ دیں۔ مگر اس نے مکتی کے عقیدے اور آواگون کے عقیدوں کو ایسے ہی رہنے دیا۔ ذات پات کے نظام کی مخالفت نہیں کی۔

رامانج اچاریہ کی تحریک

رامانج اچاریہ برہمن تھا اور شنکر اچاریہ کا شاگرد تھا۔ مگر عقیدۂ توحید میں اچاریہ کی مخالفت اس بنا پر کرتا تھا کہ یہ نامکمل ہے۔ شنکر کے مرنے کے بعد اس نے شنکر کے عقیدے کی تکمیل کی اور اس کی بتائی خدا کی صفات کو یکجا کر دیا۔ اس نے طریقت کے صوفی طریقوں کو

ہندومت میں شامل کیا۔ اس نے نجات کو خدا کی رضا کے ساتھ مشروط کیا۔ رامانُج کی تحریک کے مطالعے سے واضح طور پر اسلام کی دعوت کے اثرات نظر آتے ہیں۔

رام انند کی تحریک

یہ شنکر کا چیلا تھا۔ اس نے اس کی تحریک میں توحید کی مزید اصلاحات شامل کیں۔ اس کے چیلوں میں سب سے مشہور کبیر ہے۔

کبیر نپنتھی کی تحریک

کبیر رامانند کا چیلا تھا۔ اس کی تحریک میں توحید اور عقائد مسلمانوں سے اس قدر زیادہ ملتے تھے کہ ہندو اس کو ہندو اور مسلمان اس کو مسلمان سمجھتے تھے۔ حتی کہ جب وہ مر گیا تو اس کے بارے میں مشہور ہو گیا کہ اس کی لاش غائب ہو گئی ہے۔ تو ہندوؤں نے اس کی لاش جلانے کی رسم ادا کی جبکہ مسلمانوں نے اس کو دفن کرنے کی رسم ادا کی۔ کبیر ایک صوفی شاعر بھی ہے۔ آج اس کے ماننے والے ہندو مسلمان اور سکھ اس کے اشعار عقیدت سے پڑھتے ہیں۔

لنگ یت کی تحریک

یہ تحریک ہندومت میں اسلام کی دعوت کے اثرات کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کا بانی بساوٗ تھا۔ اس فرقے کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہیں:

- خدا ایک ہے، وہ خالق اور مالک ہے، مادہ اور روح بھی اسی نے پیدا کیے ہیں۔
- خدا اپنی صفات میں بھی یکتا ہے۔
- اس فرقے نے بیعت کا طریقہ شروع کیا۔
- طلاق کی اجازت دی۔
- عورت کو دوسری شادی کی اجازت دی۔
- ذات پات کے ہندو نظام کی مخالفت کی۔
- مردوں کو جلانے سے منع کیا اور دفنانے کی تعلیم دی۔

جے تنیہ کی تحریک

یہ بنگال کا سنیاسی تھا اس نے اخلاقیات کی تعلیم دی۔ ذات پات کے نظام کی مخالفت کی۔ ہر انسان کو برابر اور بھائی بھائی قرار دیا۔ کرشن کی پوجا کی تلقین کی۔ اس کے ہزاروں ماننے والے تھے جو اس کو سجدہ کرتے تھے۔ بنگال میں یہ فرقہ آج بھی مشہور اور مقبول ہے۔ اس کے پیروکار اس کو کرشن بھگوان کا اوتار مانتے ہیں۔

دیو سادھو

دیو سادھو نیچ ذات کا ہندو تھا۔ اس کا تعلق مہاراشٹر کے مرہٹہ گھرانے سے تھا۔ اس نے ایک خدا کی عبادت کا پرچار کیا۔ ذات پات کی مخالفت کی۔ بت پرستی کی مخالفت کی۔

گرونانک کی تحریک (سکھ مت)

بدھ مت اور جین مت کی طرح سکھ مت بھی ہندومت سے علیحدہ دین ہے۔ اس مذہب کے بانی بابا گرونانک ہیں۔ بابا گرون انک ۱۴۶۹ء کو پنجاب میں پیدا ہوئے۔ حقیقت کی تلاش میں انہوں نے چار سفر کیے۔ ایک سفر بنگال تک تھا۔ دوسرا کوہ ہمالیہ کی طرف تھا۔ تیسرا سری لنکا کی طرف تھا۔ چوتھا ایران عراق اور عرب کی طرف تھا۔ ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:

- ایک خدا کی عبادت کرنی چاہیے۔
- سب انسان برابر ہیں اور ذات پات کا نظام غلط ہیں۔
- ہندو مسلم سب بھائی بھائی ہیں۔
- انسان کو اپنی انا پر قابو پانا چاہیے۔
- انسان اپنی انا کو قابو کرلے تو اسے عشق الٰہی اور نفس کی پاکیزگی حاصل ہو گی۔
- عشق الٰہی اصل معراج ہے۔
- گرونانک قیامت اور رسالت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔
- گرونانک اواگون کے ہندو عقیدے کو بھی مانتے ہیں۔
- انسان کو عشق الٰہی کے لیے ایک پہنچے ہوئے پیر اور مرشد کی ضرورت ہوتی ہے جیسے گرو اور ست گرو کہا ہے۔
- گرونانک نے ایک کتاب لکھی جیسے گرنت صاحب کہتے ہیں جو سکھوں کی مقدس کتاب ہے۔

پیپا کی تحریک

یہ گکڑوؤں کا راجہ تھا، سادھو بن گیا۔ اس کی تعلیمات گرونانک سے ملتی ہیں۔ وہ معرفت الٰہی کے لیے ایک گروہ کی موجودگی کو ضروری قرار دیتا ہے۔

سائیں کی تحریک

یہ بادھوگڈھ کے راجہ کا حجام تھا، اس نے خدا پرستی پر زور دیا۔

رائے داس کی تحریک

یہ بنارس کا ہندو تھا۔ اس نے رام کی پوجا کی دعوت دی اور اس کو واحد خدا مانا۔ نہایت سادہ زندگی بسر کی۔ اس کی تعلیمات کے مطابق انسان کمزور ہے اور اسے ساری مدد رام بھگوان سے حاصل کرنی چاہیے۔

دادو دیال کی تحریک

دادو دیال احمد آباد کا رہنے والا تھا۔ اکبر کے زمانے میں پیدا ہوا۔ اس کی تعلیمات درج ذیل ہیں:

- وہ ایک خدا کی عبادت کی تعلیم دیتا تھا۔
- دنیا فانی ہے
- اسے خدا نے کلمہ کن سے پیدا کیا۔
- اصلی خوشی خدا کی رضا میں ہے

ملوک داس کی تحریک

اکبر بادشاہ کے زمانے میں اس کی تحریک کا آغاز ہوا۔ یہ تمام ہندو مذاہب کے برعکس صرف باطنی عقیدے کا قائل تھا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ سچا مذہب وہ ہے جو دل میں موجود ہو۔ اس نے ترک دنیا اور خدمت خلق پر زور دیا۔

بیربھان اور ستنامی فرقہ

یہ پنجاب کا ہندو تھا۔ ایک خدا کو مانتا تھا۔ انسان کو ترک دنیا اور اخلاقیات کا درس دیتا۔ حرص اور ہوس سے بچنے کے لیے کہتا۔ ذات پات کے نظام کے خلاف تھا۔ وہ انسان کو خود نمائی اور تکبر سے بچنے کا کہتا۔ مرد کی عورت پر فضیلت کا قائل تھا۔

برہمنا سماج

ہندو مت جو مسلمانوں کے ہندوستان پر قبضے اور علماء کی تبلیغ سے بے حد متاثر تھا۔ اس میں بت پرستی اور ذات پات کے نظام کے خلاف ردعمل اگرچہ پہلے ہی پیدا ہو گیا تھا لیکن انگریزوں کے ہندوستان کے قبضے نے اس ردعمل میں اضافہ کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو عیسائی انگریز برطانیہ سے آئے تھے وہ یا تو پروٹیسٹنٹ عیسائی تھے یا لادین۔ دونوں طبقے ہی بت پرستی کے مخالف تھے۔ اس کے اثرات بھی ہندو مت میں پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ برہمنا سماج بھی مسلمانوں اور عیسائیوں سے متاثر تحریک تھی اس کا بانی رام موہن رائے تھا جس نے ۱۸۳۰ء میں اس کی بنیاد رکھی۔ بعد میں دونرد ناتھ ٹیگور (۱۸۴۲ء تا ۱۸۶۵ء) نے اس میں مزید اصلاحات کیں۔ ٹیگور کے بعد کیشب چندر سین نے اس میں مزید اصلاحات کیں۔ برہمنا سماج کی اہم تعلیمات مندرجہ ذیل ہیں:

- ایک خدا کی عبادت
- ذات پات کی مخالفت
- ستی کی مخالفت
- بیواؤں کی شادیاں کی جائیں
- دوسرے ہندو فرقوں میں شادیاں جائز ہیں
- مذہبی کتاب فطرت ہے۔
- عبادت کا مقصد دل کی پاکیزگی ہے۔

آریہ سماج

آریہ سماج دراصل ہندو مت پر عیسائیت اور اسلام کے اثرات کے ردعمل میں شروع کی گئی۔ اس میں ایک طرف تو ہندو مذہب میں اصلاحات اور دوسری طرف عیسائیت اور خاص طور پر اسلام پر حملے کیے گئے۔ اس تحریک کے بانی دیانند سرسوتی (۱۸۲۴ء تا ۱۸۸۳ء) ہیں۔ ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:

- ایک خدا کی عبادت
- ویدوں کی تعلیمات پر عمل
- خدمت خلق
- عدل اور انصاف
- معاشرے کی روحانی اور اخلاقی اصلاح
- اجتماعی فلاح اور بہبود کے لیے کام
- اپنے فائدے میں دوسروں کو شریک کرنا

مہاتما گاندھی کی تحریک

جدید دور میں گاندھی جی کی تعلیمات نے ہندو مذہب میں عدم تشدد اور ستیہ کے دو اصولوں کا اضافہ کیا ہے۔

ہندو مت کی تاریخ کا خلاصہ کلام

ہندو مت کی تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ ایک انسانی ساختہ مذہب ہے جسے انسانوں کے ایک مخصوص گروہ نے اپنے مفادات کی خاطر اور بقیہ انسانوں پر اپنی بالادستی قائم کرنے اور انہیں اپنا غلام بنانے کے لیے ایجاد کیا ہے۔ اسی طرح یہ مذہب زمانے کے سرد و گرم سے گزر کر تبدیل ہو کر کچھ کا کچھ ہو چکا ہے۔ کسی عقل مند انسان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ کسی ایسے دین پر عمل کرے جو ہر آنے والے دور میں اپنی بنیادوں سے ہی تبدیل ہو تا جاتا ہو۔

ہندوؤں میں پائے جانے والا ذات پات کا نظام انسانی استحصال کی بدترین شکل ہے۔ یہ نظام آریہ قوم نے انتہائی چالاکی سے مذہب کے لبادے میں قائم کیا جس کے ذریعے انہیں مقامی ہندوستانی باشندوں کو صدیوں تک غلام بنائے رکھنے کا طریقہ ہاتھ آگیا اسی طرح نجات کی تلاش میں کروڑوں عوام کو اپنا (برہمن کا) غلام بنا دیا۔

کسی ہندو کے لیے ہندو مذہب پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں کیونکہ کسی ہندو کو بھی یہ معلوم نہیں کہ ہندو مذہب یقینی طور پر کیا ہے۔ اسی طرح حقیقتاً ہندو مذہب کی بنیاد پر کسی قسم کا اتحاد و اتفاق بھی ممکن نہیں کیونکہ ہندو مذہب میں داخل ہونے اور نکلنے کے کوئی اصول و ضوابط موجود نہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۵۹ پر)

مُجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

تالیف: شہید شیخ قاضی أبو البــراء الإبّي

وجہ نمبر: چالیس(40)

چالیسویں وجہ: حرام کی کمائی

میرے مجاہد بھائی! کیونکہ اگر آپ نے حرام کھایا تو اپنے جسم کو حرام کی غذا دی، آپ کا گوشت حرام سے بنے گا اور حرام کے لیے دوزخ کی آگ بہتر ہے۔ جسم کا ہر حصہ جو حرام کی کمائی پر پلے بڑھے تو آگ اس کے لیے اولیٰ ہے۔ نہ کوئی عمل پھر فائدہ دیتا ہے نہ دعا۔ جس کا کھانا حرام سے ہو، لباس حرام سے ہو، اسے حرام کی غذا دی جائے تو اس کی دعا کیونکر قبول ہو گی؟ یہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی حدیث کا مفہوم ہے۔ پس حرام سے بچتے رہیں۔

صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”بے شک حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو ان مشتبہات سے بچتا رہے تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا۔ اور جو ان مشتبہات میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا۔ اس چرواہے کی طرح جو دوسرے کی چراگاہ کے ارد گرد جانور چراتا ہے قریب ہے کہ وہ اس کے اندر بھی چرانے لگے۔ خبر دار ہر بادشاہ کے لیے چراگاہ کی حد ہوتی ہے۔ خبر دار اللہ کی چراگاہ کی حد اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔“

اللہ کی چراگاہ کی حد اللہ کی حرام کردہ امور ہیں اس لیے آپ ان کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ چرواہا اگر دوسرے کی چراگاہ کے قریب جائے گا تو بھیڑ بکریاں اس جگہ کو خراب کر دیں گی۔ لیکن اگر دور دور رہے تو ایسا نہ ہو گا۔ اسی طرح آپ بھی اپنے دین کو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے قریب نہ کریں ایسا نہ ہو کہ اَن جانے میں حرام میں پڑ جائیں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا:

”جو یہ نہ جانے کہ اس کے شکم میں کیا داخل ہو رہا ہے وہ ربانی خیالات اور شیطانی خیالات کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔“

یہ بھی کہا گیا:

”جو چالیس دن تک حلال کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو منور کر دیتا ہے اور اس کے دل میں حکمت و دانائی کے ایسے چشمے پھوٹ دیتا ہے جو اس کی زبان سے جاری ہونے لگتے ہیں۔“

بعض بزرگوں نے کہا:

”جس نے حرام چیزوں سے اپنی نظر بچائی، خواہشات نفس سے اپنے آپ کو روکا، اپنے باطن کو مراقبے سے معمور کیا اور حلال کھانے کو عادت بنالیا تو ایسے شخص کی فراست کبھی غلط نہیں ہوتی۔“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ (سورۃ النساء:۲)

”اور اچھے مال کو خراب مال سے تبدیل نہ کرو۔“

یعنی حلال کی طرف بڑھنے سے پہلے ہی حرام کھانے کی جلدی۔ یہ قول حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ ’صید الخاطر‘ میں فرماتے ہیں:

”سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ سزا یافتہ کو سزا کا احساس ہی نہ ہو۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اسے جو سزا مل رہی ہے اس پر خوشی محسوس ہونے لگے۔ جیسے حرام مال کمانے اور گناہ کرنے سے خوشی ملتی ہے۔ جو اس حالت تک پہنچ جائے تو پھر وہ نیکی کمانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔“

نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ ’بحر الدموع‘ میں لکھتے ہیں:

”آپ اپنے نوالے کو بچائیں اور اپنے کھانے کو پاک کریں یہاں تک کہ آپ کو زمانے کی فجر کے وقت نیک کام کی روشنی آرزوؤں کے تاریک دھارے سے علیحدہ نظر آنے لگے۔ پھر گناہ اور حرام کھانے سے اپنے اعضاء کے روزے کو قیامت کی رات تک جاری رکھیں۔ تاکہ وہاں آپ ایسے دستر خانوں کی نفع بخش خوراک پر روزہ افطار کریں (جہاں کہا جائے گا):

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ۝ (سورۃ الحاقۃ:۲۴)

”اپنے ان اعمال کے صلے میں مزے سے کھاؤ پیو، جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کیے تھے۔“

اور جو حرام کھانے سے نہ بچے گے، تو لمبے روزے کے بعد وہ اپنا روزہ ز قوم کی کرواہٹ اور گرمائش سے کھولے گا۔ کتنی بری خوراک ہے وہ اور کتنا بڑا نقصان ہے اس کا۔ جس سے دل جل جائے، جگر پھٹ جائے، جسم پارہ پارہ ہو جائے اور آخرت میں وہ غم کے سوا کچھ نہ پائے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”ایک آیت پڑھنے پر میرے لیے علم کے ۷۰ دروازے کھل جایا کرتے تھے۔ پھر جب حکمرانوں کے دیے ہوئے پیسوں سے کھانے لگا تو آیت پڑھنے پر علم کا کوئی ایک دروازہ بھی نہ کھلتا تھا۔

حرام کھانا ایسی آگ ہے جو فکر کی متانت کو پگھلا دیتی ہے۔ ذکر کی حلاوت ولذت کو ختم کر دیتی ہے۔ خالص نیت کی ڈھال کو جلا دیتی ہے۔ اسی حرام سے بصیرت اندھی ہو جاتی ہے اور ضمیر تاریک ہو جاتا ہے۔

پس مالِ حلال کماؤ اور اسے میانہ روی سے خرچ کرو۔ حرام اور حرام کھانے والوں سے بچتے رہو۔ ان کے ساتھ نہ بیٹھا کرو نہ ان کا کھانا کھایا کرو۔ اگر تم اپنی پرہیز گاری میں سچے ہو تو حرام کمانے والے سے دوستی نہ لگاؤ۔ نہ ہی کسی کو حرام کا راستہ دکھاؤ کہ وہ حرام کھاتا رہے اور حساب تم سے لیا جائے۔ نہ ہی ایسے شخص کے مقصد میں اس کی مدد کرو۔ کیونکہ مددگار تو شریک ہی ہوتا ہے۔

اور یہ جان لو کہ اعمال صرف حلال کھانے والے کے ہی قبول کیے جاتے ہیں۔“

عمومی مال سے حرام کھانے والے کو روکنے کے لیے اسلامی شریعت نے امامِ وقت کو اس مال کی حفاظت، دیکھ بھال اور اسے جائز مصارف میں خرچ کرنے کا پابند کیا ہے۔ جو اس معاملے میں کوتاہی کرتا ہے اس کے لیے سخت وعیدیں آئی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بعض لوگ اللہ کے مال میں ناجائز تصرف کرتے ہیں، ان لوگوں کے لیے قیامت کے دن آگ ہے“۔ بروایت بخاری۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یہ حدیث ذمہ داروں کو سختی سے روکتی ہے کہ وہ بغیر حق کے مال میں سے کچھ لیں یا حق داروں کو اس مال سے روکیں۔“

حضرت عمر فاروق کے قول میں حاکم وقت کے ذمے مال کو مالِ یتیم کے ولی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا:

”خبردار میں نے اللہ کے مال سے اپنا معاملہ یتیم کے ولی کی طرح کر لیا ہے۔ جب میں غنی ہوتا ہوں تو میں اللہ کے مال سے ہاتھ کھینچ لیتا ہوں۔ اور جب فقیر ہوتا ہوں تو بھلے اور معروف طریقے سے لیتا ہوں۔“

غلول [یعنی بیت المال سے چوری] کی حرمت اور اس پر شدید وعید کی آیات اور احادیث بے شمار اور مشہور ہیں۔ ان احادیث میں سب سے واضح طریقے سے جس حدیث میں غلول کی حد بیان ہوئی ہے وہ ہے جسے امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مستورد بن شداد سے روایت کی ہے۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص ہمارا عامل ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ ایک بیوی رکھ لے۔ اسی طرح اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو خادم رکھ لے۔ اور اگر رہنے کے لئے گھر نہ ہو تو گھر لے لے“۔

حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو اس کے علاوہ کوئی چیز لے تو وہ خائن اور چور ہے“۔ امام البانی نے صحیح قرار دیا۔

اس معاملے میں لوگ اپنے امراء کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر امراء صالح ہوں اور عام مال میں ناحق تصرف سے بچتے رہیں تو لوگوں کی اکثریت انہی کی پیروی کرے گی، ان سے پرہیز گاری سیکھے گی اور مالِ عام میں سے ناحق لینے سے رک جائی گی۔ جیسے کہ حضرت عمر نے فرمایا:

”رعایا اس وقت تک امام کا حق ادا کرتی ہے جب تک امام اللہ کا حق ادا کرتا ہے۔ پھر جب امام چرنے لگتا ہے تو وہ بھی چرنے لگتے ہیں۔“

یہ قول امام ابن ابی شیبہ اور دیگر نے نقل کیا ہے۔

آپ حضرت ابو بکر صدیق کا کردار ملاحظہ کریں جنہوں نے آنے والوں کے لیے کڑا معیار مقرر کر دیا۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے 'معجم الکبیر' میں حضرت حسن بن علی کی روایت نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا:

”جب حضرت ابو بکر کے وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت عائشہ سے فرمایا: اے عائشہ وہ جانور دیکھو جس کا دودھ ہم پیا کرتے تھے، اور وہ برتن جس میں ہم صبح کا کھانا کھایا کرتے تھے، اور وہ چادر جو ہم اوڑھا کرتے تھے۔ اگر ہم نے ان چیزوں سے اس وقت استفادہ کیا تھا جب ہم مسلمانوں کے معاملات میں مشغول تھے، تو میرے مرنے کے بعد یہ سب عمر کو دے دینا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۲ پر)

وی پی این (VPN) انڈسٹری کی حقیقت

پرائیویسی کے لبادے میں جاسوسی اور منافع کا خفیہ کھیل

نعمان حجازی

پیش لفظ

سائبر سکیورٹی کی دنیا میں چند ہی ایسے ٹولز ہوں گے جن کے متعلق وی پی این (VPN) جتنی غلط فہمیاں پائی جاتی ہوں گی یا جن کی اتنے خطرناک انداز میں تشہیر کی جاتی ہو گی۔ ایک عام صارف کے لیے VPN گویا ایک جادو کی چھڑی ہے، بس ایک کلک کیا اور وہ نظروں سے اوجھل، ناقابل سراغ، اور انٹرنیٹ سروس فراہم کرنے والوں اور خفیہ ایجنسیوں کی جاسوسی سے محفوظ ہو گئے۔ لیکن حقیقت اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ درحقیقت VPN سروسز آپ کو ان خطرات کے مقابل کوئی خاص ڈھال فراہم نہیں کرتیں بلکہ آپ صرف اپنی نگرانی اور جاسوسی کو اپنے مقامی انٹرنیٹ فراہم کرنے والے سے ہٹا کر کسی اور وی پی این سرور چلانے والی کمپنی کے حوالے کر دیتے ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ یہ مارکیٹ ایسے وی پی این آپریٹرز سے بھری پڑی ہے، جنہیں نا صرف آپ کی سکیورٹی اور پرائیویسی کی کوئی پرواہ نہیں بلکہ وہ عملاً اس کے دشمن ہیں۔ آپ کے ڈیٹا کی شکاری "مفت" وی پی این ایپز (Apps) سے لے کر بڑی بڑی نامور کمپنیوں کی ایپز تک جو آپ کے ڈیٹا کے تحفظ سے زیادہ اپنے منافع کو ترجیح دیتے ہیں، وی پی این انڈسٹری کا پورا منظر نامہ جھوٹے دعووں کی بارودی سرنگوں سے اٹا پڑا ہے۔

اس تحریر میں درج ذیل امور زیر بحث آئیں گے:

۱. جعلی اور فریب کار وی پی این سروسز کی حقیقت کو واضح کرنا۔
۲. مشہور وی پی این کمپنیوں کے تشہیری دعووں کا رد
۳. ان وی پی اینز کی نشاندہی جو پرائیویسی کے لیے محفوظ ہیں۔
۴. ان امور کی نشاندہی جہاں وی پی این سروسز آپ کا تحفظ نہیں کر سکتیں اور وی پی این استعمال کرنے کے باوجود آپ کی معلومات دشمن تک پہنچ جاتی ہیں۔

فریبی "مفت" VPN سروسز

وی پی این کی دنیا حیرت انگیز حد تک بے قاعدہ اور غیر منظم ہے۔ آج تقریباً کوئی بھی شخص سرور کرائے پر حاصل کر کے، ایک چمک دمک والی خوبصورت سی ویب سائٹ بنوا کر، "ملٹری گریڈ انکرپشن" جیسے بلند وبانگ دعوے کر سکتا ہے، لیکن اس کے بعد وہ صارفین کا ڈیٹا سمیٹنے کے کاروبار میں اتر سکتا ہے۔ یہ کوئی سازشی نظریہ (Conspiracy Theory) نہیں بلکہ ایک سیدھی سادی معاشی حقیقت ہے۔ ایک محفوظ، قابل اعتبار اور عالمی سطح کا وی پی این نیٹ ورک قائم رکھنا انتہائی مہنگا کام ہے۔ سرورز، بینڈوڈتھ، سافٹ ویئر کی تیاری، اس کی مستقل دیکھ بھال (maintenance) اور آزاد سکیورٹی آڈٹ، ان سب چیزوں پر بھاری لاگت خرچ ہوتی ہے۔

اس لیے جب کوئی وی پی این مکمل طور پر مفت ہو، اس کو بنانے والی کمپنی کا واضح تعارف موجود نہ ہو، اس کی لاگنگ اور ڈیٹا کلیکشن پالیسی مبہم ہو اور اس کا کبھی آزادانہ سکیورٹی آڈٹ بھی نہ ہوا ہو تو ایسے میں اصل سوال صرف ایک پیدا ہوتا ہے: یہ سارا سسٹم چل کیسے رہا ہے؟ زیادہ تر صورتوں میں اس کا جواب ایک ہی بنتا ہے۔ پراڈکٹ وی پی این نہیں آپ ہیں۔ آپ کے ڈیٹا سے منافع کمایا جا رہا ہے۔

قابل اعتماد اور ذمہ دار سروسز اپنی عملی لاگت (Operational Cost) پوری کرنے کے لیے سبسکرپشن فیس لیتی ہیں، لیکن دھوکے باز "مفت" وی پی این صارف کو گاہک نہیں بلکہ "پراڈکٹ" سمجھتے ہیں۔ ایسی سروسز اکثر صارف سے متعلق حساس معلومات کا وسیع ذخیرہ جمع کرتی ہیں مثلاً:

- اصل آئی پی ایڈریس اور ڈیوائس کی شناخت
- براوزنگ کی تفصیل اور اس سے متعلق دیگر معلومات
- ڈیوائس میں انسٹال شدہ ایپز کی فہرست
- درست لوکیشن

یہی نہیں بلکہ بہت سی وی پی این ایپز صارف کی ڈیوائس میں وائرس انسٹال کر دیتی ہیں جس کے ذریعے ڈیوائس میں موجود ہر طرح کا ڈیٹا ان کی دسترس میں آ جاتا ہے بشمول انکرپٹڈ پیغامات کے۔

ان معلومات کو بعد میں اشتہاری و تجارتی کمپنیوں یہاں تک کہ خفیہ ریاستی اداروں تک کو فروخت کیا جاتا ہے۔ وی پی این چونکہ صارف اور اس کے انٹرنیٹ کے درمیان میں موجود ہوتا ہے اس لیے اگر وہ لاگز محفوظ کر رہا ہو تو اسے آپ کے آن لائن کاموں کی ہر ہر بات پتہ چل رہی ہوتی ہے۔ اگر آپ وی پی این کے استعمال کے ساتھ انکرپٹڈ رابطہ کاری کر رہے ہیں تو چاہے اس سروس کو آپ کی مکمل معلومات نہ بھی مل رہی ہوں تب بھی آپ کس آئی پی (IP) یا ویب سائٹ سے کب اور کتنی بار جڑے، آپ کے رویے اور معمول کا ایک تفصیلی نقشہ بنانے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

لیکن وی پی این سروسز کا دھوکہ صرف ڈیٹا اکٹھا کرنے کی حد تک نہیں ہے اس کے پس پشت ملکیت، کنٹرول اور کارپوریٹ اسٹرکچر کا ایک پیچیدہ اور پریشان کن پہلو بھی موجود ہے۔

تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ وی پی این کی دنیا میں بظاہر موجود تنوع اور مسابقت (Competition) اکثر ایک سراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ گوگل پلے سٹور اور ایپل ایپ سٹور پر دستیاب بہت سی مقبول "مفت" وی پی این ایپز دراصل آزاد یا الگ تھلگ کمپنیاں نہیں ہوتیں، بلکہ اکثر وہی چند بڑی کمپنیاں مختلف ناموں سے ایک ہی پراڈکٹ کو بیچ رہی ہوتی ہیں۔

انٹرنیٹ پر پائی جانے والی کل وی پی این ایپز کا ایک تہائی چینی کمپنیاں بناتی ہیں اور ان کمپنیوں کا نہ تو واضح تعارف موجود ہوتا ہے نہ ہی ان کے مالکان کی کوئی واضح معلومات۔ یہ سب کمپنیاں چین کی پالیسی کے تحت صارفین کے انٹرنیٹ استعمال کا مکمل ریکارڈ محفوظ رکھتی ہیں اور چینی حکومت کو فراہم کرتی ہیں۔ جبکہ چینی حکومت اپنی خارجہ پالیسی کو مد نظر رکھتے ہوئے دیگر ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ ان معلومات کا تبادلہ کرتی ہے۔

وی پی این سروس "مفت" فراہم کرنے کے نام پر صارفین کا ڈیٹا چوری کرنے والی کمپنیوں کی چند نمایاں مثالیں درج ذیل ہیں:

Super VPN بنانے والی کمپنی SuperSoftTech

Super VPN ایک چینی کمپنی SuperSoftTech کی ملکیت ہے۔ یہ کمپنی تین وی پی این ایپز چلاتی ہے:

۱. Super VPN
۲. Link VPN
۳. LunaVPN

Super VPN "مفت" وی پی این کے خطرات کی ایک نمایاں مثال ہے۔ یہ اینڈرائڈ پر پوری دنیا میں سب سے زیادہ ڈاؤنلوڈ کی جانے والی ایپز میں سے ایک ہے۔ سائبر سیکورٹی ماہرین بارہا اس کے خطرات کی نشاندہی کرتے رہے ہیں۔ ایک آسٹریلوی کمپنی کی تحقیق کے مطابق یہ وی پی این ایپ دنیا میں سب سے زیادہ صارفین کی ڈیوائسز میں وائرس انسٹال کرنے والی ایپز میں تیسرے نمبر پر ہے۔

اگرچہ اس کا ڈیوائس میں وائرس انسٹال کرنا ہی اس کی حقیقت کھول دیتا ہے اور باقی چاہے اس کے وی پی این پروٹوکول کی سیکیورٹی کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو وہ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ لیکن وائرس انسٹال کرنے کے علاوہ بھی اس کی سیکیورٹی ناکارہ ہے۔ یہ ایک انتہائی کمزور انکرپشن استعمال کرتا ہے جس کو توڑنا آسان ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس کی انکرپشن کیز اس کی ایپ میں ہارڈ کوڈ ہوتی ہیں جو کبھی نہیں بدلتیں۔

Innovative

Innovative ایک چینی کمپنی ہے جو درجن سے زیادہ وی پی این ایپز چلا رہی ہے جن سب کا پیچھے انفراسٹرکچر ایک ہی ہے اور یہ سب صارف کا ڈیٹا جمع کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔ اس کمپنی کے وی پی اینز کے نام درج ذیل ہیں:

۱. Turbo VPN
۲. VPN Monster
۳. VPN Master
۴. Signal Secure VPN
۵. VPN Proxy Master
۶. Secure VPN Proxy Master
۷. Snap VPN
۸. Snap Master VPN
۹. SuperNet
۱۰. Thunder VPN
۱۱. Secure VPN
۱۲. HotspotVPN
۱۳. Master VPN (ماسٹر VPN)

اس کمپنی کا فراڈ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہی کمپنی اپنی وی پی این ایپز تین مختلف کمپنی ناموں سے فراہم کر رہی ہے۔ کچھ ایپز Innovative نامی کمپنی کی ملکیت ہیں، کچھ دیگر LemonClove نامی کمپنی کی ہیں جبکہ کچھ Autumn Breeze نامی کمپنی کی ہیں۔ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ ان تینوں کمپنیوں کے وی پی این سرورز تو ایک ہیں ہی، تینوں کمپنیوں کے ایڈریس بھی ایک ہی بلڈنگ کے ہیں، حالانکہ بظاہر تینوں کمپنیوں کا آپس میں ربط ظاہر نہیں کیا جاتا۔ مزید براں رابطے کے لیے کمپنی کا کوئی رسمی ای میل نہیں بلکہ ایک جی میل پر بنا ہوا ای میل دیا گیا ہے۔

Hotspot Shield بنانے والی کمپنی Point Wild

مشہور "مفت" وی پی این ایپ Hotspot Shield امریکی کمپنی Point Wild، جس کا نام پہلے Pango Group تھا، کی ملکیت ہے۔ اس کمپنی کی اس کے علاوہ بھی بہت سی وی پی این ایپز ہیں:

۱. Hotspot Shield
۲. Ultra VPN
۳. Wifi Security for Business
۴. VPN in Touch
۵. VPN 360
۶. Touch VPN
۷. Betternet
۸. Aura
۹. OVPN
۱۰. JustVPN
۱۱. VeePee VPN
۱۲. Wi-Fi SHIELD

آسٹریلوی کمپنی کی تحقیق کے مطابق اس کمپنی کی وی پی این ایپ Betternet دنیا کے سب سے زیادہ صارفین کی ڈیوائسز میں وائرس انسٹال کرنے والی ایپز میں چوتھے نمبر پر ہے۔ اور اگر کمپنی کی ایک وی پی این ایپ ڈیوائسز میں وائرس انسٹال کرتی ہو تو اس کی باقی وی پی این پراڈکٹس کیسے قابل اعتماد ہو سکتی ہیں؟ اس کمپنی کے کسی وی پی این کا کبھی سیکیورٹی آڈٹ نہیں ہوا اور یہ صارفین کا ڈیٹا بھی چوری کرتی ہے۔

واضح رہے کہ یہی کمپنی اینٹی وائرس سافٹ ویئر TotalAV اور TotalSecurity بھی بناتی ہے۔

پاکستانی وی پی این کمپنی Disrupt

کراچی سے چلنے والی یہ کمپنی رسمی طور پر تین وی پی این ایپز چلاتی ہے:

۱. PureVPN
۲. PureDome
۳. Ivacy VPN

یہ تینوں وی پی این سروسز مفت نہیں ہیں بلکہ ان کی ماہانہ سبسکرپشن فیس ہے۔ لیکن ان تین کے علاوہ یہ کمپنی ایک غیر رسمی "مفت" وی پی این ایپ OneVPN بھی چلاتی ہے۔

OneVPN بظاہر ایک چینی کمپنی Unravel Technologies کی ملکیت ہے جس کا دفتر سنگاپور بتایا جاتا ہے، لیکن کمپنی کے بنیادی ارکان کے نام دیکھ کر یہ انکشاف ہوا کہ پاکستانی کمپنی Disrupt اور بظاہر "چینی" کمپنی Unravel Technologies کے کلیدی افراد مشترک ہیں۔

اس کمپنی کی فریب کاری کا زیادہ بڑا ثبوت یہ ہے کہ اسی کمپنی کے کلیدی افراد وی پی این سروسز کا تجزیہ اور بہترین وی پی این سروس تجویز کرنے والی کئی ویب سائٹ چلا رہے ہیں جہاں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس ویب سائٹ پر وی پی این سروسز کا "غیر جانبدارانہ" تجزیہ کیا جاتا ہے۔ یہ ویب سائٹس درج ذیل ہیں:

- Vpnranks.com
- Bestvpnservice.com
- Kodivpn.co
- Bestvpn.co
- Usavpn.com

اس میں سب سے مشہور ویب سائٹ vpnranks.com ہے جس پر، SimilarWeb کے مطابق، ماہانہ پچیس لاکھ لوگ وزٹ کرتے ہیں۔

یہ ان "مفت" وی پی این سروسز کی چند مثالیں تھیں جبکہ اس طرح وی پی این ایپ کے ذریعے صارفین کو دھوکہ دینے اور ان کا ڈیٹا چوری کرنے والی کمپنیاں لاتعداد ہیں۔

حکومتی جبر اور پابندیوں کے ماحول میں رہنے والے صارفین اس طرح کے ٹولز اس لیے استعمال کرتے ہیں تاکہ خفیہ ایجنسیوں کی نگرانی سے بچ سکیں۔ لیکن نتیجہ اس سے برعکس نکلتا ہے۔ وہ اپنا ڈیٹا اپنے مقامی انٹرنیٹ فراہم کرنے والے ادارے سے تو چھپا لیتے ہیں لیکن اس کی جگہ ایک ایسی کمپنی کے حوالے کر دیتے ہیں جن کا کام ہی خفیہ اداروں کو ڈیٹا بیچنا ہے۔

بات واضح ہے۔ اگر وی پی این مفت ہے، تو غالب امکان یہی ہے کہ آپ صارف نہیں بلکہ "پراڈکٹ" ہیں۔ وی پی این کی صنعت میں "مفت" ماڈل اکثر آپ کی معلومات کو سرمایہ بنانے کا دوسرا نام ہے۔ جو بھی شخص واقعی پرائیویسی کو سنجیدگی سے لیتا ہے، اس کے لیے پہلا اصول یہ ہونا چاہیے کہ ایسے پلیٹ فارمز سے دور رہے جن کا کاروباری ماڈل واضح، تصدیق شدہ، اور آزادانہ طور پر آڈٹ نہ کیا گیا ہو۔ وی پی این سبسکرپشن کی قیمت اکثر صرف اس کی سروس کی فیس نہیں ہوتی بلکہ اس بات کی قیمت ہوتی ہے کہ آپ کی جاسوسی وہی ٹول نہ کر رہا ہو جسے آپ نے اپنی حفاظت کے لیے منتخب کیا ہے۔

بڑی تجارتی کمپنیوں کے مین سٹریم VPN

فریبی اور آپ کے ڈیٹا کے شکاری "مفت" وی پی ایپز کے تاریک پہلو کو سمجھنے کے بعد اب اس صنعت کے دوسرے سرے پر چلتے ہیں۔ مین سٹریم میں موجود بڑے تجارتی وی پی این برانڈز۔ یہ وہ نام ہیں جو ہر طرف انٹرنیٹ اشتہارات میں خوبصورت اور فیچرز سے بھرپور ایپز، سرورز کا پوری دنیا میں وسیع نیٹ ورک اور "دنیا کی نمبر ون سیکیورٹی" جیسے دعووں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

یہ رسمی اور قانونی حیثیت رکھنے والی کمپنیاں ہیں، لیکن پرائیویسی کے سنجیدہ اور حساس تناظر میں صرف کمپنی کا "جائز کاروبار" کرنا ہی کافی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات ان کی قانونی حیثیت، منافع پر مبنی کاروباری ڈھانچہ، کارپوریٹ وابستگیاں اور مارکیٹنگ بجٹ انہیں ان صارفین کے لیے زیادہ خطرناک بنا دیتا ہے جنہیں واقعی میں رازداری درکار ہوتی ہے۔

VPN Trust Initiative (VTI)

مارکیٹنگ اور حقیقت کے درمیان تضاد کی ایک بہترین مثال VPN Trust Initiative (VTI) ہے۔ وی پی این انڈسٹری کی قیادت میں قائم کیے گئے اس اتحاد کا دعویٰ ہے کہ یہ مارکیٹ مین سرفہرست ایسے وی پی این فراہم کرنے والوں کی طرف سے چلایا جا رہا ہے جو "پرائیویسی، سیکیورٹی اور ذمہ دارانہ جدت کو آگے بڑھانے کا عزم رکھتے ہیں"۔ تعارف میں زبان بھی انتہائی پرکشش استعمال کی گئی ہے۔ "عزم"، "اخلاقی معیار"، "شفافیت"۔

ظاہری طور پر دیکھیں تو یہ ایک خود احتسابی کا ادارہ معلوم ہوتا ہے جو اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ اس اتحاد کے رکن وی پی این اپنا "اعلیٰ معیار" برقرار رکھیں۔ لیکن جب اس کے طریقہ کار کا قریب سے جائزہ لیا جائے تو حقیقت کچھ اور ہی نکلتی ہے۔ VTI دراصل ایک ایسا کلب ہے جہاں بڑی کمپنیاں اپنی اپنی ذیلی کمپنیوں (subsidiaries) کو شامل کر کے

اتحاد میں اپنے اراکین کی تعداد کو مصنوعی طور پر بڑھا کر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

تحقیق کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ اگرچہ دعویٰ تو یہ کیا جاتا ہے کہ اس اتحاد میں "متنوع" ارکان کی ایک بڑی تعداد ہے لیکن در حقیقت یہ ساری "بڑی تعداد" صرف تین بڑی پیرنٹ کمپنیوں کی ملکیت ہے:

۱. Kape Technologies
۲. Nord Security
۳. Ziff Davis

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس اتحاد کی حیثیت چند بڑے کارپوریٹ اداروں کے "بھونپو" سے زیادہ کچھ نہیں۔ جب یہ کمپنیاں پرائیویسی کے لیے اپنے عزم کا دعویٰ کرتی ہیں تو در حقیقت وہ اپنا منافع بڑھانے کا عزم کر رہی ہوتی ہیں۔

VTI کی حیثیت ایک نگران ادارے کی نہیں بلکہ پہلے سے چلتے طریقۂ کار پر مہر تصدیق ثبت کرنے والے کی ہے تاکہ صارفین کی توجہ اس حقیقت سے ہٹائی جائے کہ در حقیقت یہ کمپنیاں تجارتی کارپوریشنز ہیں جن کی اوّلین ترجیح اپنے سٹیک ہولڈرز کو خوش رکھنا ہوتی ہے۔

ذیل میں انہی تین کمپنیوں میں سے سب سے مشہور پہلی دو کمپنیوں کا جائزہ تفصیل سے پیش کیا جا رہا ہے۔

Express VPN بنانے والی کمپنی Kape Technologies

یہ امریکہ اور اسرائیل میں چلنے والی ایک اسرائیلی کمپنی ہے جس کی ملکیت میں تین وی پی این سروسز ہیں:

۱. Express VPN
۲. CyberGhost VPN
۳. Private Internet Access VPN

ان تین وی پی اینز کے علاوہ اس کمپنی کی ملکیت میں وی پی این سروسز کا جائزہ لینے اور بہترین وی پی این سروسز تجویز کرنے والی درج ذیل دو ویب سائٹس بھی ہیں:

۱. Vpnmentor.com
۲. Wizcase.com

یہ دونوں ویب سائٹس بھی حسبِ توقع اپنے تجزیے اور تجویز کو "آزادانہ" اور "غیر جانبدارانہ" قرار دیتی ہیں اور ہمیشہ اپنی انہی تین وی پی این سروسز کو دنیا کی ٹاپ تین سروسز قرار دیتی ہیں۔ یہ دونوں اس صنعت کی بہت مشہور ویب سائٹس ہیں اور ان پر ماہانہ وزٹرز کی تعداد ساٹھ لاکھ سے زیادہ ہے۔

ذیل میں اس کمپنی کے حوالے سے چند دلچسپ حقائق پیش کر رہے ہیں جن کے بعد اس کے حوالے سے کچھ بھی مزید کہنے کی حاجت باقی نہیں رہتی:

- کمپنی کا بانی اور مارچ ۲۰۱۶ء تک اس کا CEO رہنے والا "کوبی مینا خیمی" (Koby Menachemi) اسرائیلی خفیہ ادارے Unit 8200 کا اعلیٰ عہدے دار تھا۔ جو کہ اسرائیل میں ویسا ہی ادارہ ہے جیسا امریکہ میں NSA۔
- کمپنی کا موجودہ مالک، اسرائیلی ارب پتی سرمایہ دار، "ٹیڈی ساگی" (Teddy Sagi) کا نام ۲۰۱۶ء کے پانامہ پیپرز (Panama Papers) میں سامنے آیا جس میں اس کا متعدد آف شور کمپنیوں سے تعلق سامنے آیا۔ اس کے بعد ۲۰۲۱ء میں پینڈورا پیپرز (Pandora Papers) میں سامنے آیا جس میں یہ ۶۰ ٹیکس فراڈ کے کیسز میں ملوث پایا گیا۔ اس سب سے قبل ۱۹۹۶ء میں جب ٹیڈی ۲۵ برس کا تھا تب تل ابیب کی عدالت میں اس پر رشوت، فراڈ، اور سٹاکس میں خرد برد کا الزام ثابت ہوا جس کے نتیجے میں اسے ۹ ماہ قید اور تین لاکھ شیکلز جرمانہ کی سزا ہوئی۔
- Express VPN کا سابق چیف انفارمیشن آفیسر (CIO) امریکی فوج کا سابق رکن تھا جس نے متحدہ عرب امارات کے لیے ہیکر کے طور پر پراجیکٹ ریون (Project RaveN) میں کام کیا اس کے لیے ایک کرما (Karma) نامی ہیکنگ ٹول بنا کر دیا۔
- مارچ ۲۰۱۸ء سے قبل اس کمپنی کا نام Kape Technologies کی بجائے Crossrider تھا۔ اور یہ کمپنی صارفین کی ڈیوائسز میں وائرس انسٹال کرتی تھی۔ اس کمپنی کے پروگرام نہ صرف براؤزر پر اپنے ایڈ چلاتے تھے بلکہ ڈیوائسز میں موجود حساس معلومات چوری کر کے کمپنی کے سرورز پر بھیجتے رہتے تھے۔ کمپنی کے ایک سابق CEO "آئیڈو ایر لچمن" نے بھی یہ بات تسلیم کی کہ کمپنی کا نام بدلنے کا مقصد یہی تھا کہ کمپنی اپنے ان کاموں کی وجہ سے بہت بدنام ہو چکی تھی۔

Nord Security

Nord Security کی ملکیت میں اس وقت تین وی پی این سروسز ہیں:

۱. NordVPN
۲. NordLayer
۳. Surfshark VPN

یہ بات تو کہے بغیر ہی واضح ہے کہ چونکہ یہ کمپنی ایک بڑی تجارتی کارپوریشن ہے اس لیے اس پر لازم ہے کہ صارفین کی انٹرنیٹ فعالیت کا لاگ محفوظ رکھے اور حکومتی مطالبے پر ان کے حوالے کر دے۔

لیکن بات یہیں تک محدود نہیں۔ کمپنی کی دیانتداری کے خلاف سب سے بڑا ثبوت ۲۰۱۸ء میں پیش آنے والا واقعہ ہے۔ ۲۰۱۸ء میں فن لینڈ میں NordVPN کے سرورز کو ہیک کر لیا گیا جس کے نتیجے میں حملہ آور کو صارفین کے تمام لاگز اور معلومات حاصل ہو گئیں۔

اگر اس بات کا اعلان کر دیا جاتا اور وضاحت دے دی جاتی تو یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی، ایسا کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن کمپنی کی دیانتداری پر سوال تب پیدا ہوا جب کمپنی نے

اس معاملے پر مکمل خاموشی اختیار کیے رکھی اور اپنے صارفین کو بالکل بھی مطلع نہیں کیا کہ ان کا ڈیٹا ہیک ہوا ہے۔ کئی ماہ بعد جب میڈیا نے اس واقعہ کا انکشاف کیا تو کمپنی نے اس کی تصدیق کی۔ ایک کمپنی جو "پرائیویسی" اور "سکیورٹی" فراہم کرنے کا دعویٰ کرتی ہو اس کے لیے ایسی معلومات چھپانا قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمپنی کے لیے اپنی ساکھ کا تحفظ صارفین کے تحفظ کے اپنے دعوے سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اور اس سے یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ اس طرح کی حساس خبر کو چھپا سکتے ہیں تو پھر اور کیا کچھ چھپا رہے ہوں گے؟

ایک اور تکنیکی اور خطرناک مسئلہ NordVPN کے اندر یہ ہے کہ یہ گوگل سروسز پر انحصار کرتا ہے اور اس کی ایپ چاہے اینڈرائڈ پر ہو، آئی او ایس پر ہو یا ڈیسک ٹاپ پر مسلسل گوگل سرورز کو پن(ping) گ کرتی رہتی ہے۔ صارف وی پی این کو اس لیے استعمال کرتا ہے کہ اس کی پرائیویسی اور اس کی معلومات محفوظ رہیں، لیکن NordVPN اس کے برعکس ساری معلومات گوگل کو بھیج رہا ہوتا ہے جو کہ دنیا کا سب سے بڑا صارفین کا ڈیٹا جمع کرنے والا اور اسے بیچنے والا ہے۔

اس کے علاوہ یہ اپنی تشہیر اور اپنی ساکھ بنانے پر بہت زیادہ بجٹ خرچ کرتا ہے۔ پرائیویسی اور سکیورٹی کے موضوعات پر بات کرنے والے سوشل میڈیا انفلوئنسرز (Social media Influencers)، یوٹیوب وی لاگرز، کانٹینٹ کریئیٹرز (Content Creators) اور ویب سائٹس کو پیسے دیے جاتے ہیں کہ وہ NordVPN کو تجویز کریں اور صارفین کو یہ ثابت کریں کہ یہ سکیورٹی اور پرائیویسی میں دنیا میں پہلے نمبر پر ہے۔

پرائیویسی کا حقیقی تحفظ کرنے والے VPN

فریبی وی پی اینز کے استحصالی جال اور بڑی کارپوریشنز کے تجارتی وی پی اینز کے گرد بنے ہوئے خوش کن تصورات کو پرکھنے کے بعد ہم اس تحریر کے اصل نقطہ پر پہنچتے ہیں۔ وہ وی پی این سروسز جو پرائیویسی کو اوّلین ترجیح پر رکھتے ہیں۔

ان سروسز کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ سروسز پر اعتماد کو زیادہ سے زیادہ نہیں بلکہ کم سے کم کیا جائے۔ یعنی مقصد یہ نہیں ہونا چاہیے کہ صارف کمپنی کے وعدوں پر بھروسہ کرے بلکہ مقصد یہ ہو کہ نظام ہی ایسا بنے کہ جہاں کمپنی کے پاس آپ کے بارے میں جاننے، محفوظ رکھنے یا افشا کرنے کے لیے کم سے کم ممکنہ معلومات ہوں۔

ذیل میں ہم دو ایسی وی پی این سروسز کا جائزہ پیش کر رہے ہیں جو سائبر سکیورٹی ماہرین کے سخت ترین پرائیویسی معیارات پر مسلسل پورا اترتی آرہی ہیں:

۱. Proton VPN
۲. Mullvad VPN

وی پی این سروسز کے لیے سنہری معیار

اس سے قبل کہ ہم ان دو وی پی این سروسز کا جائزہ لیں یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی بھی وی پی این کو حقیقی پرائیویسی کے اعلیٰ ترین درجے پر پرکھنے کے لیے کون سے اصول کلیدی حیثیت کے حامل ہیں۔ یہ اصول درج ذیل ہیں:

۱. **گمنام (Anonymous) اکاؤنٹس کی تشکیل:** جس میں نہ کسی ای میل، نہ فون نمبر نہ ہی دیگر ذاتی معلومات اکاؤنٹ کے ساتھ لنک ہوں۔
۲. **اوپن سورس کوڈ:** کوڈ کی ہر لائن عوامی طور پر آڈٹ کی جا سکتی ہو۔
۳. **RAM-Only انفراسٹرکچر:** جہاں سرور کی ڈسک میں کچھ بھی محفوظ نہ ہوتا ہے تمام ڈیٹا عارضی طور پر صرف RAM میں رہے اور سرور کے ری بوٹ ہونے پر سب ختم ہو جائے اور پیچھے کوئی نشان باقی نہ رہے۔
۴. **شفاف ملکیت:** کمپنی کی قیادت عوامی طور پر معلوم ہو اور اس کا قانونی دائرہ اختیار بھی واضح ہو۔
۵. **آزادانہ آڈٹس:** سروس کی سکیورٹی اور کوئی "لاگ" نہ رکھنے کے دعوے کی مستقل تھرڈ پارٹی سے تصدیق۔

Proton VPN

Proton VPN سوئزرلینڈ کی کمپنی Proton AG کی ملکیت ہے اور یہ حقیقی پرائیویسی کے میدان میں ۲۰۱۶ء سے ایک مضبوط نام ہے۔ ذیل میں اس کی خصوصیات اور کمزوریاں پیش ہیں:

خصوصیات

فری سروس کی فراہمی: یہ پرائیویسی کا تحفظ کرنے والی سروسز میں ایک نایاب سروس ہے جو اپنی تمام پرائیویسی خصوصیات کے ساتھ محدود فری سروس بھی فراہم کرتی ہے۔

سرورز کی بڑی تعداد: اس کی پریمیم سروس کے ۱۴۵ ممالک میں بیس ہزار کے قریب سرورز ہیں جبکہ فری سروس کے سرورز ۱۰ ممالک میں ہیں۔

اوپن سورس اور سالانہ آڈٹ: اس کی تمام ایپز کا کوڈ اوپن سورس ہے اور Github پر موجود ہے۔ جبکہ اس کی ایپز اور سروسز کا ہر سال آڈٹ ایک آزاد ادارہ Securitum کرتا ہے۔

WireGuard کی سپورٹ: یہ وی پی این کے نئے، تیز رفتار اور مضبوط انکرپشن کے حامل پروٹوکول WireGaurd کو سپورٹ کرتا ہے اور صارفین کو اسی کو استعمال کرنے کی تجویز دیتا ہے۔

ڈومین فلٹرنگ: پروٹون کا ایک فیچر NetShield ہے جو اشتہارات (Ads)، وائرسز (Malwares)، اور ٹریکرز (Trackers) پر مشتمل ڈومین فلٹر کرتا ہے۔ اس میں

صارف کے لیے یہ انتخاب بھی موجود ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کو فلٹر کرنا چاہتا ہے یا صرف وائرسز کو۔

گمنام (Anonymous) ادائیگی: پروٹون گمنام (Anonymous) ادائیگی کی سہولت فراہم کرتا ہے۔ صارف ڈاک کے ذریعے نقد رقم بھجوا کر بھی سروس خرید سکتا ہے اور بٹ کوائن کے ذریعے سے بھی خرید سکتا ہے جبکہ عام کریڈٹ کارڈ بھی قبول کرتا ہے۔

کمزوریاں

VPN ٹریفک چھپانے کی کمزور صلاحیت: پروٹون وی پی این اپنی وی پی این پروٹوکولز میں WireGaurd اور OpenVPN کے ساتھ ساتھ ایک تیسرا پروٹوکول بھی دیتا ہے جسے Stealth پروٹوکول کہتے ہیں۔ اس پروٹوکول کا بنیادی مقصد انٹرنیٹ فراہم کرنے والے ادارے سے یہ بات چھپانا ہے کہ صارف وی پی این استعمال کر رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ پروٹوکول وی پی این ٹریفک کو ایسے دکھاتا ہے جیسے یہ عام https ٹریفک ہو۔ اگرچہ یہ خوبی ہے کمزوری نہیں، لیکن کمزوری اس میں یہ ہے کہ اس پروٹوکول کی صلاحیت بہت محدود ہے۔ یہ ان ممالک میں کام نہیں کرتا جہاں جدید فلٹرز تمام آنے اور جانے والی ٹریفک کا تجزیہ کر کے انکرپٹڈ وی پی این ٹنلز کو ڈھونڈتے ہیں۔ اس طریقہ کار کو Deep Packet Inspection (DPI) کہا جاتا ہے۔ جن ممالک میں DPI کے ذریعے صارفین کے انٹرنیٹ کی نگرانی کی جارہی ہو وہاں یہ Stealth پروٹوکول ناکام ہو جاتا ہے۔

گمنام (Anonymous) کرپٹو کرنسی سے ادائیگی کی سہولت کا فقدان: دوسری کمزوری اس وی پی این کی یہ ہے کہ یہ کرپٹو کرنسی میں ٹرانزیکشنز کا کوئی بھی ریکارڈ نہ رکھنے والی Anonymous کرنسی Monero (XMR) کے ذریعے سبسکرپشن خریدنے کی سہولت فراہم نہیں کرتا۔ اس کرنسی سے اکاؤنٹ خریدنے سے ٹرانزیکشن مکمل طور پر گمنام ہو جاتی ہے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں رہتا کہ کسی اکاؤنٹ کے لیے آپ نے کوئی رقم ادا کی ہے۔

اکاؤنٹ بنانے کے لیے ای میل کی ضرورت: جیسا کہ ہم نے وی پی اینز کے لیے سنہری معیار میں ذکر کیا کہ وی پی این کا اکاؤنٹ کسی فون نمبر، ای میل یا دیگر ذاتی معلومات کے ساتھ جڑا نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن پروٹون وی پی این بنانے کے لیے ای میل ایڈریس ضروری ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ اکاؤنٹ کسی بھی Anonymous ای میل کے ذریعے بن جاتا ہے، لیکن عام صارف ان طریقوں سے بالعموم آگاہ نہیں ہوتے اور وہ اپنے ذاتی ای میل سے ہی اکاؤنٹ بنالیتے ہیں جو کہ پرائیویسی کے لیے ٹھیک نہیں۔

Mullvad VPN

Mullvad VPN کی کا کمپنی ہیڈ کوارٹر سویڈن میں ہے اور یہ ۲۰۰۹ء سے کام کر رہا ہے۔ یہ وی پی این اپنے صارفین کو زیادہ سے زیادہ پرائیویسی فراہم کرنے میں بلا مقابلہ چیمپئن مانا جاتا ہے۔ اس نے سروس پر اعتماد کرنے کی ضرورت کو کم سے کم کرنے کے فلسفے کو اپنی آخری حد تک پہنچایا ہے۔ اس وی پی این کے دنیا کے پچاس ممالک میں ۵۷۸ سرورز کام کر رہے ہیں۔ اس کی خصوصیات و کمزوریاں درج ذیل ہیں:

خصوصیات

مکمل گمنام (Anonymous) اکاؤنٹ: اس کا اکاؤنٹ مکمل طور پر Anonymous بن سکتا ہے۔ اکاؤنٹ کے لیے کسی ای میل یا دیگر ذاتی معلومات کی ضرورت نہیں۔ صارف کو اکاؤنٹ بناتے وقت ایک رینڈم ۱۶ ہندسوں کا اکاؤنٹ نمبر مل جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اکاؤنٹ خریدنے کے لیے روایتی کریڈٹ/ڈیبٹ کارڈ کے علاوہ گفٹ کارڈ کے ذریعے بھی ادائیگی کر سکتے ہیں، ڈاک کے ذریعے کیش بھیج سکتے ہیں، بینک وائر کے ذریعے سے ادائیگی کر سکتے ہیں اور کرپٹو کرنسی میں دیگر کرنسیوں کے علاوہ Monero (XMR) کے ذریعے بھی رقم کی ادائیگی کر سکتے ہیں۔ اس طرح آپ کی شناخت اور اکاؤنٹ کے درمیان کسی قسم کا ربط قائم نہیں رہتا۔

WireGuard پروٹوکول کا استعمال: وی پی این پروٹوکولز میں یہ صرف WireGuard کو اس کی مضبوط انکرپشن، سکیورٹی اور سپیڈ کے باعث استعمال کرتا ہے۔

VPN ٹریفک چھپانے کی قوی صلاحیت:

پروٹون وی پی این کے Stealth پروٹوکول کے برخلاف Mullvad میں وی پی این کے استعمال کو چھپانے اور اینٹی سینسر شپ بہت ایڈوانس ٹیکنالوجی کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ متعدد طریقے اپناتا ہے جو درج ذیل ہیں:

- اس بات کو چھپانے کے لیے کہ صارف کی ڈیوائس سے وی پی این ٹریفک جارہی ہے Mullvad وی پی این پروٹوکول WireGaurd کے ساتھ ایک اور پروٹوکول Shadowsocks کو استعمال کرتا ہے جس سے وی پی این ٹریفک عام انٹرنیٹ ٹریفک کی طرح لگتی ہے۔
- اس کو مزید Deep Packet Inspection (DPI) کرنے والے ممالک میں بھی چھپانے کے لیے Shoadowsocks کے ساتھ ایک پلگ ان V3Ray بھی فراہم کرتا ہے جس کے استعمال سے DPI کے ذریعے بھی ٹریفک مانیٹر کرنے والے ممالک میں وی پی این کی ٹریفک عام انٹرنیٹ ٹریفک کی طرح لگنے لگتی ہے۔
- اس کو اس سے بھی زیادہ محفوظ بنانے کے لیے Mullvad اپنے سرورز کے کسٹم آئی پی ایڈریس فراہم کرتا ہے جو وی پی این سرورز کے ساتھ جانے نہیں جاتے اور جن کے استعمال سے کوئی بھی نگرانی کرنے والا ادارہ یہ نہیں پکڑ سکتا کہ صارف جس آئی پی پر جارہا ہے یہ کسی وی پی این سرور کا آئی پی ہے۔
- اگر اس سب کے باوجود بھی کوئی ملک اس وی پی این کو بلاک کر سکے تو اضافی طور پر برجز کی سہولت بھی یہ وی پی این دیتا ہے تاکہ برجز یا پراکسی کے ذریعے سے اس وی پی این سے کنیکٹ کیا جاسکے۔

- اس کے علاوہ اس وی پی این میں "Defense Against AI-guided Traffic Analysis (DAITA) کی آپشن بھی موجود ہے جو آے آئی کی مدد سے وی پی این کی ٹریفک کا تجزیہ کرنے سے بچاتا ہے۔ واضح رہے کہ اے آئی کے ذریعے کیے جانے والے انٹرنیٹ ٹریفک تجزیے میں اے آئی وی پی این کی ٹریفک کے پیٹرن سے یہ اندازہ لگاتا ہے کہ یہ ٹریفک کس ویب سائٹ کی طرف جا رہی ہو گی۔

ایڈوانس اور شفاف ڈومین فلٹرنگ: Mullvad وی پی این Proton کی نیٹ شیلڈ سے کہیں بہتر اور شفاف انداز میں وائرسز، اشتہارات اور ٹریکرز کو فلٹر کرتا ہے۔ پروٹون کی نسبت یہ سروس کئی طرح کی بلاک لسٹس استعمال کرتی ہے اور صارف کو اپنی فلٹرنگ کا لیول منتخب کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ صارف کے پاس اس سروس میں کسٹم بلاک لسٹ ڈالنے کی آپشن بھی موجود ہے۔

اوپن سورس کوڈ اور آزادانہ آڈٹس: اس وی پی این کی ایپز کا بھی تمام کوڈ اوپن سورس ہے اور Github پر موجود ہے جب کہ اس کا سالانہ سکیورٹی آڈٹ بھی آزاد کمپنیوں سے کروایا جاتا ہے۔

کمزوریاں

محدود ممالک میں سرورز: اس وی پی این کے سرورز دنیا کے پچاس ممالک میں پائے جاتے ہیں اس لیے پروٹون کی نسبت اس میں صارف کے لیے، اگر وہ کسی خاص ملک کا آئی پی استعمال کرنا چاہتا ہو یا اپنے سے قریب ترین وی پی این کو استعمال کرنا چاہتا ہو تاکہ سپیڈ بہتر آئے، انتخاب محدود ہے۔

مفت سروس کا فقدان: پروٹون کی نسبت یہ وی پی این کوئی مفت سروس پیش نہیں کرتا نہ ہی کوئی ٹرائل سروس پیش کرتا ہے۔ جو بھی اسے آزمانا چاہے اسے اس کی کم از کم ایک ماہ کی سروس خریدنی لازمی پڑے گی۔

ویڈیو سٹریمنگ میں کم تر معیار: یہ وی پی این سروس ویڈیو سٹریمنگ کی ویب سائٹس کے لیے معیاری سروس نہیں دیتی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ویڈیو سٹریمنگ کی وی پی این ٹریفک ایک خاص شکل میں نیٹ پر جاتی ہے جو پرائیویسی کے لیے نقصان دہ ہے۔

حتمی درجہ بندی

بلاشبہ سکیورٹی، پرائیویسی اور وی پی این کی ٹریفک چھپانے کے لیے Mullvad وی پی این کا کوئی مقابل نہیں ہے لیکن Proton وی پی این کی بھی اپنی افادیت ہے۔ ان دونوں وی پی این سروسز کے ٹارگٹ یوزرز میں کچھ فرق پایا جاتا ہے:

- اگر آپ کسی ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں وی پی این کے استعمال پر پابندی ہے اور بہت سختی سے اس کے استعمال کو روکنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کے لیے ہر طرح کے طریقے اپنائے جاتے ہیں، اور آپ کے لیے اس امر کو چھپانا انتہائی اہم ہے کہ سرویلنس اداروں سے آپ کا وی پی این استعمال چھپا رہے تو آپ کے پاس Mullvad کے علاوہ کوئی دوسری آپشن نہیں۔ یہی سب سے بہترین سروس ہے۔
- اگر آپ اتنی زیادہ پابندیوں والے ملک میں نہیں رہتے یعنی ریاستی اداروں کو یہ پتہ چلنا کہ آپ وی پی این استعمال کر رہے ہیں اس سے آپ کو خاص فرق نہیں پڑتا اور آپ کا اصل مقصد یہ ہے کہ آپ انٹرنیٹ پر کیا کرتے ہیں یہ امر سرویلنس اور جاسوسی کے ریاستی اور عالمی اداروں سے چھپا رہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کے لیے ویڈیو سٹریمنگ یا اپنی مرضی کے زیادہ سے زیادہ ملکوں کا انتخاب کرنے صلاحیت بھی اہمیت کی حامل ہے، یا آپ وی پی این سروس کی سبسکرپشن پر پیسہ خرچ نہیں کرنا چاہتے اور ایسی مفت سروس چاہتے ہیں جو پرائیویسی کا یقینی تحفظ کرتی ہو تو Proton وی پی این آپ کے لیے بہترین انتخاب ہو گا۔

حاصل کلام

VPN کے اس منظر نامے سے گزرنے کے بعد ایک تلخ حقیقت سامنے آتی ہے۔ پرائیویسی کوئی پراڈکٹ نہیں جسے آپ پیسے دے کر خرید کر خود کو محفوظ بنا سکیں۔ حقیقی پرائیویسی خریدی نہیں جاسکتی اسے تعمیر کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے ہر دعوے کی جانچ پرکھ کرنے والا ذہن، سہولت پر سکیورٹی کو ترجیح دینے والا مزاج اور آپ کس چیز کے بدلے کیا پا رہے ہیں اس کی بصیرت رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ بات واضح طور پر سمجھنے کی ہے کہ VPN کوئی جادو کی چھڑی نہیں کہ آپ نے ایک کلک کیا اور آپ محفوظ ہو گئے۔ آپ کے براؤزرز اور ایپز کی فنگر پرنٹنگ جو بذات خود مخصوص ڈیٹا انٹرنیٹ پر بھیجتی ہیں آپ کی پرائیویسی کو خراب کر رہی ہوتی ہیں، اسی طرح اگر آپ کی ڈیوائس پر وائرس آجائے یا وہ ہیک ہو جائے تب بھی VPN کی سکیورٹی بے معنی ہو جاتی ہے اس کے علاوہ اگر آپ خود ہی حساس ڈیٹا بغیر انکرپٹ کیے بھیج رہے ہیں تو ایسے میں بھی VPN آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

VPN کبھی بھی آپ کو مکمل طور پر Anonymous نہیں بنا سکتے۔ مکمل طور پر Anonymous ہونے کے لیے ٹور براؤزر کا استعمال وی پی این سے زیادہ مفید ہے۔ یاد رکھیں VPN کبھی بھی اچھی سکیورٹی عادات کا متبادل نہیں ہو سکتے بلکہ یہ انٹرنیٹ پر آپ کے دفاع کی بہت سی دیگر تہوں (layers) میں سے ایک تہہ (layer) ہیں نہ کہ واحد اور حتمی تہہ۔

☆☆☆☆☆

مَعرکے ہیں تیز تَر!

جمع و ترتیب: جلال الدین حسن یوسف زئی

شرقِ افریقہ، مغربِ اسلامی اور پاکستان میں جاری اہم جہادی معرکوں کی خبریں اور اجمالی جائزہ (فروری تا مارچ، ۲۰۲۶ء)

شرقِ افریقہ (صومالیہ)

- **۱۰ فروری ۲۰۲۶ء:** صومالیہ کے جنوب میں صوبہ جوبا السفلی کے شہر کسمایو کے مضافات میں حرکت شباب المجاہدین کے خلاف آپریشن کی غرض سے امریکی افواج، صومالی سپیشل فورس اور حکومتی ملیشیا کا مشترکہ قافلہ امریکی فضائی حمایت کے ساتھ روانہ ہوا۔ مجاہدین نے بارسنجونی کے مقام پر گھات لگا کر حملہ کیا، جس کے نتیجے میں سات افسروں سمیت مشترکہ افواج کے ۳۲ اہلکار ہلاک ہوئے جن میں دو امریکی افسر بھی شامل تھے اور کثیر تعداد میں فوجی زخمی ہوئے۔ ایک عدد ڈرون کو مار گرایا گیا۔ تین فوجی گاڑیاں جن پر بھاری مشین گنیں لگی ہوئی تھیں اور ایک عدد جرافہ بکتر بند گاڑی مجاہدین کو غنیمت میں حاصل ہوئی۔ جبکہ ایک عدد گاڑی کو تباہ کر دیا گیا۔
- **۲۹ مارچ ۲۰۲۶ء:** صومالیہ کے جنوب میں صوبہ بای کے شہر بورہکبا کے مضافات میں حکومتی ملیشیا نے امریکی جنگی طیاروں کے تعاون سے حرکت شباب المجاہدین کے خلاف آپریشن کا آغاز کیا جس کا مجاہدین نے بھرپور مقابلہ کیا۔ ان حملوں کے نتیجے میں ۱۵ فوجی ہلاک اور ۲۳ زخمی ہوئے۔ اس کے علاوہ متعدد گاڑیاں تباہ اور کثیر تعداد میں اسلحہ و گولہ بارود بھی مجاہدین کو غنیمت میں حاصل ہوا۔

مغرب اسلامی (برکینا فاسو)

- **۱۶ فروری ۲۰۲۶ء:** جماعت نصرۃ الاسلام والمسلمین نے برکینا فاسو کے صوبہ فادا نگورما کے علاقے تانجاری میں ایک فوجی چھاؤنی پر تعارضی حملہ کیا۔ جس کے نتیجے میں ۵۰ اہلکار ہلاک ہوئے جبکہ مجاہدین نے مختلف قسم کے ہتھیار اور فوجی سازوسامان کو غنیمت میں حاصل کیا۔
- **۲۲ مارچ ۲۰۲۶ء:** جماعت نصرۃ الاسلام والمسلمین نے برکینا فاسو کے صوبہ "کیا" کے علاقے بغادی میں ایک فوجی یونٹ پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں ۲۰ اہلکار ہلاک ہوئے۔ جبکہ مجاہدین کو مختلف قسم کے ہتھیار اور فوجی سازوسامان غنیمت میں حاصل ہوا۔ یہ کارروائی اس وقت کی گئی جب دشمن پیش قدمی کر رہا تھا۔
- **۲۶ مارچ ۲۰۲۶ء:** جماعت نصرت الاسلام والمسلمین نے برکینا فاسو کے صوبہ دیدوغو کے علاقے لیری میں فوج کے ایک یونٹ پر تعارضی حملہ کیا۔ جس کے نتیجے میں ۱۴ اہلکار ہلاک ہوئے۔ جبکہ مجاہدین کو مختلف قسم کے ہتھیار اور فوجی سازوسامان غنیمت میں حاصل ہوا۔

پاکستان

- **۱ تا ۴ اور ۱۳ مارچ ۲۰۲۶ء:** خیبر ایجنسی وادیٔ تیراہ میں اتحاد المجاہدین پاکستان کے مسلسل حملوں کے نتیجے میں پاکستانی فوج کئی اہم چوکیاں، پوسٹ اور کیمپ چھوڑ کر فرار، جن میں لال غنی پوسٹ، اکبری کلی پوسٹ، طوطی غر پوسٹ، خازیانے کیمپ، سید کرم، البدر، سیڑی کنڈاو پوسٹ، زاودین زڈ، نوی میلہ اور پڑاک بنگلہ کیمپ شامل ہیں۔

واضح رہے کہ چند ماہ قبل "پڑاک بنگلہ" کیمپ پر اتحاد المجاہدین کے ایک فدائی مجاہد، قاری عمر رحمہ اللہ نے فدائی حملہ کیا تھا، جس کے نتیجے میں ۵۷ فوجیوں کی ہلاکت اور زخمی ہونے کی اطلاعات تھیں۔ یہ علاقے اس وقت فتح ہو رہے ہیں جب پاکستانی فوج نے کئی ماہ سے آپریشن کے نام پر وادیٔ تیراہ کے مظلوم عوام کو وہاں نقل مکانی پر مجبور کر رکھا ہے۔

- **۷ مارچ ۲۰۲۶ء:** اتحاد المجاہدین پاکستان کے مجاہدین نے شمالی وزیرستان کی تحصیل دتہ خیل کے علاقے خواژکی میں فوجی ٹرک کو بارودی سرنگ میں نشانہ بنایا۔ جس کے نتیجے میں ٹرک مکمل طور پر تباہ جبکہ اس میں سوار ۲۵ سے ۳۰ کے قریب فوجی ہلاک ہوئے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۸۹ پر)

الشوک والقرنفل
کانٹے اور پھول ۹

شیخ یحییٰ السنوار شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شہرۂ آفاق ناول

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' بطلِ اسلام، مجاہد قائد، شہیدِ امت، صاحبِ سیف و قلم شیخ یحییٰ ابراہیم السنوار رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور جذبۂ جہاد و استشہاد کو جلا بخشتے، آنکھیں اشک بار کر دینے والے خوب صورت ناول اور خود نوشت و سرگزشت 'الشوک والقرنفل' کا اردو ترجمہ، قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ ناول شیخ نے دورانِ اسیری اسرائیل کی بئر سبع جیل میں تالیف کیا۔ بقول شیخ شہید اس ناول میں تخیل صرف اتنا ہے کہ اسے ناول کی شکل دی گئی ہے جو مخصوص کرداروں کے گرد گھومتا ہے تاکہ ناول کے تقاضے اور شرائط پوری ہو سکیں، اس کے علاوہ ہر چیز حقیقی ہے۔ 'کانٹے اور پھول' کے نام سے یہ ترجمہ انٹرنیٹ پر شائع ہو چکا ہے، معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

اٹھارہویں فصل

میں گہری نیند میں تھا جب گھر میں مردوں کے شور وغل سے جاگ اُٹھا، میں نے اپنی آنکھیں ملیں اور اپنی گھڑی کی طرف دیکھا، اس کی سوئیاں سوا تین بجے سے کچھ پہلے کا وقت بتا رہی تھی، میں نے اپنی ماں کی آواز سنی جو چلا رہی تھیں: "تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ میں اور ابراہیم ابھی اپنے بستر سے نکلنے بھی نہیں پائے تھے کہ کمرے کا دروازہ زور سے کھلا، کئی بندوقوں کی نالیں ہماری طرف تنی ہوئی تھیں، "ابو ودیع" کی آواز آئی: حرکت نہ کرنا، وہیں رہو، پھر وہ اور کئی فوجی اندر داخل ہوئے اور اس نے ابراہیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: تم ابراہیم ہو؟ ابراہیم نے جواب دیا: ہاں، میں ابراہیم ہوں، کیا چاہتے ہو؟ ابو ودیع ہنسا اور کہنے لگا: کیا جلدی ہے؟ ذرا صبر کرو ابراہیم! پھر میری طرف دیکھ کر کہا: تم احمد ہو؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: اُٹھو اور باہر آؤ، انہوں نے ہمیں اُٹھا کر ایک دیوار کے پاس کھڑا کر دیا، فوجیوں کو تلاشی لینے کا حکم دیا تو وہ کمرے کی اچھی طرح تلاشی لینے لگے۔ اس نے خود بھی ہماری تلاشی لی مگر کچھ نہیں ملا۔ فوجیوں نے کمرے کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا مگر انہیں وہ چیز نہ ملی جس کی انہیں تلاش تھی۔ وہ ابراہیم کے کاغذات اور نوٹ بکس پلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا، پھر اس نے جو بھی کاغذات مشکوک لگے انہیں ایک صندوق میں ڈال دیا جو ایک فوجی لے کر آیا تھا اور اسے گاڑی میں لے جانے کا حکم دیا۔

میری ماں چلا رہی تھی: تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ گھر برباد کر دیا، اللہ تمہیں ہدایت دے۔ درجنوں فوجی گھر کے ہر کونے کو چھان رہے تھے، تقریباً دو گھنٹے کی تلاشی کے بعد انہوں نے میرے ہاتھ پیچھے باندھ دیے اور میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ یہی ابراہیم کے ساتھ بھی کیا اور ہمیں گھر سے باہر لے گئے۔ میری ماں چلّا رہی تھی: انہیں کہاں لے جا رہے ہو؟ اے ظالمو، اللہ تمہیں غارت کرے۔

مجھے جیپ میں ایسے پھینک دیا جیسے راشن کی بوری۔ پھر مجھے ایک اور بوری محسوس ہوئی جو مجھ پر پھینکا گیا، تب میں نے سمجھا کہ یہ ابراہیم ہے۔ میں خوف اور اضطراب سے کانپ رہا تھا، شاید ابراہیم نے یہ محسوس کر لیا تھا، اس لیے اس نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا: حوصلہ رکھو، تم کیوں کانپ رہے ہو؟ کچھ نہیں ہو گا، چند دنوں کی بات ہے اور ہم واپس گھر آ جائیں گے۔

اس پر ایک زوردار تھپڑ اس کے سر کے پچھلے حصے پر پڑا اور ایک فوجی کی ٹوٹی پھوٹی عربی میں آواز آئی: چپ رہو، گدھے۔

قافلہ آگے بڑھا اور پھر رک گیا، ہم نے اندازہ لگایا کہ ہم سرائے پہنچ گئے ہیں۔ ہمیں دھکا دے کر اور ٹھوکریں مار کر نیچے اتارا گیا، پھر ہمیں تنگ گلیوں اور راہداریوں میں گھسیٹا گیا، پھر ہمیں ایک تنگ اور لمبی سیڑھی پر لے جایا گیا۔ ایک آدمی نے جس کی عربی بہتر تھی، مجھے کھڑا ہونے اور نہ ہلنے کو کہا۔ اس نے مجھے دیوار کے ساتھ کھڑا کیا اور مجھے اس کے ابراہیم کو بھی دیوار کے ساتھ کھڑا ہونے اور نہ ہلنے کا کہنے کی آواز آئی۔ کافی وقت گزر گیا اور کسی نے مجھ سے بات نہیں کی، اور جو بھی آوازیں سنائی دیتی تھی وہ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی تھیں، اور ایسی زبان میں باتیں ہو رہی تھی جو مجھے سمجھ نہیں آتی تھی۔ شاید عبرانی زبان میں۔ کافی وقت کے بعد اس پہلے والی آواز والے شخص نے مجھے کھینچتے ہوئے کہا: آؤ! اور مجھے ایک کمرے میں دھکیل دیا اور میری آنکھوں سے پٹی ہٹا دی۔ میں نے خود کو ایک چھوٹے سے کمرے میں پایا جہاں ایک میز کے پیچھے ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا جو شہری لباس میں تھا اور مسکرا کر کہہ رہا تھا: تشریف رکھیں اور سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا اور میرے ہاتھ اب بھی پیچھے کی جانب بندھے ہوئے تھے۔ اس نے پوچھا: حسن کہاں ہے؟ میں نے حیرت سے جواب دیا: گھر پر! اس نے پوچھا: کون سا گھر؟ میں نے کہا: ہمارا گھر! اس نے حیرت سے کہا: حسن تمہارے گھر میں ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔

اس نے میز پر رکھے کچھ کاغذات کی طرف دیکھا اور پھر پوچھا: تمہارے گھر میں کون سا حسن ہے؟ میں نے کہا: میرا بھائی حسن! اس نے کہا: اوہ، میں تم سے تمہارے چچازاد بھائی حسن کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، وہ کہاں ہے؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم، اس نے کہا: کیسے نہیں معلوم؟ میں نے کہا: وہ کئی سالوں سے ہمارے ساتھ نہیں رہتا اور ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کہاں رہتا ہے۔ اس نے پوچھا: اسے آخری بار کب دیکھا تھا؟ میں نے کہا: یاد نہیں اس نے کہا: تقریباً؟ میں نے کہا: کئی سال گزر گئے، اس نے پوچھا: گھر میں آخری بار

کب ذکر کیا تھا؟ میں نے جواب دیا: یاد نہیں، اس نے کہا: تقریباً؟ میں نے کہا: بہت وقت ہوا، ہم نے اسے بھلا دیا ہے۔ اس نے پوچھا: کیوں؟ میں نے کہا: اس نے ہمیں پڑوسیوں کے ساتھ بہت سی مشکلات میں ڈال دیا تھا، اس لیے ہم نے اسے گھر سے نکال دیا اور اب ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس نے پوچھا: کیا تم نے سنا کہ تقریباً ایک سال پہلے اس پر تشدد کیا گیا تھا اور وہ تقریباً دو مہینے ہسپتال میں رہا؟ میں نے کہا: سنا تھا، اس نے پوچھا: اسے کس نے مارا تھا؟ میں نے کہا: مجھے کیا معلوم؟ اس نے کہا: تمہارا اندازہ کیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم، لیکن شاید کسی لڑکی کے گھر والوں نے جس کا وہ پیچھا کر رہا ہو گا یا کسی سے جھگڑا ہوا ہو گا۔ اس نے کہا: کس طرح کے لوگوں سے؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم، لیکن یہی میں نے اس وقت سوچا تھا اور ہمیں اس کی پرواہ نہیں۔ اس نے کہا: یعنی تمہیں نہیں معلوم کہ وہ اب کہاں ہے؟ میں نے کہا: ہاں، مجھے نہیں معلوم اور نہ ہی جاننا چاہتا ہوں۔ اس نے اس آدمی کو آواز دی جو مجھے اندر لایا تھا اور اسے کہا کہ مجھے کمرے سے باہر لے جائے۔ اس نے میرے سر پر ایک موٹا کپڑے کا تھیلا ڈال دیا، اور مجھے کمرے سے باہر لے گیا اور دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ پھر میں نے سنا کہ وہ ابراہیم کو اندر لے جا رہے ہیں اور پھر دروازے کی زور سے بند ہونے کی آواز سنی، کافی وقت کے بعد جو ایک گھنٹے تک ہو سکتا ہے، میں نے تفتیش کار کی آواز سنی جو اس آدمی کو بلا رہا تھا، ابو جمیل! وہ اس کے پاس گیا اور میں نے سنا کہ وہ ابراہیم کو باہر لے جا رہا ہے اور دیوار کے ساتھ کھڑا کر رہا ہے۔ تو میں نے اندازہ لگایا کہ اس نے وہی سوالات پوچھے ہوں گے، اور میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ حسن کہاں ہے؟ کیا وہ لاپتہ ہے؟ یا ان سے بھاگ رہا ہے؟ میں اسی حالت میں کھڑا رہا، میرا چہرہ دیوار کی طرف تھا کہ اچانک مجھے ایک تھپڑ یا لات پڑی جس نے میری ساری تھکاوٹ کو بھلا دیا۔

میری ٹانگیں جب میرا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ رہیں، تو میں زمین پر بیٹھ گیا، فوجی آئے، چلّاتے اور لاتیں مارتے ہوئے مجھ سے کھڑے ہونے کا مطالبہ کیا۔ تھکاوٹ اور بے بسی نے مجھے اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ مجھے مارنے اور لاتیں کھانے کی کوئی پرواہ نہ رہی۔ وہ مجھے مار مار کر کھڑے ہونے کے لیے مجبور کرتے رہے، لیکن میں اپنی مرضی سے کھڑا نہ ہوا، جب بھی وہ مجھے کندھوں سے پکڑ کر کھڑا کرتے، میں دوبارہ بیٹھ جاتا، وہ دوبارہ مارنے لگتے اور دوبارہ اٹھاتے، اور میں پھر سے بیٹھ جاتا۔ آخر کار تفتیشی افسر نے آکر حکم دیا کہ مجھے زمین پر ہی چھوڑ دیا جائے۔ سچ یہی ہے کہ بیٹھنے کے لیے میں نے بھاری قیمت چکائی، لیکن اس کے بعد میں بے حد آرام محسوس کرنے لگا۔

تفتیشی مرکز میں پہلی بار زندگی گزاری۔ جب درجنوں تفتیشی افسر ایک ساتھ اندر داخل ہوئے، تب میں نے اندازہ لگایا کہ دن چڑھ چکا ہے اور یہ ان کے کام کا نیا دن ہے۔ کچھ وقت کے بعد مجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا، اور جب انہوں نے میرے سر سے تھیلا ہٹایا، تو میرے سامنے تقریباً سات تفتیشی افسر کھڑے تھے۔ ابھی میں پوری طرح اپنے ارد گرد کی صورتحال کو سمجھ نہیں پایا تھا کہ ان میں سے ایک نے میری ٹانگ کو آگے کی طرف ٹھوکر ماری، اور دوسرے نے میرے سینے کو پیچھے دھکیل دیا، جس سے میں زمین کی طرف الٹ گیا۔ انہوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ ہتھکڑی کا لوہا میری کمر میں دھنس گیا اور وہ مجھ پر چڑھ دوڑے۔ ایک میرے سینے پر بیٹھ کر میرا گلا دبانے لگا، دوسرا میرے پیٹ پر کھڑا ہو کر اپنے پاؤں سے دبانے لگا، تیسرا میری ٹانگوں کے درمیان کھڑا ہو گیا اور چوتھا میری ٹانگوں کے درمیان دباؤ ڈالنے لگا۔ جب کچھ منٹ گزرے، تو وہ سب ایک ساتھ رکے اور میرے سینے پر بیٹھے شخص نے پوچھا: حسن کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم، تو وہ دوبارہ شروع ہو گئے، پھر رکے اور وہی سوال پوچھا اور میں نے وہی جواب دیا۔ تو وہ پھر سے شروع ہو گئے، وہ پھر رکے اور پوچھا: ابراہیم نے اعتراف کر لیا ہے۔ حسن کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم۔ اسی طرح کئی بار ہوا جب تک کہ انہیں یقین نہ ہو گیا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ پھر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور باہر موجود سپاہی کو بلایا تاکہ مجھے لے جائے۔ اس نے مجھے دیوار کے قریب لے جا کر بٹھا دیا۔ اس نے مجھے گھسیٹنے اور مارنے کی کوشش کی، لیکن میں نے پچھلی رات ہی اپنا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں نے ابراہیم کی چیخیں اور ان کے چیخنے کی آوازیں سنیں، وہ بھی شاید انہی طریقوں کا استعمال کر رہے تھے۔ ابراہیم ان کی ہر بات کا سختی سے انکار کر رہا تھا اور انہیں برا بھلا کہہ رہا تھا، جس سے ان کا دباؤ بڑھ گیا۔ آخر کار انہوں نے اسے بھی نکال کر دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ کچھ دنوں بعد مجھے ایک گاڑی میں بٹھایا گیا، آنکھوں پر پٹی اور ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے، اور ٹانگیں بھی بندھی ہوئی تھیں۔ گاڑی تقریباً ایک گھنٹے تک چلتی رہی، پھر رک گئی اور انہوں نے مجھے نیچے اتارا، وہ مجھے کھینچتے رہے اور ہر سیڑھی یا دروازے پر میں ٹھوکر کھا رہا تھا۔ کچھ وقت کے لیے انہوں نے مجھے ایک دیوار کے پاس کھڑا کر دیا، پھر تھوڑا سا کھینچ کر لے گئے، ایک لوہے کے دروازے کی آواز سنی اور انہوں نے مجھے ایک کالی دیواروں والی کوٹھری کے اندر دھکیل دیا، اور میرے سر سے تھیلا ہٹا دیا۔

میں سیل میں بیٹھا تھا، کچھ وقت بعد دروازہ کھلا اور ایک دوسرے نوجوان کو سیل میں دھکیلا گیا، جب اس کے سر سے تھیلا ہٹایا گیا، تو وہ میرے برابر بیٹھ گیا۔ کچھ وقت بعد اس نے اپنا نام اور رہائش بتائی اور یہ کہ وہ دو ماہ سے تفتیش میں ہے۔ دوپہر اور رات کا کھانا لایا گیا، اور ہم نے اپنا کھانا کھایا، پھر ہم نے شور سنا، دروازہ کھلا اور پانچ نوجوانوں کو اندر دھکیلا گیا جنہوں نے بھورے رنگ کے قید خانہ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور انہیں ڈنڈوں سے مارا جا رہا تھا۔ نوجوان اپنا دفاع کر رہے تھے، وہ نوجوان بیٹھ گئے اور اپنے بارے میں اور اپنی سخت سزاؤں کے بارے میں بتانے لگے کہ وہ دس سال سے قید میں ہیں اور انہوں نے ایک مخبر کو پکڑ کر اُسے ریزر بلیڈ سے مارا تھا، جس کے بعد پولیس آئی اور انہیں سزا دی۔ پھر انہوں نے ہمارے نام اور یہاں ہونے کی وجہ پوچھی۔ میرے پاس بیٹھا نوجوان ان سے اپنی اور اپنی کیس کی بات کرنے لگا، لیکن وہ اسے اپنی آواز نیچی رکھنے کو کہتے رہے اور یقین دلاتے رہے کہ وہ یہ معلومات باہر انقلاب تک پہنچائیں گے تاکہ وہ محتاط رہیں۔ پھر انہوں نے میری طرف مڑ کر مجھ سے تفصیلات پوچھی، مجھے محمود کے دوستوں کی باتیں یاد آئیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ معلومات حاصل کرنے کی چال ہے، حالانکہ میرے پاس چھپانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

میں نے انہیں مختصر جواب دیے اور وہ یہ جانچتے رہے کہ کیا میرے پاس کچھ چھپانے کے لیے ہے۔ کافی وقت بعد دروازہ دوبارہ کھلا اور قیدی دار نے مجھے بلایا، میرے سر پر تھیلا ڈالا اور مجھے ایک اور سیل میں لے جایا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اب میرے بارے میں رپورٹ دے رہے ہیں۔ کچھ وقت بعد پولیس والا مجھے تفتیشی کمرے میں لے گیا، جہاں ایک تفتیشی افسر نے مجھے بتایا کہ انہوں نے یقین کر لیا ہے کہ میرے پاس چھپانے کے لیے کچھ نہیں ہے، لیکن وہ مجھے تین ماہ کے لیے انتظامی حراست میں بھیج رہے ہیں اور میری تفتیش ختم ہو گئی ہے۔ قیدی دار مجھے کپڑوں کے اسٹور پر لے گیا اور مجھے قیدیوں کے لیے دی جانے والی تمام چیزیں دے دیں۔ پھر مجھے ایک سیکشن میں لے گئے جہاں کئی قیدی تھے۔

قیدیوں نے میرا پر جوش استقبال کیا اور اپنے بارے میں بتایا۔ انہوں نے مجھے ایک کمرہ دکھایا، میرا بستر اور سامان ترتیب دیا، چائے بنائی، اور میرے نہانے کا انتظام کیا۔ میں نے آرام کیا اور کھانا کھایا، شام کو ہم سب اکٹھے بیٹھے۔ انہوں نے میرا استقبال کیا اور آخر میں کمرے کے امیر نے مجھے بتایا کہ میں اپنے کیس کے بارے میں کسی سے بات نہ کروں، کل تنظیم اور سیکورٹی ذمہ دار آئیں گے اور مجھے سب کچھ سمجھا دیں گے۔ اور کسی اور سے اس بارے میں بات کرنا سختی سے منع ہے۔

اگلے دن دو افسر آئے، ہم سب کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ گئے، وہ مجھ سے متعارف ہوئے اور بتایا کہ وہ میرے بھائی محمود، بھائی حسن اور ہمارے پڑوسی عبد الحفیظ کو جانتے ہیں۔ اور دیگر معلومات دیں جن سے مجھے ان پر پورا بھروسہ ہو گیا۔ پھر انہوں نے مجھ سے میرے کیس کے بارے میں اور میرے گرفتار ہونے کی وجوہات کے بارے میں پوچھنا شروع کیا۔ میں نے انہیں تفصیل سے بتایا کہ مجھے کس وجہ سے گرفتار کیا گیا ہے، اور وہ مجھ سے میرے چچازاد حسن کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، حالانکہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے اور یہ سوالات کیوں پوچھ رہے ہیں؟ حسن ہمارے ساتھ نہیں رہتا، ہم نے اسے کئی سال پہلے گھر سے نکال دیا تھا اور ہمیں اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے۔

انہوں نے بار بار وہی سوالات دہرائے پھر میرا شکریہ ادا کیا اور چلے گئے۔ چند دن بعد جیلر آیا اور میرا نام پکارا، مجھے اسٹور روم لے جایا گیا، انہوں نے مجھ سے وہ سامان لے لیا جو انہوں نے مجھے دیا تھا اور میرے اپنے کپڑے اور چیزیں واپس کر دیں، اور بتایا کہ وہ مجھے رہا کر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے جیل کے دروازے تک پہنچایا اور باہر چھوڑ دیا۔ میں نے دوبارہ تازہ ہوا میں سانس لی اور یقین نہیں آیا کہ مجھے آزاد کر دیا گیا ہے۔ میں ابھی بھی سوچ رہا تھا کہ حسن کے بارے میں کیا معاملہ ہے؟ اور یہ سوالات اور تفتیش کیوں ہوئی؟ اور مجھے کوئی جواب نہیں ملا، جب میں گھر پہنچا تو خبر پہلے ہی گھر پہنچ چکی تھی۔ میری ماں مجھے لینے آئی اور خوشی کے نعرے لگنے لگے اور پڑوسی مبارکباد دینے اور میری سلامتی پر اللہ کا شکر ادا کرنے لگے۔ ماں نے پوچھا کہ ابراہیم کہاں ہے؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم، وہ پچھلے دنوں تفتیش میں میرے ساتھ تھا پھر اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ میں نے اپنے گھر والوں کو اپنی کہانی سنائی، ایک ہفتے بعد عصر کے وقت جب ہم گھر میں بیٹھے تھے، دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی اور خوشخبری دینے والے کی آواز آئی کہ ابراہیم آیا ہے، اسے رہا کر دیا گیا ہے۔ ہم سب خوشی سے اسے لینے کے لیے باہر نکلے، خوشی کے نعرے اور مبارکبادیں ہر طرف سے آنے لگیں۔

اس نے مجھ سے پوچھا کہ میرے ساتھ کیا ہوا؟ میں نے اسے سب کچھ بتایا اور اس نے بھی مجھے اپنی تفتیش کے بارے میں بتایا۔ تقریباً جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا سب وہی تھا۔ رات کو جب ہم اپنے کمرے میں اکیلے تھے، میں نے اس سے پوچھا کہ یہ سب کیا ہوا اور اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا: مجھے نہیں معلوم لیکن لگتا ہے کہ حسن ان سے بھاگا ہوا ہے یا لاپتہ ہے! میں نے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ جو لوگ ہم سے ملے تھے وہ جاسوس تھے اور یہ سب ہمیں پھنسانے کے لیے تھا؟ اس نے ہنستے ہوئے کہا: یہ پھنسانا نہیں تھا، احمد؟ میں نے حیران ہو کر پوچھا: کیا؟ اس نے کہا: یہ پہلا جال ہے تاکہ تم اصلی جال میں پھنس جاؤ، میں نے پوچھا: کیسے؟ میں سمجھا نہیں؟ اس نے کہا: وہ جانتے ہیں کہ ہم نے جالوں اور جاسوسوں کے بارے میں سنا ہے، اس لیے وہ پہلے ہمیں ایک واضح جال میں پھنساتے ہیں تاکہ ہم اسے پہچان سکیں اور اس سے بچ جائیں، پھر ہمیں دوسرے حصے میں لے جا کر وہاں پھنسانا چاہتے ہیں، یہی اصلی جال ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا، تمہارا مطلب ہے کہ وہ حصہ اور اس میں موجود سب جاسوس ہیں اور وہ...... اس نے مجھ سے بات کاٹتے ہوئے کہا: ہاں ہاں، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرے پاس کوئی معلومات نہیں تھی ورنہ میں انہیں بتا دیتا کیونکہ میں نے ان پر شک نہیں کیا تھا۔

اس نے مجھے بتایا کہ جب وہ ان کے پاس تھا اور انہوں نے اس سے پوچھا تو اس نے ہر بات سے انکار کیا، جس سے انہیں لگا کہ وہ ان پر شک کر رہا ہے۔ تو انہوں نے اسے دھمکی دی اور کہا کہ انہیں شک ہے کہ وہ جاسوس ہیں۔ انہوں نے کمرے میں اس کا اعلان کیا اور اس کے ساتھ اس طرح سلوک کرنا شروع کر دیا جیسے وہ جاسوس ہو۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ اس سے یہ رد عمل حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے کچھ کہے اور ثابت کرے کہ وہ جاسوس نہیں ہے۔ تاکہ وہ اپنی سچائی بیان کرنا شروع کر دے۔ انہوں نے اس کے سامنے کچھ کاغذات رکھے جو تحریک کے ذمہ داروں کی طرف سے دستخط شدہ اور سرخ مہروں والے تھے، اور دیگر چیزیں بھی تاکہ وہ ان کے ساتھ سچ بولے اور ان سے کچھ بھی نہ چھپائے۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ سچ بول رہا ہے اور اس نے ان سے کچھ بھی نہیں چھپایا، اور اگر وہ کچھ بھی کہتا تو وہ سالوں تک جیل سے باہر نہ آتا۔

میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور پوچھا: لیکن تم نے مجھے حسن کے بارے میں نہیں بتایا؟ اس نے بے پروائی سے جواب دیا: اس بات کو بھول جاؤ، اہم یہ ہے کہ وہ ہمیں پریشان نہیں کرے گا اور نہ ہی ہماری ساکھ کو نقصان پہنچائے گا، اور نہ ہی کسی کو پریشان کرے گا۔ میں نے سمجھ لیا کہ اس نے اپنی قَسم کا حق ادا کر دیا ہے، اور میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میں پہلے اس کے راز کا شریک نہیں تھا یا اس کے کسی کام میں شریک نہیں تھا، ورنہ میں بھی ان فدائیوں کو بتا کر اور اپنے چچازاد کو مصیبت میں ڈال کر پھنس جاتا۔

ایک شام جب ابراہیم رہا ہو چکا تھا، میں اس کے ساتھ کمرے میں بیٹھا تھا اور ہم یونیورسٹی کی کتابیں پڑھ رہے تھے۔ میری ماں کمرے میں داخل ہوئیں اور ہمیں سلام کیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس پر تین شیشے کے گلاس اور ایک چائے کا برتن تھا، انہوں نے میز کو ابراہیم کے بستر کی طرف کھینچا اور بستر کے کنارے بیٹھ گئیں۔ ابراہیم ان کے پاس بیٹھ کر سہارا لے کر بیٹھ گیا، انہوں نے چائے ڈالی اور ہمیں گلاس دیا اور اپنے گلاس سے لمبے گھونٹ لیے اور ابراہیم سے بات کرتے ہوئے کہنے لگیں، ”دیکھو محمود، حسن، فاطمہ اور تہانی کے بچے کتنے خوبصورت ہیں۔ بیٹا دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہے، اور جب تک آپ کا اپنا بچہ نہ ہو، آپ اس کا مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ کیا خوبصورت بات ہے کہ آپ ماں یا باپ بنیں، یہ دنیا کے سب سے خوبصورت احساسات اور جذبات ہیں“۔

میں نے سمجھا کہ وہ کسی اور موضوع کی طرف اشارہ کر رہی ہیں، اس لیے میں نے ابراہیم کی طرف چھپی نظر سے دیکھا، اور اس چالاک نے میری نظر کو محسوس کر کے ہلکی سی مسکراہٹ دی، جیسے وہ کہہ رہا ہوں، میں سمجھ گیا ہوں کہ تمہاری ماں کیا کہنا چاہتی ہیں، گویا اس نے محسوس کیا کہ انہوں نے تمہید کو طول دیا ہے۔ ماں نے کہا: اے ابراہیم، میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں اور تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ ابراہیم نے ایک لمبی ہنسی کے ساتھ کہا: یہ کوئی عیب نہیں ہے، میری مبارک چاچی، اللہ ہمیں اور آپ کو حفاظت میں رکھے، لیکن فکر نہ کریں، میں کوئی نقصان دہ یا خطرناک کام نہیں کروں گا اور ابھی میں چھوٹا ہوں، یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد ان شاء اللہ بہتر ہو گا۔

ماں نے غصے اور تیز لہجے میں جواب دیا: میں تمہاری شادی کروں گی، تو میں تمہاری شادی کروں گی۔ اور کیوں فارغ التحصیل ہونے کے بعد؟ میرے پاس تقریباً دو ہزار دینار ہیں جو تمہاری شادی کے لیے کافی ہیں۔

ابراہیم نے کہا: ”چچی......“ مگر ماں نے کاٹتے ہوئے کہا: خاموش! معاملہ ختم ہو گیا ہے، تمہاری شادی ہو گی تو ہو گی! اب اہم بات یہ ہے کہ تم کس سے شادی کرو گے؟ مجھے بتاؤ، میں باقی سب سنبھال لوں گی اور اس معاملے پر بحث نہ کرو۔

ابراہیم نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ یہ وقت اس بات کے لیے مناسب نہیں ہے، ابھی یہ بہت جلدی ہے۔

ماں نے پوچھا: کیا کوئی خاص لڑکی ہے جسے تم چاہتے ہو؟

ابراہیم نے حیرانی سے کہا: نہیں، میں نے اس بارے میں کبھی نہیں سوچا۔

ماں چائے کی ٹرے اٹھاتے ہوئے کھڑی ہو گئی. میں نے موقع جانا کہ اس کی رائے کو ایک حساس موضوع پر جانچوں: کیا تم حقیقت میں شادی نہیں کرنا چاہتے؟

ابراہیم نے کہا: یہ بات میرے ذہن میں اس وقت تک نہیں آئی جب تک تمہاری ماں کمرے میں نہیں آئیں، اور میں نے پہلے کبھی اس بارے میں سوچا بھی نہیں۔

میں نے پوچھا: اور اب؟

ابراہیم نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ یہ وقت اس بات کے لیے مناسب نہیں ہے، ابھی یہ بہت جلدی ہے۔

میں نے پوچھا: کیا کوئی خاص لڑکی ہے جسے تم چاہتے ہو؟

ابراہیم نے حیرانی سے کہا: نہیں، میں نے اس بارے میں کبھی نہیں سوچا۔

میں نے کہا: یعنی کیا تمہیں سچ میں کوئی لڑکی پسند نہیں ہے؟

ابراہیم نے مزید حیرانی سے کہا: پسند؟ تم کس کی بات کر رہے ہو؟

میں نے کہا: یعنی تم کہنا چاہتے ہو کہ تمہیں کبھی محبت نہیں ہوئی؟

ابراہیم نے کہا: اور کس نے کہا کہ مجھے محبت ہوئی ہے کہ میں اس کی نفی کروں۔

میں نے پوچھا: اور تمہیں کبھیمحبت نہیں ہوئی؟

ابراہیم نے کہا: کیا تم سچ سننا چاہتے ہو؟

میں نے کہا: ہاں۔

ابراہیم نے کہا: یہ ایک پیچیدہ اور طویل موضوع ہے، تقریباً پانچ سال پہلے میں نے ایک لڑکی کو دیکھا اور مجھے محسوس ہوا کہ میں اسے پسند کرتا ہوں، میں نے اس کے آنے جانے پر نظر رکھنا شروع کر دیا اور مجھے محسوس ہوا کہ میں اسے پسند کرتا ہوں اور وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے۔ بات اس سے آگے نہ بڑھی لیکن جب میں نے نماز پڑھنی شروع کی اور مسجد جانے کی پابندی کی تو مجھے سمجھ آیا کہ ایسے تعلقات ممنوع ہیں جب تک کہ شادی کا سنجیدہ ارادہ نہ ہو۔ تو میں نے اس کے راستے میں کھڑے ہونے اور اس پر نظر رکھنے سے باز آ گیا، لیکن مجھے محسوس ہوا کہ میرا دل اب بھی اس سے لگا ہوا ہے اور اسے پسند کرتا ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ اس میں کوئی مذہبی حرج ہے۔ لیکن حسن کی واپسی اور کیمپ میں اس کے قیام کے بعد اور جو مصائب اس نے ڈھائے اور زندگی میں سیاسی سرگرمیوں میں میری شمولیت اور یہ احساس کہ میں اس ملک اور اس کے مقدسات کے قومی مسائل کا حصہ بن گیا ہوں، تو میں نے تھوڑی دیر سوچا اور فیصلہ کیا کہ مجھے محبت کے بارے میں سوچنا بھی بند کرنا چاہیے، بس سوچنا بھی۔ لگتا ہے احمد کہ ہمیں اس احساس سے بھی محروم رہنا پڑے گا، احساس سے بھی۔

وہ اپنی روح کی گہرائیوں سے بات کر رہا تھا، جیسے درد کے بعد ایک نئی زندگی کی پیدائش ہو رہی ہو۔ میں نے پوچھا: کیا تمہیں نہیں لگتا کہ تم کچھ زیادہ ہی بڑھا چڑھا کر بول رہے ہو؟ میرے علم کے مطابق انقلابی، عاشق اور ادیب ہوتے ہیں۔ وہ ہنس کر بولا، یہ صحیح ہے، یہ صحیح ہے احمد۔ لیکن ہمارے یہاں نہیں۔ فلسطینی قوم میں یہ صحیح نہیں، یہ ویتنام، کیوبا، اور چین کی عوام میں صحیح ہو گا، لیکن ہمارے نصیب میں صرف ایک ہی محبت ہے، اس زمین کی

محبت، اس کے مقدسات، اس کی مٹی، اس کی ہوا، اور اس کے سنتروں کی محبت۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ زمین کسی بھی مدمقابل کو اپنے عاشقوں کے دل میں جگہ دینے سے انکار کرتی ہے۔

میں ہنس کر بولا: سچ کہوں، تم میں تینوں چیزیں موجود ہیں، انقلابی، عاشق، اور شاعر۔ تمہاری یہ بات تو شاعری کی ایک تصویر ہے، جو تمہاری غیرت مند محبوبہ کے بارے میں ہے۔ لیکن مجھے نہیں لگتا کہ یہ کسی لڑکی سے محبت کے خلاف ہے، کیونکہ ان سے محبت بھی وطن سے محبت کا ہی حصہ ہے۔ وہ آہ بھرتے ہوئے بولا: احمد، کیا تم سچائی سننا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، صرف سچائی! اس نے کہا: جیسے کہ اس ملک کے مقولہ میں کہا گیا ہے، ”ولاد الحرام لم يتركوا لأولاد الحلال شيء“ احمد! قبضے نے ہماری ہر چیز کو آلودہ کر دیا ہے، ہماری زمین، ہمارا سکون، ہمارا سمندر، ہماری گلیاں، اور ہماری روحوں کو بھی آلودہ کر دیا ہے۔ احمد! کتنی کہانیاں سنی ہیں جو اس ملک میں شدید محبت سے شروع ہوئی اور قبضے نے ان عاشقوں کی پیٹھ پر کوڑے کی طرح بن کر ان کو جلایا؟ احمد! جب یہ پاکیزہ رشتہ غداروں کے ہاتھ میں آجاتا ہے تو یہ عاشقوں پر دباؤ ڈالنے کے لیے استعمال ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی پہلی محبوبہ، 'القدس' سے غداری کریں۔ کیا ہماری زندگی میں محبت اور عشق کے لیے کوئی جگہ باقی رہتی ہے؟ میں نے کہا۔ مجھے یقین ہے کہ تم مبالغہ کر رہے ہو اور تم اپنے مذہبی تصورات اور شریعت کے احکام کو قابضین اور ان کے غداروں کی حرکات کے ساتھ ملا کر ایک بھاری اور تیز مرکب بنا رہے ہو۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا: کس نے کہا کہ مذہبی تصورات کو زندگی کی حقیقتوں اور ان کے معاملات سے الگ کیا جا سکتا ہے؟ احمد، میں نے یہ رشتہ اب توڑنے کا فیصلہ کیا ہے، جب کہ میں نے پورے دل و جان سے ایک لڑکی سے محبت کی تھی، حالانکہ میرے تعلقات اس کے ساتھ جائز اور پاکیزہ تھے۔ یہاں تک کہ ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ میں نے اس سے اپنی روح کی گہرائیوں سے محبت کی اور جب اس شدت اور تیز خیالات نے مجھ پر زور ڈالا، میں نے اپنے آپ سے سوال کیا: کیا میں واقعی اسے محبت کرتا ہوں؟ اور میں نے اپنے آپ کو پورے یقین کے ساتھ جواب دیا۔ تب میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اگر تمہاری محبت سچی ہے تو ہماری فلسطینی زندگی کی پابندیوں میں تمہیں محبت میں قربانی دینی ہوگی، ہر اس چیز کو چھوڑ دینا ہوگا جو فساد اور برائی کے دروازے کھول سکتی ہے۔ جو محبوب کی تصویر یا اس کی ساکھ کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اور یہاں تک کہ اس ہوا کو بھی روکنا ہوگا جو محبوب کے چہرے کو چھو سکتی ہے یا اس کے بالوں کو چھیڑ سکتی ہے۔ ہم اوروں کی طرح نہیں ہیں، احمد! ہم اوروں کی طرح نہیں ہیں۔ ”شب بخیر“ کہہ کر وہ اپنے بستر میں لیٹ گیا اور میں نے جواب دیا: ”اور تمہیں بھی شب بخیر“۔ اور میں نے اپنے بستر پر لیٹ کر اس کی کہی ہوئی ہر بات کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا اور پوچھنے لگا کہ کیا وہ واقعی بڑھا چڑھا کر بول رہا ہے یا ہم واقعی اوروں کی طرح نہیں ہیں؟ ہماری کہانی آئرلینڈ والوں یا ریڈ انڈینز[1] کی کہانی نہیں ہے، یہ ایک فلسطینی کہانی ہے جس کی جڑوں میں مسجد اقصیٰ کا معاملہ ہے۔

اگلے دن جب میں مسجد سے گھر واپس جا رہا تھا تو میری نظر دیوار پر کچھ نئی نشانیوں پر پڑی، جو بالکل ویسی ہی تھیں جیسے وہ خفیہ پولیس افسر لکھ رہا تھا اور جن کا ہم نے رمز توڑا تھا۔ میں گھر واپس آیا اور ابراہیم کے آنے کا انتظار کیا، اور اسے اس بات سے آگاہ کیا۔ وہ فوراً باہر نکلا تاکہ لکھی ہوئی تفصیلات کو لے آئے۔ اور پھر واپس آیا، ہمارے پچھلے تجزیوں کے مطابق اس رمز میں مقررہ ملاقات کا وقت ایک ہفتے بعد تھا۔ میں نے ابراہیم سے پوچھا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: یہ کسی نامعلوم ایجنٹ کا اشارہ ہے، جو خطرناک ہے کیونکہ وہ نامعلوم ہے۔ ہمیں اسے جاننا ہوگا۔ میں نے پوچھا: کیسے؟ اس نے کہا: مجھے معاملات ترتیب دینے دو، ابھی ہمارے پاس ایک ہفتہ ہے۔ اشارے میں ملاقات کا وقت رات کے ۸ بجے بتایا گیا تھا۔

مقررہ دن کی صبح سے ہی ابراہیم نے مجھ سے کہا: آج تیار رہو، ہم ایجنٹ کو جاننے کی کوشش کریں گے۔ شام ۶ بجے میں تمہیں مسجد میں ملوں گا۔ میں مقررہ وقت پر مسجد میں اس کا انتظار کرنے لگا۔ وہ آیا اور مجھے گاڑی میں بٹھا کر کیمپ سے اور پھر غزہ شہر سے باہر شمال کی طرف لے گیا۔ پھر ایک فرعی سڑک پر مڑا جو کچھ بستیوں کی طرف جا رہی تھی، اور سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی جھاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: کیا تم یہ جھاڑی دیکھ سکتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: ایک گھنٹے بعد اندھیرا ہو جائے گا، اور جو جھاڑی کے پیچھے گھات لگائے گا اسے کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ اور وہ سڑک پر گزرنے والے ہر شخص کو دیکھ سکے گا، خاص طور پر بجلی کے کھمبے کے نیچے۔ میں نے کہا: صحیح ہے! اس نے کہا: جب اندھیرا ہو جائے گا، میں تمہیں یہاں چھوڑ دوں گا۔ چپکے سے جاؤ اور ماحول کا جائزہ لو۔ اگر حالات سازگار ہوں تو جھاڑی کے پیچھے چھپ جاؤ۔ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں گا۔ اگر تم چھپ نہ سکے تو میں تمہیں لینے آ جاؤں گا۔ اگر تم اچھی طرح چھپ گئے تو سڑک کو اچھی طرح دیکھو اور جاننے کی کوشش کرو کہ یہاں کون آئے گا اور کیا ہوگا۔ وہاں چھپے رہو جب تک میں آ کر تمہیں لے نہ جاؤں۔ میں نے پوچھا: تمہیں کیسے یقین ہے کہ جس کے لیے اشارہ دیا گیا ہے وہ یہاں آئے گا نہ کہ دنیا کے کسی اور مقام پر؟ وہ ہنس کر بولا: کیا تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے؟ معاملات کو میرے ہاتھ میں چھوڑ دو احمد! مقررہ وقت پر وہ مجھے واپس لے آیا اور گاڑی سے اتار دیا۔ میں نے ماحول کا جائزہ لیا، حالات سازگار تھے کیونکہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ تو میں جھاڑی کے پیچھے چھپ گیا۔ گھڑی کی سوئیاں حرکت کرنے سے انکاری تھیں، ہر منٹ ایک صدی کی طرح لگ رہا تھا، آٹھ بجے کا وقت قریب آ رہا تھا، ایک منٹ، دو منٹ، تین منٹ اور کچھ نہیں ہو رہا تھا۔

میں نے سوچا کہ شاید ہم خود کو دھوکہ دے رہے ہیں اور خود کو ہوشیار سمجھ رہے ہیں، اور یہ کہ وہ اتنے آسان نہیں ہیں۔ شاید میں نے ابراہیم پر زیادہ بھروسہ کیا ہے۔ ان خیالات سے مجھے ایک گاڑی کے رکنے کی آواز نے نکال دیا، جو سڑک پر کچھ دور رک گئی تھی۔ ایک شخص

---

[1] ”ریڈ انڈینز“ ایک پرانی اور متروک اصطلاح ہے جو یورپی نوآبادیاتی دور میں امریکہ کے مقامی لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی اور، یہ اصطلاح آج کل غیر مناسب اور توہین آمیز سمجھی جاتی ہے۔ اس کے بجائے، "Native Americans" (مقامی امریکی) یا "Indigenous Peoples" (مقامی لوگ) جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جو ان قبائل اور قوموں کے لیے زیادہ احترام اور مناسبت رکھتے ہیں۔

گاڑی کے دروازے کو کھولتا ہے اور باہر نکل کر دروازہ بند کرتا ہے، اور گاڑی اپنی راہ پر چل پڑتی ہے، میں نے یقین کر لیا کہ یہ ایک عمومی ٹیکسی تھی۔

یہ شخص میری طرف فرعی راستے پر بڑھنے لگا۔ میں نے غور سے دیکھا اور میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں اور مجھے ڈر تھا کہ یہ شخص انہیں سن لے گا۔ میں نے اپنی آنکھیں ملیں تاکہ چوکنا ہو جاؤں اور اسے اچھی طرح دیکھ سکوں۔ جب وہ روشنی کے نیچے دس میٹر کے فاصلے پر پہنچا تو میں نے اسے دیکھا۔ میں تقریباً چیخنے والا تھا، میری روح میرے جسم سے نکلنے والی تھی اور میری سانس رک گئی، کیونکہ یہ ''فائز'' تھا، ابراہیم کے قریبی دوستوں میں سے ایک اور ایک کارکن۔ میں نے دل میں سوچا شاید وہ بھی ابراہیم کے کہنے پر نگرانی کرنے آیا ہے، اس سے پہلے کہ میں اس خیال کو پلٹتا، ایک تیز رفتار کار آئی اور فرعی راستے پر مڑی اور رک گئی۔ اس کا پچھلا دروازہ کھلا، فائز اس میں بیٹھ گیا اور کار چل دی۔ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ یہ علاقے کے خفیہ افسر ''ابو ودیع'' کی کار تھی، اور مجھے تقریباً ۹۰ فیصد یقین تھا کہ ''ابو ودیع'' کار میں تھا۔

خیالات نے مجھے الجھا دیا، کیا میں خواب میں ہوں؟ کیا یہ حقیقت ہے؟ کیا یہ کوئی جاسوسی فلم ہے؟ ابراہیم کو کیا بتاؤں؟ کیا اسے سچ بتاؤں؟ کیا اسے یہ بتاؤں کہ کچھ نہیں ہوا؟ خیالات اور سوالات نے مجھے چیر دیا یہاں تک کہ ابراہیم کی کار آئی۔ جب وہ قریب آیا تو میں نے جگہ کا جائزہ لیا، وہ خالی تھی، میں درخت کے پیچھے سے نکلا، اس کے ساتھ بیٹھا اور اس نے کار کو موڑ کر راستے سے باہر نکالا اور پوچھنے لگا: یہاں کچھ ہوا؟ کیا تم نے کسی کو دیکھا؟ کیا خفیہ افسر آیا اور میں جواب نہ دے سکا۔

اس نے محسوس کیا کہ میں غیر معمولی حالت میں ہوں۔ اس نے پوچھا: کیا ہوا، تمہیں کیا ہوا؟ میں نے کہا: تم یقین نہیں کرو گے کہ کیا ہوا۔ اس نے بے تابی سے پوچھا: کیا ہوا؟ میں نے کہا: وہ شخص آیا اور ابو ودیع آیا اور اسے گاڑی میں لے گیا، اس نے چیخ کر کہا: سچ؟ کون شخص؟ میں نے کہا: یہی مسئلہ ہے، اس نے کہا: کون سا مسئلہ؟ کون شخص؟ میں نے کہا: فائز! اس نے کہا: فائز! کون؟ میں نے کہا: تمہارا دوست؟ اس نے چیخ کر کہا: تم کیا کہہ رہے ہو؟ کوئی اور نہیں؟ میں نے کہا: ہاں، وہی! میں نے اپنی ان دونوں آنکھوں سے اسے سو فیصد دیکھا، کوئی شک نہیں! اس نے کہا: ابو ودیع آیا اور اسے لے گیا؟ میں نے کہا: ہاں، ابو ودیع اپنی کار سے آیا، اس کے پاس روکی، دروازہ کھولا اور وہ بیٹھ گیا۔ اور کار بستیوں کی طرف چل دی۔ ابراہیم نے راستے کے کنارے پر گاڑی موڑ دی اور اس کی رفتار کم کی یہاں تک کہ اس نے گاڑی روک دی، ہینڈ بریک کھینچی، اور گاڑی بند کر دی اور اپنا سر گاڑی کے اسٹیئرنگ پر رکھ دیا، اور کہا: یا اللہ، یہاں کیا ہو رہا ہے؟ میں یقین نہیں کر سکتا، یہ ناقابل یقین ہے، یہ ممکن نہیں، یہ ممکن نہیں، اور اسے سینکڑوں بار دہرایا۔ میں نے کہا: کیوں ممکن نہیں؟ یہ سچ ہے کہ وہ نہیں جانتا...... اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا: یا اللہ، لگتا ہے کہ میں نے اپنا دماغ کھو دیا ہے، چلو گھر چلتے ہیں۔ میں اس کی جگہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا، اور بغیر کسی لفظ کے گھر کی جانب چل دیا۔ جب ہم گھر کے قریب پہنچے، اس نے مجھ سے کہا کہ شیخ احمد کے گھر کی طرف جاؤ، اور پہنچنے سے پہلے اس نے مجھ سے رکنے اور شیخ کے گھر سے دور انتظار کرنے کا کہا، جب تک کہ وہ واپس نہ آئے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ واپس آیا، میرے ساتھ بیٹھا اور ہم گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہم میں سے کسی نے ایک بھی لفظ نہیں کہا۔ میری بہن مریم نے ہمیں رات کا کھانا پیش کیا، لیکن اس نے بمشکل چند نوالے ہی کھائے۔ ہم نے چائے پی اور ہر ایک نے اپنی کتاب پکڑی، اس کی طرف دیکھتا رہا لیکن نظریں حروف کو دیکھ نہیں پا رہی تھیں۔

ایک گھنٹے بعد اس نے میری طرف دیکھا اور کہا: احمد، میں جانتا ہوں کہ تمہیں یاد دہانی کی ضرورت نہیں، لیکن پھر بھی یاد دلانا ضروری ہے۔ یہ موضوع بند ہے اور کسی کو نہیں بتانا۔ میں نے کہا: بلاشبہ! اس نے کہا: ہم ابھی تک یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ سب محض اتفاق کا مجموعہ نہیں ہے، ہمیں چیزوں کی تحقیقات کرنی ہوں گی تاکہ سو فیصد یقین ہو سکے۔ میں نے کہا: ایسا ہی ہے، لیکن کیسے؟ اس نے کہا: دیکھیں گے، دیکھیں گے، شب بخیر۔ اور اس نے اپنے اوپر کمبل کھینچ لیا، پھر مڑ کر کہا: اگر تم اس سے ملو تو اسے تمہارے رویے میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے کہا: ''ایسا ہی ہو گا''۔ ہم میں سے ہر ایک نے اپنا کمبل کھینچا اور اپنا سر تکیے پر رکھا، مجھے نہیں معلوم کہ ہم کتنے گھنٹے اپنے بستر میں کروٹیں بدلتے رہے، جیسے ہمارے بستر انگاروں سے بھرے ہوں۔

جب ہم فجر کی نماز کے لیے اٹھے تو اس نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی اور کہا: کیا ہمارے جیسے لوگوں کے لیے جو ایسی زندگی گزار رہے ہیں اور جو کچھ دیکھ رہے ہیں، محبت کرنا اور عشق کرنا جائز ہے احمد؟ تب میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنی محبت کی کہانی ختم کر دوں گا، اگر اسے محبت کی کہانی کہنا مناسب ہو۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ ہماری کہانی ایک تلخ فلسطینی کہانی ہے جس میں ایک سے زیادہ محبت کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: معرکے ہیں تیز تر

- **۱۸ مارچ ۲۰۲۶ء:** اتحاد المجاہدین پاکستان کے مجاہدین نے گلگت بلتستان میں ضلع دیامر کے علاقے داریل میں واقع فوجی بیس پر تعارضی حملہ کیا۔ اس کارروائی کا آغاز رات کے ساڑھے بارہ بجے سے ہوا اور سوا دو بجے تک جاری رہا۔ اطلاعات کے مطابق اس کارروائی میں ۴ فوجی اہلکار ہلاک ہوئے جبکہ مزید جانی نقصان کا بھی قوی امکان ہے۔
- **۱۹ مارچ ۲۰۲۶ء:** اتحاد المجاہدین پاکستان کے مجاہدین نے شمالی وزیرستان کی تحصیل دتہ خیل میں ''جالیٹون چوکی'' کے قریب فوج کی ایک گاڑی کو بارودی سرنگ سے نشانہ بنایا، جس کے نتیجے میں گاڑی مکمل طور پر تباہ ہوئی اور اس میں سوار ۱۰ فوجی اہلکار ہلاک و زخمی ہوئے۔

☆☆☆☆☆

سری لنکا کا امریکی جنگی طیاروں کو زمینی رسائی دینے سے انکار

غیرت زدہ تو ڈوب گیا ایک ہی بوند میں
بے غیرتوں کو کوئی سمندر نہیں ملا

سری لنکن صدر انُورا کمارا ڈسانائیکے نے ایک بیان میں انکشاف کیا ہے کہ ۲۶ فروری کو، جب ایران کے خلاف امریکہ اور اسرائیل کی جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی تھی، امریکہ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنے میزائلوں سے مسلح جنگی طیاروں میں سے دو اس جنوبی ایشیائی ملک کے جنوب میں ایک شہری ہوائی اڈے پر تعینات کرنا چاہتا تھا۔

صدر ڈسانائیکے نے کولمبو میں ملکی پارلیمان کو بتایا کہ امریکی محکمہ دفاع جبوتی میں ایک ایئر بیس سے نکال کر ایسے دو امریکی جنگی طیارے سری لنکا کے شہری مقاصد کے لیے استعمال ہونے والے متالا انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر تعینات کرنا چاہتا تھا۔ سری لنکا نے ان جنگی طیاروں کو اپنے ہاں زمینی رسائی دینے یا ان کی اپنی سرزمین پر تعیناتی کی اجازت دینے سے اس لیے انکار کر دیا تھا کہ سری لنکا اپنی غیر جانبداری قائم رکھنا چاہتا تھا۔ امریکی درخواست اس لیے مسترد کر دی گئی تھی کہ یہ ملک نہیں چاہتا تھا کہ اس کی سرزمین کو کسی ایسے عسکری مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے، جن کے نتیجے میں تنازعے کے فریقین میں سے کسی ایک کو بھی کوئی فائدہ یا نقصان ہو۔ بحر ہند میں واقع یہ جزیرہ ایران کے خلاف امریکہ اور اسرائیل کی جنگ سے نہ چاہتے ہوئے بھی اس وقت کسی حد تک متاثر ہوا جب اسی مہینے ایک امریکی آبدوز نے ایک ایرانی جنگی بحری جہاز کو سری لنکا کے ساحلوں کے پاس تارپیڈو سے تباہ کر دیا تھا۔ عام طور پر حکومت پاکستان کی جانب سے امریکی مفادات کے تحفظ کے لیے جتنے بھی متنازع فیصلے کیے گئے ان کے جواز میں پاکستان کی معاشی مجبوریوں کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اور یہاں ایک ایسا ملک امریکہ کو انکار کر رہا ہے جس کی معاشی حالت پاکستان سے قدرے زیادہ خراب رہی ہے۔ سری لنکا نے ۲۰۲۲ء میں ڈیفالٹ کیا جبکہ پاکستان آئی ایم ایف پروگرام کے ذریعے ڈیفالٹ سے بچتا آ رہا ہے۔ دونوں ممالک جڑواں خسارے (بجٹ اور کرنٹ اکاؤنٹ) کی وجہ سے سنگین معاشی چیلنجز سے دوچار ہیں۔ سری لنکا اپنی تاریخ کے بدترین معاشی بحران کے بعد ۲۰۲۲ء میں ۵۱ ارب ڈالر کے بیرونی قرضوں پر سود ادا نہ کر سکا تھا اور ڈیفالٹ کر گیا۔ پاکستان کی طرح سری لنکا کو بھی غیر ملکی زرمبادلہ کے ذخائر میں کمی، کرنسی کی قدر میں کمی اور پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے جیسے مشترکہ مسائل کا سامنا ہے۔ لیکن ان تمام زمینی حقائق اور مشکلات کے باوجود سری لنکا جیسی کمزور ریاست نے قومی مفاد کے منافی فیصلے سے خود کو بچا لیا۔

اسرائیل کو تیل فراہم کرنے والی بی ٹی سی پائپ لائن خطرے میں

وروزان گیغامیان کے مطابق، ترکی اور آذربائیجان اس وقت ایک ایسے منظر نامے پر تبادلہ خیال کر رہے ہیں جس میں ایران کے خلاف جنگ پھیلنے کی صورت میں نہ صرف خلیج فارس کے ممالک کے توانائی کا بنیادی ڈھانچہ بلکہ باکو، تبلیسی، سیہان آئل پائپ لائن بھی خطرے کی زد میں ہو گی۔ یہ پائپ لائن اسرائیل کو تیل فراہم کرتی ہے اور آذربائیجان اور ترکی کی علاقائی حکمت عملی کے لیے اہم ہے۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ ترکی حال ہی میں امریکہ ایران کشیدگی کو کم کرنے اور دشمنی ختم کرنے کے لیے مسلسل کوششیں کر رہا ہے۔ دوسری جانب آذربائیجان اس حقیقت کو چھپانے کے لیے سرکاری اعداد و شمار کو غلط ثابت کر رہا ہے کہ وہ اسرائیلی تیل کا تقریباً ۴۵ فیصد سپلائی کرتا ہے۔ اسرائیل کو آذربائیجان کے تیل کی برآمدات کے لیے پانچ اہم مقامات میں سے ایک کے طور پر درج کیا گیا ہے (تقریباً ۵-۱۰٪ تمام برآمدات) تاہم، ۲۰۲۵ء میں، ”اسرائیل لائن آئٹم“ شائع شدہ برآمدی ڈیٹا سے غائب ہو گیا تھا۔ اسرائیل کو سپلائی کیے جانے والے تیل کے اعداد و شمار ڈیٹا میں غائب ہیں، حالانکہ ۲۰۲۲ء کے بعد سے اس کی مقدار میں اضافہ ہوا ہے۔ اسرائیل میں آنے والے تیل کو اب ترکی کو برآمد ہونے والے تیل کے طور پر ”ری لیبل“ کیا جاتا ہے۔ آذربائیجانی حکام کا دعویٰ ہے کہ وہ سیہان کی بندرگاہ سے آذربائیجانی تیل کی منزل کی کوئی ذمہ داری نہیں لیتے۔ مبصرین کے نزدیک یہ شماریاتی دھوکہ معلومات اور پروپیگنڈے کے مقاصد کے لیے تو کام کر سکتا ہے، لیکن جنگی نقطہ نگاہ سے بہرحال یہ پائپ لائن خطرے میں رہے گی۔

فلسطینیوں کو مغربی کنارے سے اردن دھکیلنے کا منصوبہ

الجزیرہ کی ایک رپورٹ میں محمد منصور لکھتے ہیں کہ اسرائیل کے حالیہ زمین رجسٹری قوانین اور مغربی کنارے (ویسٹ بینک) میں فوجی کارروائیوں سے فلسطینیوں کی ”خاموش منتقلی“ (silent transfer) کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ یہ اقدامات دراصل اردن کو فلسطینیوں کا ”متبادل وطن“ بنانے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اردن میں یہ بات کبھی سازشی نظریہ سمجھی جاتی تھی، لیکن اب یہ حقیقت بنتی جا رہی ہے۔ اسرائیلی کابینہ نے مغربی کنارے کے بڑے علاقوں کو ”اسرائیلی ریاست کی زمین“ قرار دے کر رجسٹر کرنے کی منظوری دے دی ہے۔ یہ کام اب فوجی انتظامیہ کے بجائے براہ راست وزارتِ انصاف کے ذریعے ہو گا۔ اسرائیلی وزیر خزانہ بزالیل سموٹریچ نے اسے ”بستیوں کا انقلاب“ قرار دیا ہے۔ فوجی آپریشن ”آئرن وال“ کے تحت جنین اور طولکرم کے پناہ گزین کیمپوں کو کچلا جا رہا ہے۔ ایک نئے اسرائیلی فوجی بریگیڈ کا نام ”گیلیڈ بریگیڈ“ رکھا گیا ہے، جو اردن کے قریب علاقے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ان اقدامات کا مقصد مغربی کنارے میں زندگی ناقابلِ برداشت بنا کر فلسطینیوں کو آہستہ آہستہ اردن کی طرف دھکیلنا ہے۔ اردن اور عثمانی دور کے پرانے رجسٹری ریکارڈز کو مٹا کر فلسطینی جائیدادوں کے قانونی تحفظ کو ختم کیا جا رہا ہے۔ اردن کے سابق نائب وزیر اعظم ممدوح العبادی نے خبردار کیا کہ سموٹریچ کا نظریہ اب صرف ایک شخص کا نہیں بلکہ اسرائیلی ریاست کا سرکاری عقیدہ بن چکا

ہے۔ اگر ہم نہ جاگے تو حکمتِ عملی 'ہم یا وہ' کی ہو گی۔ کوئی تیسرا راستہ نہیں۔ ریٹائرڈ میجر جنرل مامون ابو نوار نے کہا کہ یہ "غیر اعلانیہ جنگ" ہے۔ انہوں نے تجویز دی کہ اردن، وادیٔ اردن (Jordan Valley) کو فوجی زون قرار دے تاکہ نقلِ مکانی روکی جا سکے۔ ان کے بقول اردن کی "دوسری فوج" قبائل اور خاندان ہیں جو اس صورتحال کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اردن کے ماہرین اور سابق حکام اب سخت اقدامات کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ۳۵ سال بعد لازمی فوجی بھرتی (Flag Service) دوبارہ شروع کی جائے۔ تمام شہریوں کو ہتھیار اٹھانے کی تربیت دی جائے۔ بچوں کو عبرانی زبان سکھائی جائے تاکہ "دشمن کی زبان جاننے والا ان کے شر سے محفوظ رہے"۔ کنگ حسین برج (اللنبی برج) پر سخت نگرانی اور اگر ضرورت پڑی تو فوری بند کر دیا جائے۔ الجزیرہ کے مصنف محمد منصور نے اس رپورٹ میں صرف اردنی حکومت کے خدشات کو مدنظر رکھتے ہوئے باتیں لکھیں جو اگرچہ تکنیکی اعتبار سے درست تو معلوم ہوتی ہیں لیکن اس میں اردنی ریاست کے مفاد کو اس حد تک اہمیت دینا کہ فلسطینیوں کی جانب سے اردن میں داخلے کے امکانات ہی معدوم ہو جائیں تو ایسے میں اردنی حکومت کا کردار بھی اسرائیل کی مانند ظالمانہ ہو گا۔ مکرر عرض ہے کہ فلسطینیوں کی مغربی کنارے سے بے دخلی اسرائیل کا ظالمانہ و غاصبانہ منصوبہ ہے مگر اردن کا فلسطینیوں کے لیے اردن میں داخلے کے راستے محدود کرنا اتنا ہی مکروہ فعل ہو گا اگرچہ وہ اسے اسرائیل سے حفاظت کا لیبل لگائے۔

بھارت نے میزائل سسٹم اور طیاروں کی خریداری کے لیے ۲۵ ارب ڈالر کی منظوری دے دی

بھارت نے اپنے دفاع کو مضبوط بنانے کے لیے ٹرانسپورٹ طیاروں، روسی ساختہ دفاعی میزائل سسٹم ایس ۴۰۰ اور بغیر پائلٹ کے حملے کرنے والے طیاروں کی خریداری کے لیے ۲۵ ارب ڈالر کی منظوری دے دی ہے۔

بھارت کی وزارت دفاع کے مطابق دفاعی خریداری کے لیے ۲۵ ارب ڈالر کی اس منظوری میں ٹینک کا گولا بارود، گن سسٹمز اور فوج کے لیے فضائی نگرانی کا نظام، بھارتی فضائیہ کے زیرِ استعمال سوخوئی ۳۰ کی صلاحیت بڑھانے اور کوسٹ گارڈ کے لیے ہوور کرافٹ کی خریداری شامل ہے۔ اس کے علاوہ روس کی کمپنی جے ایس سی روسوبورون سے ٹونگوسکا فضائی دفاعی نظام کے حصول کے لیے ۴ کروڑ ۷۰ لاکھ ڈالر کے الگ معاہدے پر دستخط کیے گئے ہیں۔ بھارت نے مجموعی طور پر ۷۱ ارب ڈالر مالیت کے ۵۵ منصوبوں کی منظوری دی ہے اور ۳۱ مارچ کو ختم ہونے والی مالی سال کے دوران مزید ۲ء۲۸ ٹریلین بھارتی روپے کی مالیت کے دیگر ۵۰۳ معاہدوں پر بھی دستخط کیے گئے ہیں اور یہ اعداد و شمار ایک مالی سال کے دوران اب تک کی بلند ترین سطح ہے۔

بھارت نے گزشتہ ماہ اپنی فضائیہ کے لیے فرانسیسی ساختہ رافیل طیاروں اور بحریہ کے لیے بوئنگ پی ۸۱ کی خریداری کے لیے ۴۰ ارب ڈالر کی رقم کی منظوری دے دی تھی۔ اسٹاک ہام انٹرنیشنل پیس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی دستاویزات کے مطابق بھارت دفاع کے لیے دنیا میں سب سے زیادہ اخراجات کرنے والے ممالک میں پانچویں نمبر پر ہے اور سب سے زیادہ اسلحہ خریدنے والے ممالک میں یوکرین کے بعد دوسرے نمبر پر ہے، جبکہ یوکرین جنگ سے قبل پہلے نمبر پر تھا۔ بھارت حالیہ برسوں میں بیرونی شراکت داروں کے ساتھ اور اپنے طور پر بندوقوں اور ڈرونز سے لے کر جنگی طیاروں اور آبدوزوں تک مقامی سطح پر تیار کرنے پر زور دے رہا ہے۔ ۲۰۲۶-۲۷ء کے لیے مختص کل دفاعی بجٹ ۸۶ بلین ڈالر رہے، جو دفاع کے لیے بڑے پیمانے پر عزم کو ظاہر کرتا ہے۔ خطے کی صورتحال پر نظر رکھنے والے بیشتر دفاعی تجزیہ نگاروں کی رائے میں بھارت کے بڑھتے دفاعی بجٹ کا اصل سبب چین ہے۔ جبکہ پاکستان کو بھارتی حکومت ایک manageable سکیورٹی مسئلے کے طور پر دیکھتی ہے۔ لیکن پھر بھی اس بات کے امکان موجود ہیں کہ بھارت میں کسی حملے کے سبب پاکستان بھارتی سرکار کی نظر میں ترجیحی مسئلہ بن جائے۔

کراچی سے خواتین کے قیمتی ملبوسات تیار کرنے والے کارخانے کی کابل منتقلی

افغان نیوز ایجنسی پژواک کی رپورٹ میں دکھایا گیا ہے کہ کابل میں خواتین کے قیمتی ملبوسات کی ایک فیکٹری میں درجنوں ایسے افراد کام کرتے ہیں جو حال ہی میں پاکستان سے اپنے ملک واپس آئے ہیں۔ اس فیکٹری نے، جو پہلے کراچی میں آپریشنل تھی، اب اپنا مکمل سیٹ اپ کابل منتقل کر دیا ہے۔ فیکٹری کے انچارج کا کہنا ہے کہ امید ہے کہ کراچی میں اس شعبے سے وابستہ افغان تاجر مستقبل قریب میں افغانستان واپس آجائیں گے اور یہاں اپنی سرمایہ کاری جاری رکھیں گے۔

یہ بھی واضح رہے کہ گزشتہ دو دہائیوں میں پاکستان سے بڑی تعداد میں کارخانے، فیکٹریاں اور ٹیکسٹائل ملز بند بھی ہوئی ہیں اور بڑی تعداد میں بنگلہ دیش شفٹ ہوئی ہیں۔ بنیادی وجہ بجلی و گیس کی بڑھتی قیمتیں، اور سہولیات کا فقدان ہے جس نے پیداواری لاگت کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ مصنوعات نہ ہی ملکی سطح پر مقابلہ کر سکتی ہیں نہ ہی عالمی منڈی میں۔ ماہر معاشیات قیصر بنگالی اس صورتحال کی ایک توجیح یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ پاکستان میں فوجی کمپنیوں کو جو مواقع میسر ہیں اس کے سبب عام سویلین صنعتکاروں کے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اس کا مقابلہ کر سکیں اور یہ حال ہر اس شعبے کا ہے جہاں فوج کی تجارتی کمپنیاں مقابلے پر موجود ہیں۔ پاکستان میں مقامی سرمایہ کاروں اور صنعت کاروں کے لیے ان مسائل کے ساتھ ایک اور سنگین مسئلہ بھتہ خور گروہوں کا بھی ہے جن کے متعلق اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ ان کی سرپرستی خفیہ اداروں کی جانب سے کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ ویسے تو سارا سال ہی چلتا ہے لیکن الیکشن سے قبل اس میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک طرف خفیہ ادارے الیکشن کو 'مینج' کرنے اور مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لیے سیاستدانوں، صحافیوں اور میڈیا لابنگ پر بے تحاشا پیسہ خرچ کرتے ہیں۔ ان مقاصد کے لیے فنڈز جنریٹ کرنے کے لیے جہاں اور دوسرے غیر قانونی ذرائع استعمال کیے جاتے ہیں وہیں ایک اہم ذریعہ یہ بھتہ خور کرمنلز بھی ہیں۔ کراچی کی بلدیہ فیکٹری کا واقعہ تو سبھی کو معلوم ہے جس میں بھتہ نہ دینے کی پاداش میں فیکٹری کو جلایا گیا۔ اس سانحے میں ڈھائی سو کے قریب جانیں ضائع ہوئیں جو اس فیکٹری کے عام ورکر تھے۔ ایک ایسے وقت میں جب پاکستان میں کاروبار کرنا ناممکن بنا دیا گیا ہے یہ پاکستان اور خلیجی ممالک میں موجود سرمایہ کاروں کے لیے بہترین موقع ہے کہ

وہ افغانستان میں سرمایہ کاری کے مواقع تلاش کریں اور امارت اسلامیہ افغانستان کو مضبوط بنانے میں اپنا حصہ ڈالیں۔

یہودیوں کی حفاظت کے لیے یونان کے جزائر خریدنے کی تجویز

اسرائیل کے ایک سیاستدان کی جانب سے یونان کے جزائر خریدنے کی تجویز نے ایک نئی بحث چھیڑ دی ہے۔ یہ تجویز خطے میں بڑھتی ہوئی کشیدگی اور ممکنہ میزائل حملوں کے خدشات کے تناظر میں سامنے آئی ہے۔ رپورٹس کے مطابق اسرائیلی سیاسی شخصیت اوری اسٹینر نے تجویز پیش کی کہ یونان کے تقریباً ۴۰ غیر آباد جزائر خرید کر انہیں اسرائیلی شہریوں کے لیے محفوظ پناہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جب یہ خیال پہلی بار سامنے آیا تو اسرائیلی عوامی گفتگو میں اس کا بڑے پیمانے پر مذاق اڑایا گیا۔ بہت سے مبصرین اور میڈیا آؤٹ لیٹس نے اس تجویز کو ''غیر حقیقی'' قرار دیتے ہوئے کہا کہ لاجسٹک، سیاسی اور مالیاتی رکاوٹیں بہت زیادہ ہوں گی۔ خود مختاری، یونان اور یورپی یونین کے ردعمل، اور جنگ کے دوران بڑی شہری آبادیوں کو بیرون ملک منتقل کرنے کے عمل کے بارے میں سوالات اٹھائے گئے۔ کئی سالوں تک یہ خیال اسرائیلی اسٹریٹجک سوچ میں حاشیے پر رہا ہے۔ تاہم، ۲۰۲۳ء کے اواخر سے علاقائی سلامتی کا منظر نامہ ڈرامائی طور پر بدل گیا ہے، جس نے اس تصور کو دوبارہ بحث میں لایا ہے۔ تازہ کشیدگی نے ان خدشات کو زندہ کر دیا ہے کہ اسرائیل کی شہری آبادی غیر معمولی پیمانے پر مسلسل میزائل حملوں کی زد میں ہے۔ جنگ نے پہلے ہی اسرائیل کے اندر بڑے معاشرتی اور آبادیاتی نتائج پیدا کیے ہیں۔ رپورٹس بتاتی ہیں کہ غزہ میں اسرائیل کی جنگ کے آغاز سے اب تک تقریباً ایک لاکھ اسرائیلی ملک چھوڑ چکے ہیں۔ سٹینر کے جزیرے کی تجویز کے حامیوں کا استدلال ہے کہ اس تصور کو ایک مستقل نقل مکانی کے منصوبے کے طور پر نہیں بلکہ ایک ہنگامی صورت حال کے طور پر دیکھا جانا چاہیے، ایک قسم کا سویلین بیک اپ سسٹم جو فوجی دفاعی میکانزم کی تکمیل کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے۔

پاکستان کس طرح بیرون ملک اپنا امیج بدلنے کی کوشش کر رہا ہے؟

نیویارک ٹائمز کے لیے الیان پیلٹیئر (Elian Peltier) اور ضیاء الرحمان نے ایک مضمون میں لکھا ہے پاکستان کی حکومت نے بیرون ملک اپنے امیج کو نئے سرے سے تشکیل دینے کے لیے ایک بڑی مہم کا آغاز کیا ہے اور یہ کوشش اب افغانستان کے ساتھ بڑھتے ہوئے تنازع سے نمٹنے کے طریقہ کار میں واضح طور پر نظر آ رہی ہے۔ یہ میڈیائی جارحیت (media offensive) پاکستان کی اس نئی کوشش کا حصہ ہے جس کا مقصد خود کو مغرب (بشمول صدر ٹرمپ) کے لیے ایک اہم شراکت دار اور خطے میں ایک سفارتی قوت کے طور پر پیش کرنا ہے۔ گزشتہ ایک برس کے دوران پاکستان کے سکیورٹی محکموں کے نمائندوں نے صحافیوں کو ریاست کے حامی یا دوستانہ انگریزی زبان کے نیوز آؤٹ لیٹس یا چینلز شروع کرنے کے لیے قائل کرنے کی کوشش کی۔ یہ معلومات اُن حکام اور صحافیوں کے مطابق ہیں جن سے ان منصوبوں کے لیے رابطہ کیا گیا تھا۔ اکتوبر میں پاکستان کے سرکاری نشریاتی ادارے پاکستان ٹیلی وژن (پی ٹی وی) نے اپنے انگلش چینل کو بھی نئے سرے سے پاکستان ٹی وی کے نام سے لانچ کیا۔ اس کا ایک ڈیجیٹل شعبہ بھی قائم کیا گیا جس کا مقصد غیر ملکی پراپیگنڈے کا مقابلہ کرنا اور بیرون ملک پاکستان کے بیانیے کو فروغ دینا ہے۔ ان نئے میڈیائی آؤٹ لیٹس کے دو اہم اہداف رہے ہیں، انڈیا اور پڑوسی ملک افغانستان میں طالبان حکومت۔ ان آؤٹ لیٹس کے صحافی پاکستان کے روایتی حریف انڈیا پر سخت تنقید کرتے رہے ہیں اور طالبان کے خلاف فوجی مہم کو اُن الفاظ میں بیان کرتے ہیں جو زیادہ تر پاکستانی فوج کے بیانیے کی عکاسی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ان دعووں کو تقویت دینا کہ تمام حملوں میں افغان فوجی اہداف کو نشانہ بنایا گیا، باوجود اس کے کہ شواہد اس کے برعکس تھے۔ انگریزی کے نیوز چینلز لانچ کرنے کی اس کوشش میں شامل ایک پاکستانی عہدیدار نے بتایا کہ یہ اقدام گزشتہ مئی میں انڈیا کے ساتھ ہونے والی فوجی جھڑپ کے بعد شروع کیا گیا جب سوشل میڈیا پر انڈیا نواز مواد کی بھرمار سے پاکستان 'مغلوب' ہو گیا تھا۔ گزشتہ برس تنازع کے دوران انڈین اور پاکستانی، دونوں ملکوں کے میڈیا نے غلط خبروں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا تھا۔ ایک سوال کے جواب میں پاکستانی عہدیدار نے بتایا کہ سکیورٹی اداروں نے میڈیا ایگزیکٹیوز کی 'حوصلہ افزائی اور ان سے درخواست' کی کہ وہ ان بیانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے نئے انگریزی چینلز شروع کریں جس کے بدلے میں جزوی طور پر انہیں ٹیکس چھوٹ فراہم کی گئی۔ عہدیدار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ یہ اپیل حب الوطنی کی بنیاد پر کی گئی تھی۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان چینلز کو کتنی فنڈنگ ملی ہے لیکن یہ ضرور کہا کہ پاکستان میں کوئی بھی انگریزی چینل ریاستی تعاون کے بغیر جڑ نہیں پکڑ سکتا۔ یہ چینلز پاکستان کی وسیع تر سفارتی حکمت عملی کا حصہ ہیں۔ انڈیا سے مختصر جنگ کے بعد سے پاکستان کے آرمی چیف فیلڈ مارشل عاصم منیر نے صدر ٹرمپ کے ساتھ ذاتی تعلقات استوار کیے ہیں جو اسے اپنا 'پسندیدہ فیلڈ مارشل' کہتا ہے۔ فیلڈ مارشل نے کرپٹو کے ذریعے صدر ٹرمپ کے رفقاء کو اور معدنی سودوں کے ذریعے ان کی انتظامیہ کو مائل کیا ہے۔

اپنی سفارت کاری کو تقویت دینے کے لیے پاکستان اُن کامیاب ریاستوں کے زیرِ اثر چینلز کی نقل کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو اپنے ممالک کے پیغامات کو پھیلاتے ہیں اور بیرون ملک ان کے امیج کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں ہیں جیسے ترکی کا ٹی آر ٹی یا قطر کا الجزیرہ۔

ایک آزاد تحقیقی ادارے 'گیلپ پاکستان' کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر بلال گیلانی نے کہا کہ 'حکومت کا خیال ہے کہ وہ براہ راست یا بالواسطہ طور پر ٹیلی ویژن چینلز کو فنڈ دے سکتی ہے جنھیں وہ آسان ابلاغ کے لیے ترجمان کے طور پر استعمال کرے گی'۔ تین پاکستانی صحافیوں نے بتایا کہ ان سے صوبائی وزیر اطلاعات شرجیل انعام میمن نے رابطہ کیا تھا جسے ریاست کا ایک اہم رابطہ کار سمجھا جاتا ہے تاکہ ان منصوبوں میں سے ایک شروع کیا جاسکے۔ ان نئے اداروں کو اُسی معاملے کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جسے ملک کی معروف ایڈیٹرز کی تنظیم نے پاکستانی میڈیا پر حکومت کا 'مکمل کنٹرول' قرار دیا ہے۔ رپورٹرز اور انسانی حقوق کے گروپوں کے مطابق پاکستان میں صحافیوں کو بڑھتی ہوئی سنسرشپ اور مالی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا ہے بشمول بینک

اکاؤنٹس کا منجمد ہونا اور حکومتی اشتہارات کی معطلی، جبری برطرفی، گرفتاریاں اور قید۔ کئی صحافیوں کو 'غلط اور جعلی معلومات' کو جرم قرار دینے والے قانون کے تحت گرفتار بھی کیا گیا ہے۔ ملک کا سب سے مشہور اخبار 'ڈان' اس وقت ایک مالی بحران کا شکار ہے جب حکومت نے اشتہارات کی آمدنی روک دی۔ اخبار کے مطابق اس کی غیر جانبدارانہ رپورٹنگ کی وجہ سے انتقام لیا جا رہا ہے۔ 'رپورٹرز ود آؤٹ بارڈرز' کے پریس فریڈم انڈیکس میں پاکستان ۱۸۰ ممالک میں سے ۱۵۸ ویں نمبر پر ہے۔

پاکستان ریلوے کی حالت زار، آخر مسئلہ کہاں ہے؟

۱۵ مارچ، کراچی سے لاہور جانے والی شالیمار ایکسپریس نوشہرو فیروز میں ٹریک پر کھڑی مال گاڑی سے ٹکرا گئی۔ اس حادثے سے متعلق سامنے آنے والی مشترکہ تحقیقاتی رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ ٹرین کی تقریباً ۶۰ فیصد بوگیوں کی بریکیں کام نہیں کر رہی تھیں۔ اہم بات یہ ہے کہ روہڑی سٹیشن پر ہونے والی انسپکشن کے دوران ہی یہ بات علم میں آگئی تھی کہ ٹرین کی ۱۸ میں سے ۱۰ بوگیاں ناقص حالت میں ہیں، جن میں نو بغیر بریک کے چل رہی ہیں۔ اس کے باوجود ٹرین کو سفر جاری رکھنے کی اجازت دے کر سینکڑوں مسافروں کی زندگی کو خطرے میں ڈالا گیا۔ مینٹیننس نقائص کے باوجود ٹرین کو سفر کی اجازت دینا اور حادثے میں ایک شخص کا جاں بحق ہونا، یہ واقعہ پاکستان ریلوے کے انتظامی نظام میں موجود خامیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اور یہ کوئی پہلا حادثہ بھی نہیں تھا۔ ذیل میں چند بڑے حادثات کی فہرست ملاحظہ فرمائیں:

- ۱۹۵۳ء جھم پیر کے قریب ٹرین حادثے میں ۲۰۰ افراد جاں بحق ہوئے۔
- ۱۹۵۴ء میں جنگ شاہی کے قریب ٹرین حادثے میں ۶۰ قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں۔
- ۲۹ ستمبر ۱۹۵۷ء گمبر ٹرین حادثے میں ۳۰۰ افراد ہلاک، ۱۵۰ زخمی ہوئے۔
- ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو لیاقت پور کے قریب ٹرین حادثے میں ۱۸۰ افراد جان سے گئے۔
- ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۷ء مورو (سندھ) کے قریب ٹرین بس سے ٹکرائی ۱۲۸ افراد ہلاک، ۶۰ زخمی ہوئے۔
- ۴ جنوری ۱۹۹۰ء کو پنوں عاقل کے قریب سانگی میں ٹرین حادثے میں ۳۰۷ افراد جان سے گئے۔
- ۸ جون ۱۹۹۱ء مسافر ٹرین مال گاڑی سے ٹکرائی، کم از کم ۱۰۰ افراد ہلاک ہوئے۔
- ۱۶ مارچ ۲۰۰۲ء شیخوپورہ کے قریب لاہور فیصل آباد ٹرین پٹری سے اترنے کے سبب حادثے میں ۷ ہلاک، ۱۵ زخمی ہوئے۔
- ۲۶ ستمبر ۲۰۰۲ء سبی کے قریب کوئٹہ ایکسپریس پٹری سے اتری (پل گر گیا) ۷ ہلاک، ۵۷ زخمی ہوئے۔
- ۲۰ ستمبر ۲۰۰۳ء کو ملکوال (منڈی بہاؤالدین) کے قریب ٹرین بس سے ٹکرائی، ۲۸ ہلاک، ۱۰ زخمی ہوئے۔
- ۱۳ جولائی ۲۰۰۵ء کو گھوٹکی کے قریب تین ٹرینیں آپس میں ٹکرا گئیں، ۱۲۰ افراد جاں بحق اور ۱۰۰۰ زخمی ہوئے۔
- ۱۹ دسمبر ۲۰۰۷ء کو مہراب پور میں ٹرین پٹری سے اترنے کے سبب ۵۰ ہلاک، ۲۰۰ زخمی ہوئے۔
- جولائی ۲۰۱۳ء میں خان پور کے قریب ٹرین رکشے سے ٹکرا گئی، ۱۱۴ افراد جان سے گئے۔
- ۲۵ جولائی ۲۰۱۳ء کو گوجرانوالہ کے قریب ٹرین پٹری سے اتری، ۲ ہلاک ہوئے۔
- ۲ جولائی ۲۰۱۵ء کو گوجرانوالہ میں خوفناک ٹرین حادثہ پیش آیا، ۱۹ افراد زندگی کی بازی ہار گئے۔
- ۱۷ نومبر ۲۰۱۵ء کو بلوچستان میں ٹرین حادثے کے نتیجے میں ۲۰ افراد جاں بحق ۹۶ زخمی ہوئے۔
- ۳ نومبر ۲۰۱۶ء کو کراچی کے علاقے لانڈھی میں دو ٹرینیں آپس میں ٹکرائیں، ۲۱ افراد جاں بحق ۴۰ زخمی ہوئے۔
- ۱۱ جولائی ۲۰۱۹ء کو رحیم یار خان کے قریب اکبر ایکسپریس مال گاڑی سے ٹکرا گئی، جس میں ۲۰ مسافر جاں بحق اور ۶۰ زخمی ہوئے۔
- ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۹ء کو رحیم یار خان میں تیز گام ایکسپریس میں آتشزدگی کے سبب ۷۴ ہلاک اور ۴۰ زخمی ہوئے۔
- ۲۸ فروری ۲۰۲۰ء کو روہڑی کے قریب پاکستان ایکسپریس بس سے ٹکرائی، ۱۹ ہلاک، ۳۰ سے زیادہ زخمی ہوئے۔
- ۷ جون ۲۰۲۱ء کو گھوٹکی (ڈہرکی) میں دو مسافر ٹرینوں کے تصادم میں ۶۵ ہلاک، ۱۵۰ سے زائد زخمی ہوئے۔
- ۲۷ اپریل ۲۰۲۳ء کو ٹنڈو مستی خان میں کراچی ایکسپریس میں آتشزدگی کے سبب ہلاکتیں ہوئیں۔
- ۶ اگست ۲۰۲۳ء کو ہزارہ ایکسپریس نوابشاہ میں پٹری سے اتر گئی جس کے سبب ۳۰ ہلاک، ۱۰۰ سے زائد زخمی ہوئے۔

سال ۲۰۱۹ پاکستان ریلوے کی تاریخ کا بدترین سال ثابت ہوا، جس میں ۱۰۰ سے زائد حادثات ہوئے۔

اب سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب فقط بدانتظامی کے اور انفراسٹرکچر کی بہتر دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب ہو رہا ہے؟ اگر انفراسٹرکچر بہتر نہیں بنایا جا رہا تو کیا وجہ ہے؟ اگر آپ لمبے سفر کے لیے ٹکٹ بک کروانے جائیں تو آپ کو ٹکٹ پندرہ دن پہلے بک کروانا ہوگی یعنی مسافر ٹرینیں تو بھرپور کمائی کرتی ہیں۔ پھر مسئلہ کہاں ہے؟ اس معاملے کی ذرا گہرائی سے تحقیق کی جائے تو ایک اور اہم ایشو سامنے آتا ہے وہ یہ کہ ریلوے کی بدحالی کا دور تب سے شروع ہوا جب فوج نے ٹرانسپورٹیشن کے لیے تجارتی ادارے نیشنل لاجسٹکس سیل کی بنیاد ڈالی۔ این ایل سی نے پہلے تیل کی ترسیل کے لیے ریلوے کے ساتھ شراکت کی اور پھر یہ ترسیل بتدریج ریل سے روڈ کی طرف لے جا کر خود اس شعبے کا بڑا اور واحد کھلاڑی بن گیا۔ اس طرح پاکستان ریلوے کی آمدن کا ایک بڑا اور اہم ذریعہ این ایل سی نے قبضہ کر لیا۔ کرنل ریٹائرڈ عبدالرحیم ایک انٹرویو میں یہ تذکرہ بھی کر چکے ہیں کہ ایک آرمی افسر کو فقط اس وجہ سے تشدد کا نشانہ بنا کر لاپتہ کیا گیا کہ اس نے این ایل سی اور فوج کے افسران کی ملی بھگت سے ہونے والی یومیہ کروڑوں روپے کی تیل کی چوری کے سکینڈل کو بے نقاب کیا تھا۔

مختلف حکومتوں کے ادوار میں ریلوے کی اپ گریڈیشن کے لیے چین سے معاہدے تو کیے گئے لیکن وہ بھی کرپشن اور بد انتظامی کی نذر ہوئے جس نے مسائل میں مزید اضافہ کیا ہے۔

ٹرمپ کی بدتہذیبی، بدمعاشی اور غرور بھرا لہجہ ہی امریکہ کا اصل چہرہ ہے

۲۷ مارچ ۲۰۲۶ء کو فلوریڈا کے میامی میں Future Investment Initiative (FII) Priority Summit (سعودی عرب کے PIF کی حمایت یافتہ انویسٹمنٹ کانفرنس) میں ٹرمپ کی جانب سے سعودی ولی عہد محمد بن سلمان "خوشنودی" حاصل کرنے کے لیے مجبوراً "اچھا برتاؤ" (یعنی مطیع، تعاون کرنے والا اور فائدہ مند ڈیلز دینا) کرنا پڑ رہا ہے۔ یعنی ٹرمپ یہ بتانا چاہتا ہے کہ اب سعودی عرب کو امریکہ / ٹرمپ کی شرائط پر چلنا پڑے گا، نہ کہ الٹا۔ یہ ٹرمپ کے روایتی "America First" اور blunt اندازِ بیان کی مثال ہے۔ بہت سے صحافیوں اور تجزیہ کاروں نے اسے ناگوار، عوامی ذلت اور امریکی سلطنت کا غرور قرار دیا۔ یقیناً یہ سفارتی آداب کی خلاف ورزی تھا۔ سفارتی آداب کی خلاف ورزی کا ایک اور مظاہرہ صدر ٹرمپ نے جاپان کی خاتون صدر کے سامنے بھی کیا۔ واقعہ ۱۹ مارچ ۲۰۲۶ء کو وائٹ ہاؤس کے اوول آفس میں پیش آیا۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی جاپان کی وزیر اعظم سانائے تکائچی سے پہلی سرکاری ملاقات تھی اور دونوں رہنماؤں کے درمیان ایران پر امریکی اسرائیلی حملوں (فروری ۲۰۲۶ء میں شروع ہونے والے آپریشن) اور علاقائی سلامتی کے موضوعات پر بات ہو رہی تھی۔ ایک جاپانی صحافی (موریو چیجیوا، TV Asahi سے) نے سوال کیا کہ امریکہ نے ایران پر حملے سے قبل اپنے اتحادیوں (بشمول جاپان) کو پیشگی اطلاع کیوں نہیں دی؟ ٹرمپ نے جواب دیا کہ "ہم نے کسی کو نہیں بتایا کیونکہ ہمیں سرپرائز چاہیے تھا"۔ پھر اس نے پرل ہاربر (۱۹۴۱ کا جاپانی حملہ) کا حوالہ دیتے ہوئے کہا، "ہم نے کسی کو نہیں بتایا کیونکہ ہم سرپرائز چاہتے تھے۔ سرپرائز کے بارے میں جاپان سے بہتر کون جانتا ہے؟ ٹھیک؟ آپ نے مجھے پرل ہاربر کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟ ٹھیک ہے؟ آپ سرپرائز پر ہم سے کہیں زیادہ یقین رکھتے ہیں"۔ ٹرمپ کی جانب سے اس بھونڈے مذاق پر وزیر اعظم تکائچی کی آنکھیں پھیل گئیں، انہوں نے گہری سانس لی، مسکراہٹ غائب ہو گئی، وہ کرسی پر ہل گئیں اور خاموش رہیں۔

تورو تاماگاوا (جاپانی براڈکاسٹر TV Asahi کے تجزیہ کار / کمپیئر):

"یہ صدر ٹرمپ کے ناخوشگوار پہلو کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ اس بات کی بالکل پرواہ نہیں کرتا کہ جاپانی وزیر اعظم اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہیں۔"

ایزورو ماکیھارا (University of Tokyo کے جاپانی سیاست کے پروفیسر اور دانشور):

"یہ وہ بات ہے جو بالکل نہیں کہی جانی چاہیے تھی۔ ٹرمپ اگلے مرحلے میں 'ہیروشیما اور ناگاساکی ٹھیک تھے نا؟' کہہ سکتا ہے۔ جاپانی عوام اسے قبول نہیں کر سکتے۔"

انہوں نے کہا کہ کچھ جاپانی اسے ٹرمپ کا معمول سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے، مگر یہ ناقابل قبول ہے۔ ہیتوشی تاناکا (سابق جاپانی سفارت کار اور Japan Research Institute کے مشیر) نے ایکس پر لکھا کہ قومی رہنما برابر ہوتے ہیں، ٹرمپ کو خوش کرنے کے لیے جھکنا نہایت افسوسناک ہے۔ انہوں نے وزیر اعظم تکائچی کے جواب نہ دینے پر تنقید کی۔ بہرحال زیادہ تر صحافیوں اور دانشوروں نے اسے سفارتی طور پر غیر مناسب قرار دیا۔ ٹرمپ کے ان بیانات کے علاوہ حالیہ دیگر بیانات بھی دیکھیں تو ان میں غرور، دھونس اور بدمعاشی کی جھلک ملے گی اور یہی امریکہ کا اصل چہرہ ہے۔

یہ امن سفارت کاری کم بے چارگی زیادہ ہے

عمران خورشید ایشیا ٹائمز کے لیے لکھتے ہیں کہ پاکستان کا امن کا کھیل سفارت کاری سے زیادہ مایوسی کا نتیجہ ہے۔ پاکستان کی امن سفارت کاری اس کے بڑھتے ہوئے عالمی اثر و رسوخ کی نشانی نہیں، بلکہ یہ اس بات کا پیمانہ ہے کہ مغرب کے پاس معتبر ثالث کہلانے والے کتنے کم ہیں۔ کیا پاکستان واقعی عالمی سطح پر اہم ہو گیا ہے یا اسے صرف اسٹریٹیجک طور پر ایسا دکھایا جا رہا ہے؟ قریب سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے حوالے سے موجودہ تشہیر زیادہ تر اس کی عالمی اثر و رسوخ یا صلاحیتوں میں اضافے کی وجہ سے نہیں، بلکہ مشرق وسطیٰ کے جاری تنازع کے دوران مغربی مفادات کی وجہ سے ایک اسٹریٹیجک مبالغہ آرائی ہے۔ اس مبالغہ آرائی کو وسیع اسٹریٹیجک تناظر میں سمجھنا چاہیے۔ جنگ، جسے امریکہ نے مختصر اور فیصلہ کن سمجھا تھا، اب دوسرے ماہ میں داخل ہو چکی ہے اور زیادہ پیچیدہ اور طویل ہو گئی ہے۔ محدود بمباری سے صورتحال جلد مستحکم ہو جائے گی، یہ مفروضہ غلط ثابت ہوا ہے۔ ایران کا جواب غیر متوقع اور اہم رہا ہے، اس نے صرف فوجی تنصیبات ہی نہیں بلکہ کمرشل اور توانائی کے مفادات کو بھی نشانہ بنایا، جس سے جنگ کی قیمت بڑھ گئی۔ اسٹریٹیجک اثرات گہرے ہیں۔ آبنائے ہرمز کو مؤثر طریقے سے بند کر دیا گیا ہے اور عالمی تیل کی سپلائی متاثر ہوئی ہے۔ توانائی کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ دنیا بھر کے ممالک اس کے اثرات محسوس کر رہے ہیں اور عالمی معیشت ممکنہ طور پر تباہ کن کساد بازاری کی طرف بڑھ رہی ہے جس میں مزید اضافے کا امکان ہے جو صورتحال کو مزید سنگین بنا رہا ہے۔ ایسے میں امریکہ اور اس کے اتحادی اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ وہ علاقے میں ایک اور طویل جنگ میں پھنس جائیں۔ امریکہ میں اس کو "Forever Wars" کہا جاتا ہے جو اس کے وسائل ختم کرتی ہیں اور اسے انڈوپیسیفک سمیت دیگر اسٹریٹیجک تھیٹرز پر توجہ مرکوز کرنے سے روکتی ہیں۔ بہت سے خلیجی ممالک ثالثی کا کردار ادا نہیں کر سکتے۔ وہ تنازع کے فریق ہیں۔ اسی تناظر میں پاکستان کو ثالث کے طور پر لایا اور پیش کیا جا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پاکستان ہی کیوں؟ جواب اس کی بڑھتی ہوئی آزاد عالمی حیثیت میں نہیں بلکہ اسٹریٹیجک سہولت اور پاکستان کی اپنی مجبوریوں میں ہے۔ پہلے، پاکستان نے حال ہی میں سعودی عرب کے ساتھ باہمی دفاعی معاہدہ کیا ہے جس میں NATO طرز کی شق شامل ہے کہ ایک پر حملہ دونوں پر حملہ سمجھا جائے گا۔ اگر جنگ طویل ہوئی تو پاکستان سعودی عرب کے ساتھ جنگ میں کھینچا جا سکتا ہے۔ اس لیے پاکستان کو تصادم کو روکنے کی فوری ضرورت ہے تاکہ وہ ایک ایسی جنگ میں نہ پھنسے جو ہر لحاظ سے انتہائی مہنگی ہو گی۔ دوسرے، پاکستان کے اندرونی حالات انتہائی حساس ہیں۔ ونسن سینٹر کے

ساؤتھ ایشیا انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر مائیکل کوگل مین کا کہنا ہے کہ اس وقت جب پاکستان کئی سالوں یا دہائیوں میں سب سے شدید اندرونی انتشار کا شکار ہے، اسے مزید تصادم اور ایران کے ساتھ تناؤ کا خطرہ برداشت نہیں۔ پاکستان کے لیے تین پڑوسیوں کے ساتھ سنگین تناؤ میں پھنس جانا، یہ جیو پولیٹیکل طور پر سب سے بدترین صورتحال ہے۔ پاکستان کی معاشی کمزوری ایک اہم عنصر ہے۔ ملک بیرونی مالی امداد پر بہت انحصار کرتا ہے، بشمول IMF بیل آؤٹ اور خلیجی ریاستوں سے تاخیر سے تیل کی ادائیگیاں۔ اس کی معاشی حالت نمایاں طور پر خراب ہو چکی ہے۔ پاکستان کو یہ خوف بھی ہے کہ اگر وہ مغربی ایشیا کے تنازع میں پھنس گیا تو بھارت مشرقی محاذ کھول سکتا ہے۔ یہ تمام عوامل مل کر واضح کرتے ہیں کہ پاکستان خود کو ثالث کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے، یہ اس کی بیرونی اور اندرونی دباؤ اور مجبوریوں کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا پاکستان کے عالمی سفارت کاری میں بڑھتے ہوئے کردار کی وسیع داستان کو احتیاط سے دیکھنا چاہیے۔ یہ بھی نہ بھولیں کہ پاکستان اکثر امریکہ کا قریبی مگر ماتحت اتحادی رہا ہے جو علاقائی مقاصد کے حصول میں کام آتا ہے۔ اس کے کردار کے کسی بھی جائزے میں اس بات کو مدنظر رکھنا ہوگا، کیونکہ پاکستان اکثر بیرونی طور پر تشکیل دیے گئے فریم ورک میں کام کرتا رہا ہے۔ افغانستان سے لے کر وسیع مغربی ایشیا تک۔ یہ موجودہ ثالثی کی کوششیں بھی اسی ڈائنامک کو ظاہر کرتی ہیں۔ پاکستانی رہنماؤں، بشمول وزیر اعظم شہباز شریف اور وزیر خارجہ اسحاق ڈار کی ٹویٹس، ڈونلڈ ٹرمپ کے Truth Social اکاؤنٹ پر فعال طور پر شیئر کی جا رہی ہیں، جو نسبتاً نادر بات ہے، اور جو امریکہ کے مقاصد سے ہم آہنگی کی نشاندہی کرتی ہے۔ اسی وقت، جبکہ پاکستان ثالثی کی بات کر رہا ہے، اس نے افغانستان میں اپنے فوجی آپریشنز نہیں روکے، جس سے اس کی ساکھ پر سوال اٹھتے ہیں۔ پاکستان کے حالیہ حملوں میں شہری تنصیبات، بشمول ہسپتالوں کو نشانہ بنایا گیا جس سے ۴۰۰ سے زائد افراد جاں بحق ہوئے، جس سے اس کا غیر جانبدار ثالث ہونے کا دعویٰ مزید پیچیدہ ہو گیا ہے۔ مغربی اور دیگر میڈیا کے کچھ حصوں کی طرف سے پاکستان کے کردار کے حوالے سے مبالغہ آرائی، جو اکثر مغربی اسٹریٹیجک غور و فکر کی عکاسی کرتی ہے، اسے ایک وسیع اسٹریٹیجک کمیونیکیشن کا حصہ سمجھا جائے جو پاکستان کو قابل مذاکرات کار کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی مثبت نتیجے کے امکان کو خارج نہیں کرتا۔ اگر پاکستان تصادم کو کم کرنے میں حصہ ڈال سکا تو یہ علاقے اور وسیع بین الاقوامی برادری دونوں کے لیے فائدہ مند ہوگا۔ مگر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کے اقدامات کے پیچھے محرکات کیا ہیں۔

یہ خبر اس لحاظ سے بھی اہم ہے کیونکہ ایشیا ٹائمز ہانگ کانگ میں قائم ایک ڈیجیٹل پلیٹ فارم ہے جو خود کو ”مغربی میڈیا کے مقابلے میں ایشین نقطہ نظر“ پیش کرنے والا اور ”آزاد اور غیر جانبدار“ ادارہ کہتا ہے اور ایشیا بھر کی جیو پولیٹیکل اور جیو اکنامک خبروں کا بڑا ذریعہ ہے۔ ہانگ کانگ میں ہونے کے سبب اسے Pro-China بھی سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی یاد دلاتے چلیں کہ سلیم شہزاد جو اسلام آباد میں ایشیا ٹائمز کے بیورو چیف تھے ۲۰۱۱ء میں پاکستان کے خفیہ اداروں کے ہاتھوں اغوا ہوئے اور بعد ازاں ان کی تشدد زدہ لاش برآمد ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے دوستوں بالخصوص ہیومین رائٹس واچ کے ڈائریکٹر علی دایان حسن کو پہلے سے مطلع کر رکھا تھا کہ وہ آئی ایس آئی سے مسلسل دھمکیاں وصول کر رہے ہیں۔

حکومت ماحولیاتی آفات سے نمٹنے کے لیے ایک ارب ڈالر قرض لے گی

حکومت نے ماحولیاتی آفات سے نمٹنے کیلیے ایک ارب ڈالر کا بجٹ سپورٹ قرض حاصل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ سنٹرل ڈویلپمنٹ ورکنگ پارٹی نے ایشیائی ترقیاتی بینک سے "Climate Disaster Resilience Enhancement Program" کے تحت ایک ارب ڈالر قرض لینے کی منظوری دے دی ہے، اس میں سے ۵۰۰ ملین ڈالر فوری طور پر جاری کیے جائیں گے، جبکہ باقی رقم قدرتی آفات کی صورت میں استعمال کے لیے رکھی جائے گی۔ یہ رقم جون سے پہلے موصول ہونے کی توقع ہے۔ اس کا مقصد زرمبادلہ کے ذخائر پر دباؤ کو کم کرنا بھی ہے۔ دستاویزات کے مطابق یہ قرض ادارہ جاتی صلاحیت بڑھانے، نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ پلان پر عمل درآمد، ایمرجنسی آپریشنز سینٹر کے قیام اور سیلاب سے بچاؤ جیسے منصوبوں پر خرچ کیا جائے گا۔ ورلڈ بینک کے ۴۰ ملین ڈالر کے پبلک ریسورس موبلائزیشن منصوبے کو مہنگے لیپ ٹاپ، کمپیوٹرز اور فرنیچر کی خریداری کے باعث مؤخر کر دیا گیا، منصوبے میں بعض آلات کی قیمتیں غیر معمولی طور پر زیادہ بتائی گئیں، جس میں ۳ ہزار ڈالر کے لیپ ٹاپ اور مہنگے فرنیچر سیٹ وغیرہ شامل ہیں۔

پاکستان میں قدرتی آفات سے نمٹنے کے لیے موجود ادارہ نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی (این ڈی ایم اے) جس کی سربراہی ایک لیفٹیننٹ جنرل کرتا ہے اور مینجمنٹ میں بھی فوجی افسران سرفہرست ہیں اپنے بھاری بھرکم اخراجات کے باوجود صرف یہی پرفارمنس دے پاتا ہے کہ آندھی و بارشوں کا تھریٹ الرٹ جاری کر دیتا ہے جبکہ عملی طور پر آفات میں ریسکیو پرفارمنس صفر ہوتی ہے۔ آرمی ہیلی کاپٹرز غیر ملکی کوہ پیماؤں کو ریسکیو کرتے تو نظر آتے ہیں لیکن سیلاب میں پھنسے عام پاکستانی اس سروس سے عموماً محروم ہی رہتے ہیں۔ ریسکیو سروس حاصل کرنے کا فرق صرف ملکی و غیر ملکی کی وجہ سے ہی نہیں ہے بلکہ ایک بڑی وجہ وہ بھاری فیسیں بھی ہیں جو کوہ پیما ریسکیو کرنے پر پاکستان آرمی ایوی ایشن کو ادا کرتے ہیں۔ حکومت ماحولیاتی آفات سے نمٹنے کے لیے ایک ارب ڈالر قرض لے گی۔ حکومت نے ماحولیاتی آفات سے نمٹنے کے لیے ایک ارب ڈالر کا بجٹ سپورٹ قرض حاصل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

صحبتِ با اہلِ دل!

شیخ احسن عزیز شہیدؒ

"...هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ." (حدیثِ قدسی، بخاری، کتاب الدعوات)

"یہ (اہلِ ذکر) وہ لوگ ہیں کہ ان کے ہم نشین بھی شقی نہیں رہتے۔"

کبھی کبھی
کہیں کہیں
کوئی کوئی ملے اگر تو یوں لگے
کہ جیسے آس پاس آفتاب سے چمک اٹھیں
بہارِ دل میں جیسے کچھ گلاب سے مہک پڑیں
یہی ہیں تو ___
زمین کا نمک ہیں جو!

زہے نصیب، دوستو!
اگر یہ تم سے بن پڑے
تم اِن کے ہم نشیں رہو
کہ اِن کے جو جلیس ہیں
کبھی شقی نہیں رہے!
یہ لوگ کم سہی مگر
تلاش پھر بھی شرط ہے
یہ مل ہی جائیں گے تمہیں
ہجومِ اہلِ ذکر میں
کسی نماز میں ___ یہاں!
کسی محاذ پر ___ وہاں!

اے فرزندانِ اسلام اور اے محبانِ ملت! آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے کہ جس برق مسلم سوز نے ان بلادِ اسلامیہ کے خرمنِ آزادی کو جلایا اور خلافتِ اسلامیہ کے قصر کو آگ لگائی، اس کا اصل ہیولا عربوں اور ہندوستانیوں کے خونِ گرم سے تیار ہوا تھا اور جس دولت سے نصاریٰ ان ممالکِ مقدسہ میں کامیاب ہوئے اس کا بہت بڑا حصہ بھی تمہارے دست و بازو سے کمایا ہوا تھا۔

پس کیا اب بھی کوئی ایسا پلید اور غبی مسلمان پایا جاتا ہے جس کو نصاریٰ کے موالات و مناصرت کے نتائجِ قطعیہ معلوم نہ ہوئے ہوں اور ایسی تشویش ناک حالت میں جب کہ ڈوبتا ہوا آدمی ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے، وہ اس فکر میں ہو کہ کوئی صورت موالات کے جواز کی نکالے۔

اے میرے عزیزو! یہ وقت استحباب اور فرضیت کی بحث کا نہیں بلکہ غیرتِ اسلامی اور حمیتِ دین سے کام لینے کا ہے۔ کہیں علمائے زمانہ کا چھوٹا بڑا اختلاف تمہاری ہمتوں کو پست اور تمہارے دلوں کو پژمردہ نہ کردے۔ میں تم سے محض اس قدر درخواست کرتا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں کے بازوؤں کو قوی مت بناؤ اور حق تعالیٰ شانہ کے ان ارشادات پر نہایت مستعدی اور جواں مردی اور اخلاصِ نیت سے عمل کرو:

”اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست اور مددگار بنائے وہ بھی ان میں سے ہے اور بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔“ (سورۃ المآئدۃ:۵۱)

شیخ الہند
مولانا محمود حسن رحمہ اللہ

اقتباس از: کفار کے ساتھ تعلق کی شرعی حیثیت